ولایت فقیہ

امام خمینیؒ

ولایت فقیہ

امام خمینیؒ

مؤسسہ تنظیم ونشر آثار حضرت امام خمینیؒ
بین الاقوامی امور

امور بین الملل

- نام کتاب :- ولایت فقیہ
- ناشر :- مؤسسہ تنظیم ونشر آثار امام خمینیؒ ـ بین الاقوامی امور
- پتہ :- پوسٹ بکس نمبر ۱۹۵۷۵/۶۱۴ تہران ـ ایران
- ٹیلیفون :- ۵ ـ ۲۲۸۷۷۷۴ ـ ۲۲۸۳۱۳۸
- فیکس :- ۲۲۸۷۷۷۳
- چھاپ :- اول ـ ۱۹۹۶

فہرست مطالب

پہلا حصہ: تشکیل حکومت کے لازمی دلائل

دوسرا حصہ: اسلامی احکام کے بعض مسائل کی تحقیق

تیسرا حصہ: اسلامی حکومت کا طریقہ

چوتھا حصہ: روایات سے ولایت فقیہ کا اثبات

پانچواں حصہ: حکومت اسلامی کی تشکیل کے لئے جد وجہد

مقدمه ناشر

بسم اللہ الرحمن الرحیم
الحمد للہ ولاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم
والصلوۃ والسلام علی رسول اللہ محمد خاتم النبیین وآلہ الطیبین

یہ کتاب " ولایت فقیہ " صحیح متن اور توضیحی حواشی اور کئی فہرستوں کے مجموعے کے ساتھ اہل فضل و تحقیق اور آثار امام خمینیؒ کے چاہنے والوں کی خدمت میں پیش کی جارہی ہے۔ یہ کتاب حضرت امام خمینیؒ طاب ثراہ کی ان تیرہ ۱۳ تقریروں کا مجموعہ ہے جو امام خمینیؒ نے ۱۳ ذی قعدہ ۱۳۸۹ ق سے ۲ ذی الحجہ ۱۳۸۹ ق تک (مطابق با ۱/۱۱/ ۱۳۴۸ تا ۲۰ /۱۱/ ۱۳۴۸) قیام نجف اشرف کے زمانہ میں کی تھیں۔ یہ تقریریں اسی زمانہ میں مختلف طریقوں سے کبھی پوری کبھی ایک درس یا چند درسوں کو ملاکر چھاپ دی جاتی تھیں۔ اس کے بعد ۱۳۴۹ ش (۱۹۷۰ء) موسم خـزاں میں انہیں مرتب کرکے

اور حضرت امامؒ کی تائید حاصل کرکے چھپنے کےلئے دے دی گئیں۔ سب سے پہلے یہ حضرت امامؒ کے عقید تمندوں نے بیروت میں شائع کیں۔ پھر یہ کتاب پوشیدہ طور سے ایران بھیج دی گئی اور اس زمانہ میں انقلابی مسلمانوں کےلئے یورپ، امریکہ، پاکستان وافغانستان بھی بھیج دی گئی۔ (انقلاب اسلامی کی کامیابی سے پہلے اس کا ترجمہ امامؒ کے چاہنے والوں نے ہندوستان اور پاکستان میں بھی کیا تھا جو اسی زمانے میں منظر عام پر آگیا تھا) اسی طرح انقلاب کی کامیابی سے پہلے سن ۱۳۵۶ میں ایران کے اندر اس کتاب کو بنام "نامہ ای از امام موسوی کاشف الغطاء بضمیمہ جہاد اکبر" چھاپا گیا۔

شاہی حکومت نے ممنوعہ کتابوں کی لسٹ میں امام خمینیؒ کے دیگر آثار کی طرح کتاب "ولایت فقیہ" کو بھی شامل کرلیا تھا۔ نہ معلوم کتنے ایسے افراد تھے جو اس کتاب کے شائع کرنے، تقسیم کرنے، بلکہ ہمراہ رکھنےاور مطالعہ کرنےکے جرم میں قید خانوں میں شکنجوں میں کسے گئے۔ لیکن ساواک [1] کے تشدد اور شاہی حکومت کی سختیوں کے باوجود حکومت اسلامی کا نظریہ۔ جس کے فقہی مبانی کو اسی کتاب کے اندر حضرت امام خمینیؒ نے بیان کیا ہے۔ بڑی سرعت کے ساتھ حوزہ ہائے علمیہ، یونیورسٹیوں اور دیگر مراکز میں مسلمانوں اور انقلابیوں کے درمیـان وسعت پاتا رہا اور ولایت فقیہ کی بنیاد پرحکومت اسلامی بنانے کا نظریہ حقیقی امیـد کی صورت میں ۱۵ خرداد (۵ مئی) [2] کو امام خمیـنیؒ کی

۱۔ ۱۳۳۶ ھ ش میں رضاشاہ کے حکم پر ملک کی انٹیلیجنس سروس جو ساواک کے نام سے معروف تھی کی باقاعدہ بنیاد رکھی گئی۔ ساواک حکومت کے مخالفین کو کچلنے اور اسلامی تحریکوں کا مقابلہ کرنے پر مامور تھی۔ امریکی جاسوسی ادارے "سی آئی اے" اور اسرائیلی انٹیلی جنس سروس "موساد" کے ساتھ ساواک کے گہرے روابط تھے اور ایک دوسرے کے ساتھ تعاون کا سلسلہ بھی تھا۔ سیاسی قیدیوں پر تشدد کرنے میں ساواک کی قساوت اور بے رحمی کا یہ حال تھا کہ بین الاقوامی ایمنسی انٹرنیشنل کے سیکرٹری جنرل نے ۱۳۵۴ میں یہ اعلان کیا:

"انسانی حقوق کے نقطہ نظر سے کسی ملک کی کارکردگی ایران سے زیادہ سیاہ اور بدتر نہیں"!

۲۔ شاہ کی حکومت، امام خمینیؒ کی تحریک کو مزید پھیلنے سے روکنے کی خاطر کافی غور وخوض اور اپنے مغربی دوستوں سے صلاح ==

تحریک کے ساتھ جلوہ گر ہوگیا. فقہاء کرام نے ولایت فقیہ کے بارے میں فقہ کے مختلف ابواب میں معمولا مناسبت کے ساتھ تھوڑی تھوڑی بحث ضرور کی ہے اگرچہ بعضوں نے تو بہت ہی مختصر اور بعضوں نے کچھ ذرا تفصیل کے ساتھ روشنی ڈالی ہے لیکن قدماء کی فقہی کتابوں میں اس بارے میں کوئی منظم وجامع بحث نہیں دیکھی گئی. اسکی وجہ ان سیاسی واجتماعی حالات میں تلاش کرنا چاہیے جو ممالک اسلامی کی تاریخ پر محیط تھے اور ان ظالم حکومتوں کے زمانہ تسلط میں جستجو کرناچاہیے، جب اس قسم کے موضوعات پر بحث اس لئے ممکن نہ تھی کہ فقہاء کی حاکمیت کےلئے حالات سازگار نہ تھے. در عین حال زمانہ غیبت میں ولایت فقیہ کے محدود دائرہ اختیار کے بارے میں فقہائے شیعہ کے اختلاف آراء سے قطع نظر کرتے ہوئے عام طور سے فقہاء، جامع الشرائط فقیہ کےلئے اجمالی طور سے ایک قسم کی ولایت پر بہر حال اتفاق نظر رکھتے ہیں. حال ہی میں اسی سلسلہ میں آرائے فقہاء اور زمان غیبت میں ان کے اختیارات، چند کتابوں میں جمع کئے گئے ہیں.

== مشورے کے بعد اس نتیجے پر پہنچی کہ امام خمینیؒ کو گرفتار کرلیا جائے شاہی کارندوں نے ۵ جون ۱۹۶۳ (۱۵ خرداد ۱۳۴۲ ھ ش) کو رات کے تین بجے امام خمینیؒ کے گھر پر چھاپہ مارا اور ان کو گرفتار کرکے تہران بھیج دیا. امام خمینیؒ کی گرفتاری کی خبر جنگل میں آگ کی طرح فورا پورے ملک میں پھیل گئی. اس خبر کو سنتے ہیں لوگوں نے ۱۵ خرداد کے دن صبح سے ہی سڑکوں پر نکل کر احتجاجی مظاہروں کا سلسلہ شروع کیا. سب سے بڑا مظاہرہ شہر قم میں ہوا. فوج کی مداخلت کے باعث بہت سے لوگ شہید ہوگئے. شاہ کے حکم سے تہران میں مارشل لاء لگنے کے بعد اس دن اور اس کے دوسرے دن عوامی مظاہروں کی سرکوبی میں سختی آگئی. فوجی حکومت کے کارندوں نے ہزاروں بے گناہ لوگوں کو خاک وخون میں غلطاں کردیا.

۱۵ خرداد ۱۳۴۲ کا المیہ اس قدر عظیم حادثہ ثابت ہوا کہ اس کی خبر ایران کی سرحدیں پارکر کے بیرونی دنیا تک پہنچ گئی. شاہ کی طرف سے ہر سال پروپیگنڈوں پر خرچ ہونے والے ملینوں ڈالر بھی اس ہولناک حادثے کو نہ چھپاسکے

امام خمینیؒ نے انقلاب کی کامیابی کے بعد ۱۵ خرداد ۱۳۵۸ (۱۹۷۹) کی مناسبت سے اپنے پیغام میں ۱۵ خرداد ۱۳۴۲ کے واقعے کو اسلامی انقلاب کا سرچشمہ قرار دیا اور ۱۵ خرداد کے دن کو ہمیشہ کےلئے عام سوگ کا دن قرار دیا.

جو منابع موجود ہیں انہیں آیت اللہ ملا احمد نراقی ۔ جو عہد قاجار [1] کے علماء میں سے تھے ۔ کی کتاب عوائد الایام اس موضوع پر سب سے زیادہ جامع ہے. موصوف نے شروع ہی میں متعدد روایات سے تمسک کرکے بطور کلی ثابت کیا ہے کہ زمانہ غیبت میں فقیہ دو چیزوں میں حق ولایت رکھتا ہے:

۱۔ تمام ان امور میں جن میں رسول اکرم(ص) اور ائمہ معصومین (ع) صاحب اختیار تھے اور ولایت رکھتے تھے البتہ جن مقامات کو دلیل شرعی مستثنیٰ کردے وہ اس کلیہ سے خارج رہیں گے۔

۲۔ تمام ان امور میں جو بندگان خدا کے دینی یا دنیاوی امور سے مربوط ہیں اور ان کا انجام دینا ضروری ہے۔

مرحوم نراقی نے جن چیزوں سے ولایت فقہاء متعلق ہے انہیں سے دس چیزوں کو ۔ مثلاً افتاء، اجرائے حدود، دیوانوں، غائبین اور یتیموں کے اموال کی حفاظت، اموال امام ؑ میں تصرف وغیرہ کو ۔ آیات وروایات کے ذریعے فقہی استدلال کے ساتھ ذکر کیا ہے اور تفصیل سے بحث کی ہے [۲] اگرچہ مرحوم نراقی کے مطالب اولیہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ ولایت فقیہ کو امر حکومت میں بھی شامل جانتے ہیں لیکن انہوں نے صراحت کے ساتھ اس پر کہیں تاکید نہیں کی۔

مرحوم نراقی کے بعد حضرت امام خمینیؒ وہ تنہا فقیہ ہیں جنہوں نے مختلف مسائل پر دیگر فقہاء کی

۱۔ قاجاری بادشاہوں نے ۱۱۷۴ ھ ش (۱۷۹۵ء) سے لیکر ۱۳۰۴ ھ ش (۱۹۲۵ء ـ ۱۳۴۴ ہجری قمری) تک ایران پر حکومت کی قاجاری بادشاہوں (جن کی تعداد سات تک پہنچی ہے) کی نالائقی کے سبب قاجاری عہد حکومت ایران کے لئے ایک المیہ محسوب ہوتا ہے. اس دور میں بہت سی جنگیں ہوئیں، یہ جنگیں کئی ایک ذلت آمیز معاہدوں پر منتج ہوئیں جن کی رو سے ایران کی زرخیز زمینوں کا ایک وسیع حصہ ملک سے جدا ہوگیا. قاجاری بادشاہوں کے دور حکومت میں ایرانی قوم سیاسی، علمی، اقتصادی، معاشرتی اور دیگر میدانوں، غرض زندگی کے ہر شعبے میں پسماندگی کاشکار ہوگئی.

۲۔ کتاب البیع ج ۲ ص ۴۵۹ ـ ۵۰۱ نشر موسسہ اسماعیلیان قم

طرح بھی بحث کی ہے تاہم مناسبت کے ساتھ اس موضوع پر بھی گفتگو کی ہے علاوہ ازیں ولایت فقیہ کو امر حکومت کی تصدی پر اس جامع اور شامل معنی کے ساتھ پہلی بار روشنی ڈالی ہے اور اسے بڑی تفصیل وتصریح وتاکید سے تحقیق کرکے اثبات فرمایا ہے جیسا کہ اشارۃً پہلے عرض کیا گیا کہ ولایت فقیہ کے موضوع کو ایک مرتبہ تقریری صورت سے ۱۳ جلسوں میں نجف اشرف میں بطور تدریس ارشاد فرمایا۔ یہ کتاب جو آپکے ہاتھوں میں ہے انہی تقریروں کا مجموعہ ہے دوبارہ ولایت فقیہ کے موضوع کو اپنی کتاب البیع ۔ جو پانچ جلدوں میں چھپی ہے ۔ کی دوسری جلد میں تقریبا اسی طریقے سے تحریر فرمایا ہے[۱]

امام خمینیؒ نے کتاب ولایت فقیہ میں بڑی توجہ اور بہت تاکید کے ساتھ اصل ولایت کو ۔ جو تمام فرائض کا پایہ اور اساس ہے ۔ خصوصا امر حکومت اور اسکے سیاسی پہلوؤں پر تحقیق فرمائی ہے اور اس باب میں ان سیاسی واجتماعی حالات کو بیان کرنے کے علاوہ جو اس اہم ترین اسلامی موضوع سے بے اعتنائی کا سبب بنے ہیں انہیں مضبوط فقہی استدلالی بحثوں کے درمیان ولایت فقیہ کے امر حکومت میں تحقق کے لئے حکمت عملی بیان کرتے ہوئے معین اور قابل عمل راستوں کی نشاندہی کی ہے۔

حضرت امامؒ نے اس کتاب میں پہلے تو دشمنوں کے ان منصوبوں کا ذکر کیا ہے جس سے وہ اسلام کے برسر اقتدار آنے کا امکان بھی ختم کردینا چاہتے ہیں مثلا انکے شبہات کا ذکر کرتے ہیں کہ یہ لوگ کہتے ہیں: عصر صنعت وتمدن میں اسلام معاشرے کا نظام چلانے پر قدرت نہیں رکھتا یا اسلام کا نظام حقوق معاشرے کی مشکلات حل کرنے سے عاجز ہے۔ پھر امامؒ انکے شبہات کا جواب دیتے ہیں اسی سلسلے میں اشارہ کرتے ہیں کہ دشمنوں نے اتنا زیادہ پروپیگنڈہ کیا ہے کہ اب حوزہ ہائے علمیہ میں بھی یہ اثر ہوگیا ہے کہ ۔۔ وہ لوگ بھی کہنے لگے ہیں ۔۔ دین سیاست سے جدا ہے۔ یہ پروپیگنڈہ اتنا کیا گیا

۱۔ کتاب البیع ج ۲ ص ۴۵۹ ۔ ۵۰۱ نشر مؤسسہ اسماعیلیان قم

ہے کہ اگر کوئی حکومت اسلامی کے بارے میں گفتگو کرنا چاہے تو تقیہ کرنا پڑے گا. امام خمینیؒ اس تہذیب جدید کے مقابلے میں جو استعماری قوتوں کی لائی ہوئی ہے (مسلمانوں کی) اپنی داخلی کمزوری اور خود باختگی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے حوزہ ہائے علمیہ، نوجوان طلاب اور مفکرین اسلام کو آگاہ کرنا چاہتے ہیں کہ بہت ہی حقیقی جد وجہد کے ذریعے اپنی سیاسی واجتماعی ذمہ داریوں کو پورا کرنے کی ہمت کریں. اس قسم کے شبہات اور پروگرام سے دھوکا نہ کھائیں کیونکہ اسلام مادی ترقی سے روکتا نہیں اور اجتماعی مشکلات کا حل اخلاقی واعتقادی راستوں سے چاہتا ہے. اسلام وہ جامع دین ہے جو تمام مشکلات کو حل کرنے پر قادر ہے بشرطیکہ مفکرین وعلمائے اسلام اس کے لئے اٹھ کھڑے ہوں.

امام خمینیؒ اس مسلم تاریخی حقیقت کو بیان کرتے ہوئے کہ رسولخدا (ص) نے اپنا خلیفہ معین فرمایا تھا: یہ سوال کیا ہے کہ کیا خلیفہ کا معین کرنا صرف بیان احکام [1] کے لئے تھا؟ بیان احکام کے لئے خلیفہ کی ضرورت نہیں ہے خلیفہ تو حکومت کے لئے ہوتا ہے اجرائے قوانین کے لئے ہوتا ہے. یہاں پر سب سے اہم یہ ہے کہ ہم حکومت اسلامی کی تشکیل کی ضرورت کا عقیدہ رکھیں پھر خلیفہ کی حیثیت واضح ہوگی.

حضرت امامؒ نے اس کتاب میں درج ذیل موارد کو بہ عنوان ادلہ برائے تشکیل حکومت اسلامی ذکر فرمایا ہے:

۱۔ رسول اکرم (ص) کا عمل، تشکیل حکومت کے لئے دلیل ہے.

۲۔ احکام الہی کے اجراء کی ضرورت دائمی ہے یہ صرف زمانہ رسالت کے لئے نہ تھی.

۳۔ اسلامی قوانین کی ماہیت وکیفیت کچھ اس طرح ہے جو حکومت کے بغیر قابل اجراء نہیں ہے مثلاً احکام مالی، دفاع ملی، احکام حقوقی وجزائی وغیرہ.

۱۔ مراد فقہی اصطلاح کے احکام مثلاً نماز، روزہ، طہارت وغیرہ ہیں

امام خمینیؒ حکومت اسلامی کی ضرورت کو استدلال سے بیان کرنے کے بعد تاریخ کے اس دور کی طرف پلٹے ہیں جب اس اصول سے انحراف کیا گیا اور وہ بنی امیہ کا دور تھا اور بنی عباس کے دور میں بھی یہی سلسلہ جاری رہا (اسکے بعد) اشارہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ان لوگوں کا طریقہ، خلاف اسلام اور ایران، روم اور فراعنہ مصر کی بادشاہتوں کا ساتھا. بعد کے زمانوں میں بھی حکومتیں اسی غیر اسلامی ڈھب پر چلتی رہیں. امام خمینیؒ فرماتے ہیں عقل وشرع (دونوں) اس طریقہ حکومت کے بدلنے کا حکم دیتے ہیں اس لئے ایک سیاسی انقلاب کی ضرورت ہے اور طاغوتی حکومت کو روکنے اور حکومت اسلامی کے لئے راستہ ہموار کرنے اور احکام اسلام کے جاری کرنے کے علاوہ امت مسلمہ کا اتحاد -- جو مختلف خارجی وداخلی اسباب کی بناپر پارہ پارہ ہوچکا ہے -- اور مظلوم ومحروم لوگوں کو نجات دلانا مسلمانوں کی (عموما) اور علماء کی خصوصا وہ الٰہی ذمہ داری ہے جو ایک سیاسی انقلاب کو واجب قرار دیتی ہے. امام خمینیؒ اپنے مقصد کو جاری رکھتے ہوئے فلسفہ تشریع حکومت کے بارے میں فضل بن شاذان [1] کی روایت سے استفادہ کرتے ہوئے تشکیل حکومت کی ضرورت کو از روئے روایت ذکر کرتے ہیں.

کتاب ولایت فقیہ کا اہم ترین حصہ حکومت اسلامی کے دوسری حکومتوں سے فرق پر مشتمل ہے اور اس نکتے کی طرف اشارہ کیا گیا ہے کہ حکومت اسلامی قانونی حکومت کی ایک خاص قسم ہے یعنی وہ

۱۔ ابو محمد فضل بن شاذان کا شمار تیسری صدی ہجری قمری کے فقہاء اور ماہرین کلام میں ہوتا ہے. انہوں نے نویں امام (حضرت امام جوادؑ) کا زمانہ دیکھا تھا. ان کا شمار امام علی نقی ہادیؑ کے اصحاب میں ہوتا ہے. امام حسن عسکریؑ کے دور میں وہ خراسان کے مایہ ناز شیعہ علماء میں سے ایک تھے امامؑ کے ساتھ ان کا رابطہ تھا. اس شیعی عالم کے قلمی آثار سے پتہ چلتا ہے کہ ان کو مختلف مکاتب فکر کا سامنا تھا. چنانچہ ان مکاتب فکر کی رد میں ان کی تحریریں موجود ہیں. کہتے ہیں کہ ان کے قلمی آثار ۱۸۰ سے زیادہ موضوعات پر شامل ہیں جن سے کچھ اب بھی باقی ہیں. وہ ۲۶۰ ھ ق (۸۷۴ ء) میں نیشاپور میں وفات پاگئے. ان کا مزار اسی شہر میں موجود ہے.

حکومت جو اسلامی قوانین کے ساتھ مشروط ہو. اسی لئے امام خمینیؒ کی نظر میں قوہ مقننہ اور مجلس قانون ساز کی ذمہ داری در حقیقت مختلف وزارت خانوں کے لئے اور اسلامی احکام کے دائرہ کے اندر تشکیل حکومت کے لئے لائحہ عمل تیار کرنا ہے، نہ کہ دیگر حکومتوں کی اصطلاح والی قانون سازی مقصود ہے.

امام خمینیؒ ولایت فقیہ کی بحث کرتے ہوئے حاکم کی شرائط کی طرف اشارۃً ذکر کرتے ہیں وہ شرائط جو طبعا طرز حکومت اسلامی سے ظاہر ہوتے ہیں، فرماتے ہیں: شرائط عامہ مثلا عقل وتدبیر وغیرہ جو حاکم کے لئے ہیں اس کے ساتھ دو بنیادی شرطوں کا ہونا ضروری ہے :۔ ۱۔ علم بہ قانون ۲۔ عدالت

کتاب کے بعد مباحث کا موضوع عصر غیبت میں " ولایت فقیہ " ہے. امام خمینیؒ گذشتہ مطالب کی بنیاد پر فرماتے ہیں: اب جبکہ غیبت کا زمانہ ہے اور ایک طرف سے طے شدہ ہے کہ احکام اسلام کا اجرا ہونا چاہئے اور دوسری طرف یہ بھی مسلم ہے کہ اجرائے احکام کے لئے کسی کو معین نہیں کیا گیا ہے تو ہماری ذمہ داری کیا ہے؟ اور پھر اس موضوع کی تحقیق کے بعد وہ یہ نتیجہ نکالتے ہیں کہ خداوند عالم نے حکومتی خاصیت کو جو صدر اسلام سے حضرت امام زمانہ (عج) کے زمانہ تک موجود تھی غیبت کے بعد بھی ضروری قرار دیا ہے اور یہ خاصیت ۔۔ یعنی قانون کا علم اور عدالت ۔۔ ہمارے زمانے کے بیشمار فقہاء میں موجود ہے. اگر یہ لوگ باہم اکٹھا ہوکر چاہیں تو عالم میں عدل اجتماعی کی حکومت قائم کرسکتے ہیں. اس کے بعد اس مطلب کی طرف اشارہ فرمایا ہے کہ ولایت فقیہ ایک امر اعتباری عقلائی ہے اور تمام وہ اختیارات معاشرے کے ادارے کے لئے جو رسول خدا (ص) اور ائمہ معصومینؑ کو حاصل تھے فقیہ جامع الشرائط کو بھی حاصل ہیں. اس ولایت کی حقیقت جعل کے علاوہ کچھ نہیں ہے. ذاتی طور پر کوئی مقام ومنزلت نہیں ہے بلکہ صرف اجرائے احکام کا ذریعہ ہے.

حضرت امامؒ نے ان مباحث کے بعد حکومت کے بلند مقاصد اور حاکم کی لازمی خصوصیات کی طرف اشارہ فرمایا ہے اور روایات کو ذکر کرکے اور ان سے استدلال کرکے ولایت فقیہ بمعنی تصدی

حکومت کا اثبات فرمایا ہے اور کتاب کا بڑا حصہ انہی مباحث پر مشتمل ہے۔ کتاب کا آخری حصہ اسی الٰہی مقصد تک طویل جد وجہد کے ذریعے پہنچنے کے لئے مخصوص ہے۔ امام خمینیؒ نے ابتدا میں تبلیغات وتعلیمات اور اسکی اہمیت وضرورت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا ہے: ان دونوں باتوں کے لئے اجتماعات کرنا چاہئے اور اس سلسلہ میں عاشوراء[1] جیسا کوئی اقدام کرنا چاہئے جس کی وجہ سے حکومت اسلامی کے لئے ایک موج جیسی صورت پیدا ہوجائے اور (مختلف مقامات پر) اجتماعات کئے جائیں۔ یہ تصور بھی نہ کرنا چاہئے کہ بہت جلد نتیجہ حاصل ہوجائیگا، بلکہ ایک طویل مدت تک جد وجہد کے لئے تیار رہنا چاہئے۔

کتاب کے آخری حصہ میں تربیتی وتبلیغاتی امور کا انجام دینے، حوزہ ہائے علمیہ کی اصلاح کرنے، استعمار کے فکری واخلاقی آثار کو ختم کرنے، مقدس نما حضرات کی اصلاح کرنے، حوزہ ہائے علمیہ کی صفائی کرنے، درباری ملاؤں کو بھگانے اور ظالم وجابر حکومتوں کو ختم کرنے کے لئے علمی اقدامات کرنے کی ضرورت پر زور دیا گیا ہے۔

اپنے قارئین محترم کی توجہ اس نکتے کی طرف دلانا چاہتا ہوں کہ امام خمینیؒ اپنے قیام الٰہی کے بعد عنایت پروردگار اور لوگوں کی بیداری واتحاد کے زیر سایہ ۲۲ بہمن ۱۳۵۷ (۱۱ فروری ۱۹۷۹ء) کو ایران کے شاہی نظام کو سرنگوں کرکے اور اسلامی جمہوریہ ایران قائم کرکے اپنی منزل تک پہنچ گئے۔ ایرانی قوم کی ہمہ گیر خواہش کی بناپر اور آئین کے اصول کے مطابق، رہبر انقلاب اسلامی کی صورت میں اسلامی معاشرے کی ہدایت دیکھنے پر ولایت کا چارج سنبھال لیا۔ اس لئے ولایت فقیہ کے معاملے میں آپ کا

۱۔ امام حسین علیہ السلام اور ان کے ۷۲ ہمراہیوں کی شہادت دسویں محرم ۶۱ ہجری (۶۸۰ء) کو واقع ہوئی اس واقعے کے بعد دسویں محرم کو عاشورائے حسینی یا روز عاشوراء کا نام ملا شیعہ حضرات ہر سال محرم کے پہلے عشرے میں رسم عزاداری برپا کرتے ہیں۔

نظریہ جس کے اصول اس کتاب میں بیان کئے گئے ہیں اس وقت کامل ہوگا جب عملی طور سے ان کی حکومت کے زمانے میں اور انقلاب اسلامی کی کامیابی سے پہلے کے زمانے میں ولایت فقیہ اور اس کے اختیارات وشئون کے بارے میں جو آراء ونظریات آپ نے اپنی تقریروں، پیغاموں، خطوط میں پیش کی ہیں ان کی طرف کافی توجہ مبذول کی جائے [1].

بار الہا اسلامی ممالک کو ظالموں کے پنجے سے نجات دے اسلام وممالک اسلامی کے غداروں کو اکھاڑ پھینک، مسلمان سربراہوں کو خواب گراں سے بیدار کر تاکہ وہ قوم وملت کے لئے جد وجہد کریں اور اختلاف ذاتی اور مفاد پرستی سے دست بردار ہوجائیں، طلاب کو توفیق دے کہ اسلام کے لئے قیام کریں اور ایک صف میں کھڑے ہوکر استعمار اور اسکے خبیث ایجنٹوں کے چنگل سے نجات حاصل کرکے مل جل کر ممالک اسلامی کا دفاع کریں، فقہاء وعلماء کو توفیق دے کہ معاشرے کی ہدایت اور اس کے افکار کو روشن کرنے میں کوشش کریں، اسلام کے مقدس مقاصد کو مسلمانوں خصوصا جوانوں تک پہونچائیں، حکومت اسلامی کی برقراری کے لئے جہاد کریں، انک ولی التوفیق ولاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم.

مؤسسہ تنظیم ونشر آثار امام خمینیؒ

بین الاقوامی امور

۱۔ " رہبری وولایت در کلام وپیام امام خمینیؒ " نامی کتاب جو اس مؤسسہ کی طرف سے مدون کرکے شائع کی گئی ہے میں ان تمام آراء ومواضع امام خمینیؒ کا مجموعہ موجود ہے.

مقدمه

مقـــدمه
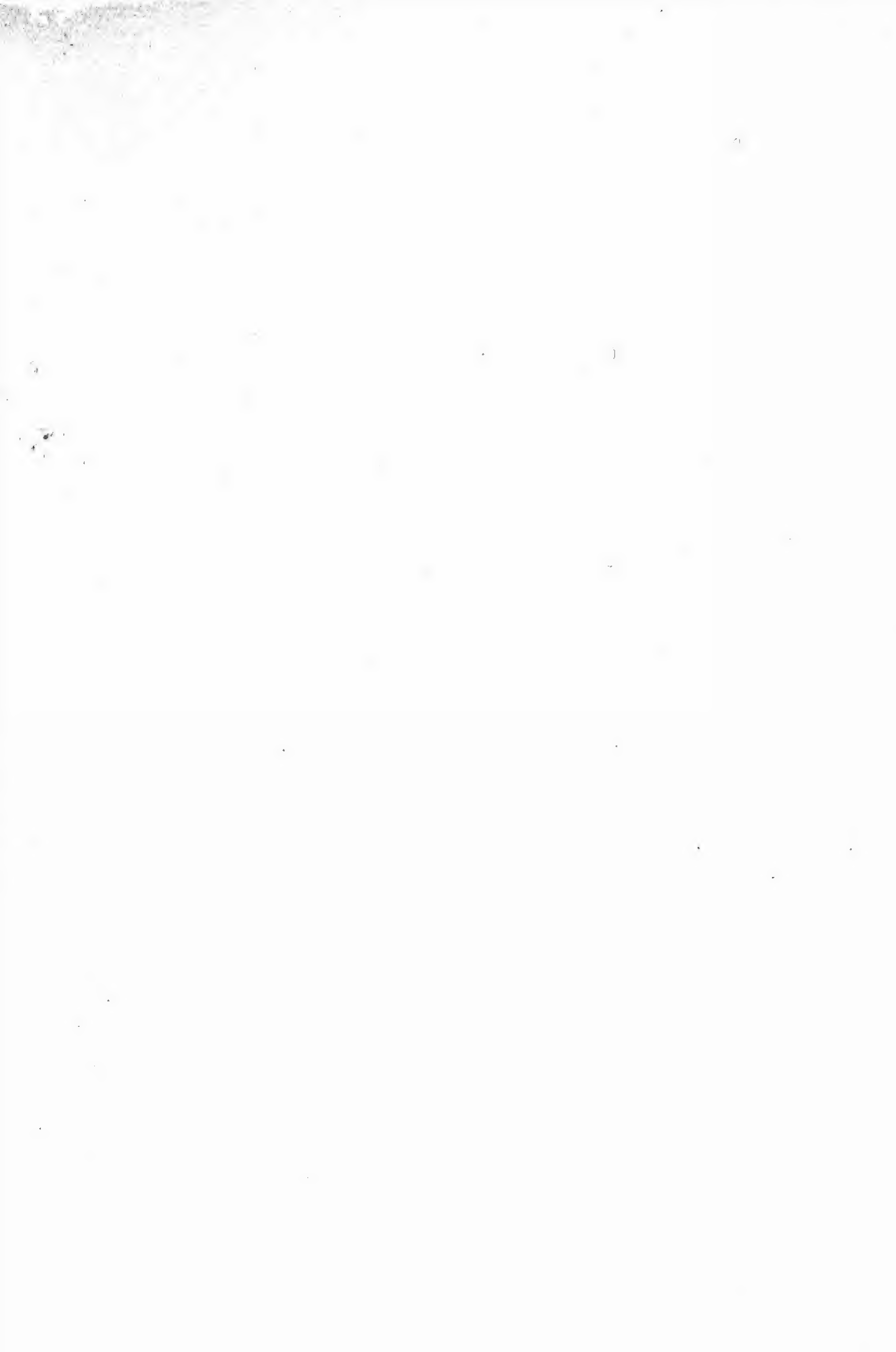
بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمدللہ رب العالمین وصلی اللہ علی خیر خلقه محمد وآله اجمعین

" ولایت فقیہ " کا موضوع ایک ایسا موضوع ہے جس میں بعض امور اور بعض اس سے مربوط مسائل پر گفتگو کی جاسکتی ہے. ولایت فقیہ ایک ایسا موضوع ہے جس کا تصور اسکے تصدیق کا موجب ہے. اس کے لئے کسی دلیل وبرہان کی ضرورت نہیں ہے باین معنی کہ جس نے عقائد واحکام اسلام کو سمجھ لیا ہے خواہ اجمالا سمجھا ہو، جب وہ ولایت فقیہ پر پہنچتا ہے اور اس کا تصور کرتا ہے تو فورا اسکی تصدیق کرتا ہے اور اسکو بدیہی سمجھتا ہے.

آج کل جو ولایت فقیہ کی طرف زیادہ توجہ نہیں دی جاتی اور استدلال کی ضرورت ہوتی ہے اسکی عمومی وجہ مسلمانوں کی اجتماعی حالت ہے اور خصوصی علت حوزہ ہائے علمیہ ہیں. ہم مسلمانوں کی اجتماعی حالت اور حوزہ ہائے علمیہ کی تاریخی جڑیں ہیں جن کی طرف ہم اشارہ کریں گے.

اسلامی تحریک شروع میں یہودیوں کے ہاتھ میں گرفتار تھی. سب سے پہلے اسلام کے خلاف تبلیغات اور فکری دسیسہ کاریاں انہوں نے شروع کیں اور اس طرح سے کہ آپ خود دیکھ رہے ہیں اسکی تباہ کاریاں آج تک پھیلی ہوئی ہیں یہودیوں کے بعد اس کا سلسلہ ایسے گروہوں کے ہاتھ آگیا جو ایک اعتبار سے یہودیوں سے زیادہ شیطان تھے. ان لوگوں نے استعمار کی صورت میں تین سو سال یا اس سے زیادہ مدت سے اسلامی ملکوں میں آمد ورفت پیدا کرلی (۱) تھی اور اپنے استعماری مقاصد کے حصول کے لئے انہوں نے یہ ضروری سمجھا کہ ایسے حالات پیدا کریں جن سے اسلام نیست ونابود ہوجائے. ان کا مقصد یہ نہیں تھا کہ لوگوں کو اسلام سے دور کریں تاکہ عیسائیت کی ترویج ہو کیونکہ یہ لوگ نہ عیسائیت سے دلچسپی رکھتے تھے اور نہ ہی اسلام سے،بلکہ اس مدت میں انکو احساس ہوگیا تھا اور صلیبی (۲) جنگوں سے یہ سمجھ گئے تھے کہ انکے مادی مفادات کے راستے اور سیاسی اقتدار کے سلسلے میں جو چیز سب سے بڑی رکاوٹ ہے وہ اسلام ہے اور اسلام کے احکام ہیں اور لوگوں کا وہ ایمان ہے جو وہ اسلام پر رکھتے ہیں. اسلئے وہ مختلف طریقوں سے اسلام کے خلاف تبلیغ اور دسیسہ کاری میں لگ گئے. انکے دینی مدارس میں پڑھنے والے طلاب و مبلغین، یونیورسٹیاں اور حکومتی پروپیگنڈہ ادارے، ذرائع وابلاغ، استعماری حکومتوں کی خدمت کرنے والے مستشرقین سب کے سب متحد ہوکر حقائق اسلام کو توڑ مڑوڑ

۱۔ سولھویں صدی عیسوی یعنی تین سو سال پہلے پرتگالیوں اور انکے ساتھ ہالینڈ، انگلستان، فرانس اور اٹلی والوں نے اسلامی ملکوں کو اپنے استعماری پنجوں میں جکڑ لیا. ابتداء میں وہ افریقہ پر قابض ہوئے اور پھر سمندری راستہ پیدا ہونے کے بعد ان ایشیائی ملکوں پر (جن کا ارتباط عثمانی ترکوں کے قسطنطنیہ پر تسلط کے بعد یورپ سے ٹوٹ گیا تھا) قبضہ جمالیا.

۲۔ صلیبی جنگوں سے مراد وہ جنگیں ہیں جو گیارھویں اور تیرھویں صدی عیسوی میں مسلمانوں سے بیت المقدس چھیننے کے لئے یورپ کے عیسائیوں نے مسلمانوں سے لڑیں یہ جنگیں جو آٹھ مرحلے میں واقع ہوئیں ۱۰۹۶ء (۴۸۹ ھ) میں پوپ اوربان دوم کے فتویٰ سے شروع ہوئیں اور فرانس کے بادشاہ سن لوئی کے ۱۲۷۰ء مطابق ۶۶۹ ھ میں مرجانے سے ختم ہوئیں مسیحی حضرات ایک سرخ رنگ کا کپڑا صلیب کی صورت کا سی کو اپنے بازو پر باندھا کرتے تھے اس لئے صلیبی فوج کے نام سے مشہور ہوئے

کر پیش کرنے پر اس طرح ڈٹ گئے کہ بہت سے پڑھے لکھے لوگ اور عوام اسلام کے بارے میں گمراہی اور غلط فہمی میں بمتلا ہو گئے.

اسلام ان مجاہدوں کا دین ہے جو ہمیشہ حق وعدالت کی جستجو میں رہے. یہ ان لوگوں کا دین ہے جو استقلال و آزادی چاہتے ہیں، استعمار کے خلاف مبارزہ کرنے والوں کا دین ہے. مگر عیسائیوں نے کچھ اور ہی طرح سے اسلام کا تعارف کروایا اور اب تک کروا رہے ہیں. انہوں نے اسلام کے بارے میں عوام کے ذہنوں میں غلط تصور بٹھا دیا ہے. اسلام کی جو ناقص صورت حوزہ ہائے علمیہ میں پیش کی جاتی ہے اس کا مقصد یہ تھا کہ اسلام سے اسکی انقلابی خاصیت اور خصوصیت کو الگ کردیا جائے. یہ لوگ نہیں چاہتے کہ مسلمان حرکت میں آئیں. حریت پسند ہوں. احکام اسلام کے اجرا کا مطالبہ کریں، یا ایسی حکومت قائم کریں جو انکی سعادت کی ذمہ دار ہو اور ایسی زندگی بسر کریں جو انسان کے لائق ہو.

مثلاً وہ لوگ تبلیغ کرتے ہیں کہ اسلام میں ہمہ گیریت نہیں ہے یہ زندگی کا دین نہیں ہے، معاشرے کے لئے اس کے پاس نہ کوئی قانون ہے نہ نظام ہے، اسلام کے پاس طرز حکومت اور حکومتی قوانین نہیں ہیں، اسلام فقط حیض ونفاس کے مسائل کا نام ہے، کچھ اس میں اخلاقیات بھی ہیں مگر نظام زندگی اور معاشرے کو چلانے کے لئے اسکے پاس کچھ نہیں ہے. سب سے زیادہ افسوس اس بات کا ہے کہ ان کا جھوٹا پروپیگنڈہ اثر انداز ہورہا ہے. اس وقت آپ عوام کو چھوڑیے، پڑھا لکھا طبقہ خواہ وہ یونیورسٹی کا فارغ التحصیل ہو یا دینی طلاب کا طبقہ ہو اسلام کو درست طریقہ سے نہیں سمجھا اور غلط فہمی میں بمتلا ہے جس طرح لوگ اجنبی مسافر کو نہیں پہچانتے یہ لوگ اسلام کو نہیں پہچانتے. اسلام دنیا کے لوگوں میں غریب الوطنی کی زندگی بسر کررہا ہے. چنانچہ اگر کوئی اسلام کا صحیح تعارف کروائے تو لوگ جلدی سے باور بھی نہیں کرتے بلکہ استعماری ایجنٹ معاشرے میں شور و غوغا مچا دیتے ہیں.

حقیقی اسلام اور جسے اسلام کے نام پر پیش کیا جارہا ہے اس میں کتنا فرق ہے اس کے لئے ہم آپکی

توجہ قرآن، کتب حدیث اور رسالہ ہائے عملیہ کی طرف مبذول کروانا چاہتے ہیں۔

قرآن اور حدیث کی کتابیں جو اسلام کے منابع اور دساتیر ہیں اس میں اور رسالہ ہائے عملیہ ۔ جو مجتہدین عصر اور مراجع کے توسط سے لکھے جاتے ہیں . . جامعیت اور اجتماعی زندگی میں اثر کے اعتبار سے ہیں ۔ (اگر توجہ کریں تو معلوم ہوگا کہ) بہت فرق رکھتے ہیں۔ قرآن میں اجتماعی امور کی آیات اسکی آیات عبادی سے زیادہ ہیں۔ کتاب حدیث کا ایک دورہ جو تقریبا ۵۰ کتابوں [۱] پر مشتمل ہے اور یہ سب اپنے اندر احکام اسلام لیے ہوئے ہیں، انہی میں تین چار باب عبادات اور خدا کے ساتھ انسانی فرائض سے تعلق رکھتے ہیں۔ کچھ اخلاقیات سے مربوط ہیں باقی سب کا تعلق اجتماعیات، اقتصادیات، حقوق، سیاست اورر تدبیر معاشرہ سے ہے۔

آپ حضرات جو جوان ہیں اور انشاء اللہ اسلام کے مستقبل کے لئے مفید ہونگے آپکے لئے ضروری ہے کہ ان امور کی طرف متوجہ رہیں جنہیں میں مختصرا عرض کررہا ہوں اپنی زندگی میں اسلام کے قوانین ونظام کا تعارف کروانے میں سنجیدگی اختیار کریں کہ اسلام اپنی ابتداء سے کتنی پریشانیوں میں مبتلا رہا اور آج بھی کس قدر دشمنوں اور مصائب کے حصار میں گرا ہوا ہے۔ ایسا نہ ہو کہ اسلام کی حقیقت مخفی رہ جائے اور لوگ یہ سوچنے لگیں کہ مسیحیت کی طرح اسلام بھی چند ایسے احکام کا نام ہے جو خالق اور مخلوق کے درمیان رابطہ ہوتے ہیں اور یہ کہ مسجد اور کلیسا میں کوئی فرق نہیں۔

جب مغرب میں کوئی خبر نہ تھی، وہاں کے باشندے وحشی تھے۔ امریکہ نیم وحشی سرخ پوست باشندوں کی زمین تھی۔ اس وقت دو وسیع سلطنتیں ایران وروم، حکمرانوں کے استبداد و ظلم اور عدم مساوات

۱۔ اہل فقہ وحدیث کی اصطلاح میں کتاب ان ابواب کو کہا جاتا ہے جن میں ایک موضوع سے مربوط حدیثوں کو جمع کیا گیا ہو یا ایک خاص موضوع کے احکام زیر بحث آئے ہوں جیسے کتاب التوحید، کتاب الایمان والکفر، کتاب الصلاۃ مثلاً دورہ کافی ـــ جو حدیث میں ہے ـــ ۵ کتب پر شامل ہے یا شرائع الاسلام ـــ جو فقہ میں ہے ـــ ۵۰ کتب پر مشتمل ہے۔

کا شکار تھیں. لوگوں کی حکومت اور قانون کا دور دور تک پتہ نہ تھا [1] خداوند عالم نے اپنے رسول (ص) کے واسطے سے ایسے قوانین نازل فرمائے جن کی عظمت سے انسان تعجب میں پڑجائے. تمام امور کے لئے اسلام قانون و آداب لیکر آیا ہے. انسان کیلیے نطفہ ہونے سے لیکر قبر میں جانے تک کے قانون وضع کئے ہیں جس طرح فرائض عبادت کے لئے قانون وضع کئے ہیں اسی طرح امور اجتماعی اور حکومت کے لئے قانون اور قاعدے وضع کیے ہیں. اسلام کے حقوقی قوانین کا حل، جامع اور ترقی یافتہ ہیں. پرانے زمانہ سے جو ضخیم کتابیں قانون کی مختلف قسموں میں لکھی گئی ہیں ان میں قضاوت، معاملات، حدود [2] قصاص [3] سے لیکر روابط بین الملل، صلح وجنگ کے قوانین نیز عمومی وخصوصی بین الاقوامی حقوق بھی لکھے گئے ہیں. یہ سب اسلام کے نظام واحکام کے مقابلے میں بہت ہی کم ہیں. دنیا کا کوئی بھی ایسا اہم موضوع نہیں ہے جس کے بارے میں اسلام نے ذمہ داری مقرر نہ کی ہو اور اس کے لئے حکم نہ دیا ہو.

روشن فکر مسلمانوں (یعنی جوانوں) کو منحرف کرنے کے لئے غیروں نے شبہات پیدا کئے ہیں کہ اسلام کہ پاس کچھ نہیں ہے اسلام صرف حیض ونفاس کے چند احکام کا مجموعہ ہے ملاؤں کو تو صرف حیض ونفاس پڑھنا چاہیے.

۱۔ ملاحظہ ہو تاریخ تمدن اسلامی، جرجی زیدان ج ۱۰ ص ۳۳ ۔ ۴۱ . تاریخ اجتماعی ایران، مرتضی راوندی ص ۶۶۰ . ایران در زمان ساسانیان، آرتور کریستن سن ص ۴۷۰ ۔ ۵۲۳ . جہان در عصر بعثت، شہید محمد جواد باہنر، اکبر ہاشمی رفسنجانی . تاریخ روم، آلبر مالہ وزول ایزاک . تاریخ کلیساہائے قدیم در امپراطوری روم وغیرہ .

۲۔ "حد" اسلامی شریعت میں اس بدنی سزا کو کہتے ہیں کہ جو کسی خاص گناہ کے لئے مقرر ہو اس سزا کی مقدار شارع کی طرف سے معین ہوتی ہے.

۳۔ "قصاص" فقہ اسلام میں اس قانونی حکم کو کہتے ہیں جو کسی مجرم کو قتل، قطع عضو، ضرب اور مجروح کرنے کے جرم میں اس صورت میں دی جاتی ہے کہ جس پر ظلم ہوا ہو وہ یا اس کے اولیاء قصاص کا تقاضا کریں اور دیت قبول کرنے کو تیار نہ ہوں.

واقعہ بھی یہی ہے کہ جن ملاؤں کو اسلام کے نظریات ونظام اور تصور کائنات سے آگاہی کی کوئی فکر نہیں اور ان کے بہترین احکام ایسی ہی چیزوں میں گزرتے ہیں جو اغیار کہتے ہیں اور انہوں نے اسلام کی ساری کتابوں کو فراموش کردیا ہے انکے اوپر ایسے اشکالات اور حملے ہونا ہی چاہئیں اور ایسے ملا بھی خطا والے ہیں مگر کیا صرف اغیار ہی کی غلطی ہے؟ یہ بات ضرور ہے کہ جو لوگ سیاسی اور اقتصادی لالچ رکھتے تھے انہوں نے کئی سو سال پہلے سے اسکی بنیاد رکھی تھی اور ہمارے حوزہ ہائے علمیہ میں جو کوتاہیاں ہوئی ہیں اسکی وجہ سے انکو کامیابی ملی ہے. ہمارے علماء میں بھی کچھ ایسے افراد تھے جو نادانستہ طور سے انکی مدد کر بیٹھے اور انجام یہ ہوگیا.

کبھی یہ لوگ وسوسہ کرتے ہیں کہ اسلام کے احکام ناقص ہیں مثلاً قضاوت کے احکام جیسے ہونے چاہئیں اس طرح نہیں ہیں. اسی وسوسہ و تبلیغ کے پیچھے انگریز کے ایجنٹ اپنے مالک کے حکم کے مطابق قانونی حکومت کا مذاق اڑاتے ہیں اور لوگوں کو ۔ ان اسناد وشواہد کی بناپر جو ہماری دسترس میں ہیں ۔ دھوکا دیتے ہیں اور اپنے سیاسی جرم سے غفلت برتتے ہیں. جب ایران کی قانونی بادشاہت کی ابتداء میں قانون بنانا چاہتے تھے اور آئین کی تدوین کرنا چاہتے تھے تو بلجیم کے سفارت خانے سے قوانین کا ایک مجموعہ عاریتاً لیا گیا اور چند آدمیوں نے ۔جن کا میں یہاں پرنام لینا مناسب نہیں سمجھتا ۔ اسی کو دیکھ کر آئین لکھا اور پھر اس کے نقائص کی اصلاح فرانس وبرطانیہ کے حقوق قانون کو دیکھ کر ترمیم کی. [1]

۱۔ مشروطہ (قانونی بادشاہت) کا پہلا آئین نمائندوں کی ایک کمیٹی نے لکھا اور وہ ۵۱ دفعات پر مشتمل تھا جسکو پاس کیا گیا اس بارے میں کسروی لکھتا ہے: وزیر اعظم کے دونوں لڑکے مشیر الدولہ اور مؤتمن الملک اسکو لکھتے تھے بلکہ بہتر طریقہ سے یوں کہوں کہ ترجمہ کرتے تھے اس کے بعد چند آدمیوں پر مشتمل ایک کمیٹی بنائی گئی تا کہ وہ لوگ ایک تتمہ لکھ کر آئین میں بڑھادیں، اس متن میں ۱۰۷ دفعات تھیں، جناب مصطفی رحیمی کی روایت کی بناپر: اس کمیٹی نے بلجیم اور ایک حد تک فرانس کے بھی ==

قوم کو دھوکا دینے کے لئے بعض احکام اسلام کا بھی ضمیمہ کردیا۔ آئین کی بنیادی چیزوں کو ان لوگوں سے لیا اور ہماری قوم کے حوالے کردیا۔ آئین کا متن اور اس کا تتمہ بادشاہت اور ولی عہدی سے متعلق ہے اس کااسلام سے کیا واسطہ؟ یہ سب تو اسلام کے خلاف ہے۔طرزحکومت اسلام اوراحکام اسلام کے سراسر منافی ہے۔ یہ بادشاہت اور ولی عہدی وہ ہے جس پر اسلام نے خط بطلان کھینچ دیا ہے۔ صدر اسلام ہی سےایران، روم شرقی، مصر اور یمن میں اسکی بساط الٹ دی تھی۔ رسول اکرم (ص) نے ہرقل اول کو [1] اور شہنشاہ ایران [2] کو خطوط لکھے ہیں اس میں تحریر فرمایا ہے کہ شاہی طریقہ کو ختم کرو، بندگان الہی کو اپنی پرستش اور اطاعت مطلقہ کی دعوت مت دو۔ لوگوں کو چھوڑ دو کہ خدائے یگانہ ولاشریک کی عبادت کریں [3] سلطنت اور ولی عہدی وہی منحوس وباطل طرزحکومت ہے جس کے

== آئین سے استفادہ کرتے ہوئے اور ممالک بالکان۔ یورپ کے جنوب مشرق میں دریائے مدیڑانہ کے شمال میں ایک جزیرہ نما ہے جو یونان، یوگوسلاویہ جاپان کی حکومتوں سے تشکل ہے ۔۔ کے آئین کی روشنی میں سابقہ آئین کے نقائص کو دور کیا۔ تاریخ مشروطہ ایران کسروی تبریزی ص ۱۷۰ و ۲۲۴۔ قانون اساسی ایران واصول ڈیموکریسی مصطفی رحیمی ص ۹۴۔ قانون اساسی اور اس کا متمم، مطبع مجلس شورای ملی۔

۱۔ اس کی حکومت تقریبا ۵۷۵ سے ۶۴۱ء تک تھی۔

۲۔ یعنی خسرو دوم جو خسرو پرویز کے نام سے مشہور تھا ۶۲۸ء میں ساسانی بادشاہ تھا۔

۳۔ رسول خداؐ نے ہجرت کے چھٹے سال بہت سے لوگوں کو پڑوس کی حکومتوں کے بادشاہوں کے پاس بھیجا ان میں عبداللہ بن حذافہ سہمی کو خسرو پرویز کے پاس اور دحیہ بن خلیفہ کلبی کو قیصر روم کے پاس بھیجا ان لوگوں کو جو خطوط روانہ کئے اس میں لکھا۔ اسلام کو قبول کرلو اور خدائے یکتا کی عبادت کرو خسرو پرویز کو جو خط لکھا تھا اس کا ترجمہ یہ ہے: بسم اللہ الرحمن الرحیم محمد رسول اللہ کی طرف سے کسری عظیم فارس کی طرف جو ہدایت قبول کرے اور خدا ورسول پر ایمان لائے اور گواہی دے کہ خدائے واحد لاشریک کے علاوہ کوئی خدا نہیں ہے اور محمد اس کے بندے ورسول ہیں (ان سب پر سلام ہو) میں تجھے خدا کی طرف دعوت دیتا ہوں۔ میں خدا کا رسول ہوں تمام لوگوں کے لئے تاکہ زندہ لوگوں کو (جہنم سے) ڈراؤں اور کافروں پر حجت تمام کروں۔ اسلام لاؤ تاکہ سلامت رہو اور اگر ایمان نہ لائے تو تمام مجوسیوں کا گناہ تمہارے سر ہوگا۔

ہرقل کو جو خط لکھا تھا اس کا ترجمہ یہ ہے: بسم اللہ الرحمن الرحیم محمد بن عبد اللہ کی طرف سے عظیم ہرقل روم کے لئے۔ جو بھی ہدایت قبول کرے اس پر سلام ہو اما بعد میں تمکو خدا کی طرف دعوت دیتا ہوں۔ اسلام لاؤ تاکہ سلامتی حاصل ہو اور ==

روکنے کے لئے حضرت سید الشہداء ؑ نے قیام فرمایا تھا اور شہید ہوگئے تھے تا کہ یزید کی ولی عہدی کو قبول نہ کریں [1] اور اسکی بادشاہت کو قانونی نہ ہونے دیں اسی مقصد کے لئے تمام مسلمانوں سے کہا کہ یزید کے خلاف اٹھ کھڑے ہوں۔ یہ سب اسلام نہیں ہے۔ اسلام میں بادشاہت وولی عہدی نہیں ہے۔ اگر (مخالفین اس معنی سے) اسلام میں نقص بتاتے ہیں تو اسلام میں نقص ہے جیسے اسلام میں سود خوری اور بینک کاری اور شراب فروشی وفحشاء کے لئے کوئی قانون نہیں کیونکہ بنیادی طور سے اس نے انہیں حرام قرار دیدیا ہے۔

یہ استعمار کی پٹھو حکومتیں اسلامی حکومتوں میں بھی ایسے امور کا رواج چاہتی ہیں اسی لئے اسلام کو ناقص کہتی ہیں۔ یہ اپنے ان کاموں کے لئے مجبور ہیں کہ برطانیہ، فرانس، بلجیم سے اور آخر کار امریکہ سے قانون حاصل کریں اور اسلام ان کاموں کے رواج دینے کا کوئی قانون نہیں رکھتا یہی تو اس کا کمال ہے اور یہی اسلام کا افتخار ہے۔ انگریزی استعمار نے مشروطہ (قانونی بادشاہت) کے ابتداء میں جو موقع فراہم کیا تھا اسکی صرف دو وجوہ تھیں ایک وجہ تو اسی وقت فاش ہوگئی تھی اور وہ یہ تھی کہ روس کی تزار حکومت کے اثرات ونفوذ کو ایران میں بالکل ختم کردے۔ دوسرے مغربی قوانین لاکر احکام اسلام کا پتہ صاف کردے۔ ہمارے اسلامی معاشرے پر غیر اسلامی قوانین کے لادنے سے بڑی مشکلات کا سامنا ہوا۔ آج عدالت کے اندر ایسے باخبر افراد موجود ہیں جو عدالت کے قوانین اور اس کے طریقہ کار سے شاکی ہیں اگر کوئی ایرانی عدالت کے چکر میں جو آج کل کی عدالت ہے پھنس جائے

= خدا تمکو دہری جزا دے اور اگر انکار کروگے تو لوگوں کا گناہ تمہاری گردن پر ہوگا۔ اے اہل کتاب اس کلمہ کی طرف آؤ جو ہمارے درمیان مشترک ہے اور وہ یہ ہے کہ خدا کے علاوہ کسی کی عبادت نہ کریں اور کسی چیز کو اس کا شریک نہ قرار دیں ہم میں سے ایک دوسرے کو خدا قرار نہ دے اور اگر اس سے منہ موڑیں تو کہو کہ گواہ رہو ہم مسلمان ہیں (آل عمران آیت ۶۴) مکاتیب الرسول ؐ ج ۱ ص ۹۰، ۱۰۵۔

۱۔ یزید بن معاویۃ بن ابی سفیان (۲۵۔ ۶۴ ھ ق) دوسرا اموی خلیفہ۔

یا ایران کے مشابہ دوسرے ممالک کی عدالتوں میں گرفتار ہوجائے تو اثبات مطلب کے لئے پوری ایک عمر چاہیئے ایک بہت بڑا متبحر وکیل جس کو میں نے جوانی میں دیکھا تھا وہ کہتا تھا دو فریقوں کے درمیان کسی جھگڑے کو میں اپنی پوری زندگی قوانین عدالت کے پہیئے پر گھمائے رکھ سکتا ہوں اور میرے بعد میرا لڑکا بھی وہی کام کرتا رہے گا اس وقت یہی صورت حال ہوگئی ہے. ہاں جن کی سفارش اور اثر ونفوذ ہو ان کی بات الگ ہے. مگر وہ ناحق ہوتا ہے فعلا عدالتی کاروائی لوگوں کے لئے سوائے زحمت، اپنے کام سے رک جانے، زندگی کی دوڑ میں پیچھے رہ جانے کے علاوہ اور کچھ نہیں ہے. اور یا پھر غیر مشروع استفادہ کرے. بہت ہی کم ایسا ہوتا ہے کہ کوئی اپنے صحیح حقوق حاصل کرلے. جھگڑوں کے فیصلے میں تمام جہات کی رعایت ضروری ہے نہ صرف یہ کہ ہر شخص اپنے حق کو پالے اور اسی کے ساتھ لوگوں کے وقت، کیفیت زندگی، دعوی کے طرفین کے امور بھی ملاحظہ کرنا چاہئیں. جتنی سادگی کے ساتھ اور جلدی فیصلہ ہوجائے، اچھا ہے. پہلے زمانے کے قاضی جن معاملات کو دو تین دن میں حل کردیتے تھے آج وہ بیس سال میں بھی حل نہیں ہوپاتے. جوان، بوڑھے، ضرورت مند سبھی روزانہ صبح سے عصر تک عدالت میں گیلریوں، میزوں کے گرد گردش کرتے رہیں اور پھر بھی یہ معلوم نہ ہوسکے کہ کیا ہوا؟ جو زیادہ تیز ہو، رشوت دینے میں اس کا ہاتھ کھلا ہو اس کا کام چاہے ناحق ہو سب سے پہلے انجام پاجاتا ہے ورنہ پھر ساری عمر اسکی قسمت میں سرگردانی لکھی ہے.

یہ لوگ کبھی کبھی اپنی کتابوں میں اور اخباروں میں لکھتے ہیں کہ اسلام کے جزائی احکام بہت سخت ہیں. ایک شخص نے تو بڑی بے حیائی کے ساتھ لکھ دیا کہ اسلام کے احکام کی سختی کی وجہ یہ ہے کہ وہ بدوؤں نے بنائے ہیں. یہ بدوؤں کی سختی ہے جس کی وجہ سے اس قسم کے احکام آئے ہیں، مجھے یہ تعجب ہوتا ہے کہ ان کا آخر، طرز فکر کیا ہے؟ ایک طرف تو ۱۰ گرام ہیروئن کے لئے کئی کئی افراد کو قتل کردیتے ہیں اور کہتے ہیں یہ قانون ہے (کچھ مدت پہلے دس آدمیوں کو اور حال ہی میں ایک آدمی کو ۱۰ گرام ہیروئن کے جرم میں قتل کردیا گیا ہے اور یہ وہ چیز ہے جس کی مجھے اطلاع ہے) عجب یہ

لوگ خلاف انسانیت قوانین وضع کریں اور کہیں یہ (قوانین) برائی کے روکنے کے لئے ہیں تو اس میں کوئی سختی نہیں۔ لیکن اگر اسلام ایسا قانون وضع کرے تو اس میں سختی ہے۔ میں یہ نہیں کہتا کہ لوگ ہیروئن فروشی کریں لیکن اس کی سزا یہ نہیں ہے (بہر حال) اس کو روکنا چاہیئے مگر اس کی سزا اس کے مناسب ہونی چاہیئے [1] اگر شراب پینے والے کو اسی۔ ۸۰۔ کوڑے مارے جائیں تو اس میں سختی وخشونت ہے، لیکن اگر کسی کو ۱۰ گرام ہیروئن کے جرم میں قتل کردیں تو اس میں کوئی خشونت نہیں ہے، جبکہ معاشرے میں پیدا شدہ زیادہ تر مفاسد اسی شراب خوری کی وجہ سے ہیں. سڑکوں پر ہونے والے حادثات، خودکشی، آدم کشی، زیادہ تر شراب پینے کی وجہ سے ہوتی ہے (بلکہ) کہا جاتا ہے کہ ہیروئن کا بھی عادی آدمی زیادہ تر یہی شراب نوشی سے ہوتا ہے لیکن اس کے باوجود اگر کوئی شراب پی لے تو کوئی حرج نہیں ہے کیونکہ مغرب یہ کام کرتا ہے اس لئے آزادانہ اس کی خرید وفروخت ہوتی ہے لیکن اگر فحشاء کو جس کا ایک واضح ترین مصداق شراب نوشی ہے، کو روکنا چاہیں اور کسی کو ۸۰ کوڑے ماریں یا زانی کو سو کوڑے ماریں یا محصن ومحصنہ کو رجم کریں [2] تو وامصیبتاہ ارے یہ کتنا سخت حکم ہے یہ عرب سے پیدا ہوا ہے. حالانکہ اسلام کے جزائی احکام ایک بہت بڑی امت کے مفاسد کو روکنے کے لئے آئے ہیں. جو فحشاء اس حد تک وسیع ہوں کہ نسلوں کو برباد کردیں جوانوں کو فاسد کردیں، کاموں کو معطل کردیں، اور یہ سب انہیں عیاشیوں کی وجہ سے ہو جس کے راستے ان لوگوں نے ہموار کررکھے ہیں اور اس کی ترویج کرتے ہیں. اب اگر اسلام حکم دیتا ہے کہ نسل

۱۔ امامؒ کا اعتراض عدالت کی رعایت نہ کرنے پر ہے ص ۱۱۹؟

۲۔ بیوی رکھنے والا زانی مرد، محصن اور شوہر رکھنے والی زنا کار عورت، محصنہ کہلاتی ہے. اسلام کے جزائی قوانین میں جب تک احصان (شادی شدہ ہونا) ثابت نہ ہوجائے رجم واجب نہیں ہوتا. اسی طرح ان کا بالغ وعاقل ہونا بھی ضروری ہے جس طرح یہ ضروری ہے کہ وہ مرد اپنی بیوی تک باقاعدہ رسائی رکھتا ہو اور بیوی مرد تک رسائی رکھتی ہو میاں بیوی کے ملنے میں کوئی رکاوٹ نہ ہو ورنہ رجم کا حکم ثابت نہ ہوگا.

جوان میں برائی کو روکنے کے لئے مجمع عام میں ایک شخص کو کوڑے لگائے جائیں تو کیا اس حکم میں سختی ہے؟[1] دوسری طرف وہ قتل وغارتگری جو اس ہیئت حاکمہ کی طرف سے پندرہ سال سے ویتنام[2] میں ہورہی ہے اور بے حساب رقم خرچ ہورہی ہے اور جو بے گناہ خون بہائے جارہے ہیں انہیں تو کوئی حرج نہیں ہے،لیکن اگر اسلام لوگوں کے فائدے کے لئے لوگوں کو کچھ قوانین ماننے پر مجبور کرے، دفاع یا جنگ کا حکم دے چند مفسدوں وفاسدوں کو قتل کرے تو کہا جائے یہ جنگ کیوں ہوئی؟

۱۔ اسلام میں اجرائے حدود کے وقت مومنین کی موجودگی کو خطاکار کیفر کردار کے آداب میں شمار کیاگیا ہے شیعہ فقہاء نے اس سنت کے اجرا کی حد زنا، قیادت وقذف کے لئے اوقات کی تصریح کردی ہے ان کا فتوی سورہ نور کی آیت ۲ کے پیش نظر ہے کہ " زانی وزانیہ کی سزا کے وقت مؤمنین کا ایک گروہ گواہ بھی ہو دوسری وجہ یہ ہے کہ حاضرین کو عبرت حاصل ہو کہ جو بھی اس کا ارادہ رکھتا ہو اس سے باز آجائے

۲۔ فرانسیسی وجاپانی استعمار سے ۱۹۶۰ء سے ویتنام مبارزہ کرتے ہوئے دوبارہ امریکہ سے نبرد آزما ہوا اور یہ جنگ ۱۹۷۳ء میں امریکی لشکر کی شکست وعقب نشینی پر تمام ہوئی. اس جنگ میں ویتنام کا جانی اور مالی نقصان بہت زیادہ ہوا، میں جو مستند تعداد پیش کررہا ہوں اگرچہ یہ مرنے والوں کی دقیق تعداد اور بے رحمانہ حملے کی بالکل صحیح میزان تو نہیں ہے مگر ایک حد تک معاصر تاریخ کے تلخ حقائق کی نشاندہی ضرور کرتی ہے. ۱۹۶۵ء کے ابتداء تک شمالی ویتنام تک جنگ کا دامن پھیلا تھا. جنوبی ویتنام کے اتنے افراد ہلاک ہوچکے تھے یا مجروح تھے ۱۶۰/۰۰۰ مقتول، ۸۰۰/۰۰۰ زخمی، ۴۰۰/۰۰۰ قیدی اور جو لوگ قیدیوں کی چھاؤنیوں جنہیں کسانوں کے مراکز کہتے ہیں، میں بھیجے گئے تھے ان کی تعداد ۵/۰۰۰/۰۰۰ سے زیادہ تھی. ریڈیو امریکہ کے مطابق ۶ جنوری ۱۹۶۳ء کے درمیان امریکہ کی ہوائی فوج نے ان دیہاتوں پر جو حکومت کی سرحدی دیہاتوں سے خارج تھے ۵۰/۰۰۰ بار حملہ کیاتھا. ایک جنرل کے بیان کے مطابق اسی سال تقریبا ۳۰/۰۰۰ دیہاتی ہلاک ہوگئے تھے امریکہ کی ہوائی فوج کے حملے جنوبی ویتنام پر ایک ماہ کے اندر ۳۰/۰۰۰ تک پہنچ گئے تھے .نیویارک ٹائمز لکھتا ہے کہ امریکہ اور سایگون کے مشترکہ حملے سے ۲۶۰۰ دیہاتوں میں سے ۱۴۰۰ سو دیہات نیپام بم اور کیمیائی بموں کی وجہ سے بالکل ناپید ہوگئے. جنوبی ویتنام کے آزاد ریڈ کراس نے کہا: زہریلی چیزوں کے استعمال سے ایک وسیع اور آباد علاقے کے ہزاروں افراد جو جنوب کے باشندے تھے مختلف امراض میں خصوصا جلدی بیماری میں مبتلا ہوگئے اور مدتوں تکلیف میں مبتلا رہے اس کے علاوہ بہت سی گائیں، بھینسیں، پالتو جانور مرگئے. پتے پھول، پھل اور چاولوں کے تمام کھیت ختم ہوگئے.

یہ وہ سازشیں ہیں جن کو کئی سوسال پہلے تیار کیا گیا تھا جس کو رفتہ رفتہ عملی جامہ پہنایا جارہا ہے۔ شروع میں ایک جگہ مدرسہ بنایا مگر ہم نے غفلت برتی اور کچھ نہ کہا۔ ہم جیسے لوگوں نے بھی غفلت برتی اور اس کی روک تھام نہ کی اور اس کو بنانے دیا رفتہ رفتہ ان کی تعداد زیادہ ہوگئی اور اب آپ دیکھیں ان کے مبلغین دیہات دیہات قصبہ قصبہ پہنچ گئے ہیں اور ہمارے بچوں کو عیسائی یا بے دین بنارہے ہیں۔[1] ان کا منصوبہ یہ ہے کہ ہم کو عقب ماندہ کردیں اور اسی حال میں جس میں ہیں فلاکت

۱۔ مضبوط تبلیغی جماعت ایران میں سب سے پہلے۔۔ وہ جماعت ہے جو مذہبی تبلیغات کے لئے ایران بھیجی گئی تھی۔۔ نسطوریوں کی جماعت تھی جو ۱۸۳۵ء میں جاستین پرکینز اور ڈاکٹر ایزابل گرانٹ کی سرپرستی میں شروع ہوئی تھی ۱۸۳۲ء میں مرکزی خارجی تبلیغی جماعت امریکہ کی طرف سے مامور تھی۔ اس نے سب سے پہلا مدرسہ جدید طریقے پر جس میں تبلیغی پہلو بھی تھا ارومیہ میں کھولا اور ۱۲۵۵ ہجری قمری میں شاہ ایران سے بھی اجازت حاصل کرلی۔ اس سے پہلے ایران میں جرمنی، سویٹزرلینڈی، انگریزی، فرانسیسی مذہبی تبلیغی جماعتیں اپنے کام میں مشغول تھیں۔

انگریزوں سے موافقت کے بعد ایران کے مغربی و شمالی حصے میں امریکی تبلیغی جماعت اور باقی حصوں میں انگریزی تبلیغی جماعت مشغول کار تھی اور ۱۸۷۱ء میں ارومیہ کے مرکزی مبلغین کے علاوہ اس شہر سے باہر دوسرے ۲۸ مرکز تھے تہران، تبریز، ہمدان، سلماس کے مرکزی مبلغین بھی بالترتیب ۱۸۷۱ و ۱۸۷۳، ۱۸۸۱ء اور ۱۸۸۵ء میں کافی پھیل گئے۔ امریکہ کے پرستبرین کلیسا کی تبلیغی مشنری باسٹ کا کہنا ہے۔ تہران و تبریز کے کچھ مسلمانوں، پروٹسٹنوں کے عیدوں میں شرکت کرتے تھے ۱۸۸۴ء کے کارنامہ کو دیکھتے ہوئے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ امریکی تبلیغی جماعت کی فعالیت کس حدتک تھی ادارہ ۲۴ مبلغین امریکی در تہران، ارومیہ، ہمدان و تبریز برائے تعلیم و تبلیغ، ۲۳۰ نفر مددگار وطنی، ادارہ کلیسا ۲۵ با ۱۷۹۶ شرکت کنندہ، برائے برگزاری ۴۵۷۸ مراسم مذہبی، شرکت ۲۰۸ طالب علم مدارس شب وروز میں ۲۴۵۲ طلباء کی تعلیم ایسے مدارس میں اور ۱۶۸۰۸۹۰ صفحات کی چھپائی ۱۹۱۰ ڈالرز کی امداد (یہ سب) کلیسائی انگلیکن کے مبلغین کی بیشتر مصروفیت اور نسطوری کلیساؤوں کی اصلاح پر دلالت کرتا ہے۔ اس کی نظر میں پرستبرینوں کو زیادہ مسلمانوں کے مذہب کو بدلنے کی فکر تھی۔

روابط سیاسی ایران وامریکہ، ابرہام سلیسوں۔ ترجمہ محمد باقر آرام اور نقش کلیسا در ممالک اسلامی، مصطفی خالدی و عمر فروخ، ترجمہ مصطفی زمانی۔

زدہ زندگی بسر کرتے رہیں، تاکہ یہ لوگ ہمارے سرمائے، زیرزمین خزانوں، منابع، زمینوں اور ہماری افرادی قوت سے استفادہ کریں۔ یہ چاہتے ہیں ہم درماندہ اور گرفتار بلاء رہیں۔ ہمارے غریب ہمیشہ انہی بدبختیوں میں گرفتار رہیں۔ اس اسلام کے احکام قبول نہ کریں جس نے غریب اور غرباء کے مسئلے کو حل کیا ہے۔ استعمار اور اس کے ایجنٹ محلوں میں بیٹھیں اور خوشحالی کی زندگی بسر کریں۔

یہ سب وہ منصوبے ہیں جو حوزہ ہائے علمیہ ودینیہ کو بھی اپنی لپیٹ میں لئے ہوئے ہیں اس طرح کہ اگر کوئی حکومت اسلام یا حکومت اسلامی کے طریقے کے لئے بات کرنی چاہے تو تقیہ میں بات کرنی پڑے گی اور استعمار زدہ لوگوں کی مخالفت کا سامنا کرنا پڑے گا۔ چنانچہ اس کتاب کے پہلے ایڈیشن کی اشاعت کے بعد (عراق میں رژیم شاہ کا) سفارتخانہ مقابلے پر اتر آیا اور مذبوحانہ حرکت کرنے لگا اور اپنے کو پہلے سے زیادہ رسوا کرلیا۔ اب نوبت یہاں تک پہنچ گئی ہے کہ فوجی لباس کو خلاف مروت وعدالت [1] سمجھا جاتا ہے حالانکہ ہمارے ائمہ فوجی تھے، سردار تھے، مجاہد تھے جنگوں میں جنگی لباس پہن کر شرکت کرتے تھے۔ دشمنان دین کو قتل کرتے تھے ان کے فوجی قتل ہوتے تھے۔ حضرت علیؑ سر پر، خود جسم پر زرہ پہنتے اور تلوار حمائل کیا کرتے تھے۔ حضرت امام حسنؑ وامام حسینؑ بھی ایسے ہی تھے۔ اس کے بعد موقع نہیں ملا ورنہ امام محمد باقرؑ بھی اسی طرح ہوتے اور اب نوبت یہ ہوگئی ہے کہ فوجی لباس پہننا عدالت کے خلاف ہوگیا ہے اور کہا جاتا ہے کہ فوجی لباس نہ پہننا چاہئے اور اگر ہم اسلامی حکومت تشکیل دیں تب بھی اسی عمامہ وعبا وقبا میں ہی تشکیل دینی چاہئے۔ ورنہ خلاف مروت وخلاف عدالت ہوجائے گا۔ یہ سب اسی پروپیگنڈے کی موجیں ہیں جو یہاں تک پہنچی ہیں اور ہم کو اس

۱۔ عدالت ایک راسخ نفسانی صفت ہے جو انسان کو تقوی یعنی ترک محرمات وادائے واجبات پر آمادہ کرتی ہے قاضی، فقیہ اور امام جماعت میں عدالت شرط ہے مروت کے معنی اچھی عادتوں کی پیروی اور بری چیزوں سے دوری ہے یہاں تک کے وہ مباح امور جو لوگوں کی نظر میں ناپسند ہوں ان سے بھی بچنا چاہئے بعض لوگ مروت کو تحقق عدالت کے شروط میں شمار کرتے ہیں شرح لمعہ ج ۱ ص ۹۸ فصل ۱۱ نماز جماعت کی بحث میں حاشیہ پر ہے۔ فوجی لباس پہننا خلاف مروت وعدالت سمجھا گیا ہے۔

منزل تک پہنچا دیا ہے کہ اب ہم کو اس بات کی ضرورت ہے کہ ہم ثابت کریں کہ اسلام کے پاس بھی (فوجی نظام ہے اور) حکومتی قوانین ہیں۔

یہ ہے ہماری حالت! اور یہ سب غیروں کی تبلیغات کا اثر ہے اور ان کے مبلغین نے یہ بنیاد رکھی ہے اسلام کے تمام قضائی اور سیاسی احکام کو عملی میدان سے بالکل خارج کردیا ہے اسلامی احکام کی جگہ یورپی احکام نے لے لی ہے تاکہ اسلام کی تحقیر کرسکیں اور اسلامی معاشرے سے اسلام کو نکال بھگائیں اور یورپی ایجنٹوں کو برسر کار لائیں اور ان سے سوء استفادہ کرسکیں۔

استعمار کی تخریب کاری اور اسکی فساد کاریوں کا تو ذکر کردیا، اب ذرا اپنے معاشرے کے بعض ان افراد کو بھی دیکھ لیجئے جو اندرونی طور سے انکے ہمنوا ہیں یہ لوگ استعماری طاقتوں کی مادی ترقی کو دیکھ کر اپنے آپ کو کھو بیٹھتے ہیں جس وقت استعماری ممالک اپنی سائنسی وصنعتی ترقی کی بناپر یا افریقہ وایشیاء کی قوموں کو لوٹ کر ثروت و تجملات فراہم کرتے ہیں یہ لوگ خوشی سے اپنے جامہ میں نہیں سماتے اور سوچتے ہیں کہ صنعتی ترقی یہی ہے کہ اپنے قوانین وعقائد کو پس پشت ڈال دیا جائے۔ مثلا یہ لوگ جب چاند پر گئے تو ہمارے لوگوں کو خیال ہوا کہ اپنے قوانین کو چھوڑ دیا جائے بھلا چاند پر جانے کا اسلامی قوانین سے کیا ربط ہے؟ کیا آپ نہیں دیکھتے کہ وہ ممالک جن کے قوانین اور اجتماعی نظام متضاد ہیں وہ بھی صنعتی وسائنسی ترقی اور تسخیر فضا میں ایک دوسرے کے رقیب ہیں اور باہم ترقی کرتے ہیں وہ لوگ چاہے کہکشانوں پر چلے جائیں یا مریخ پر پہنچ جائیں سعادت، فضائل اخلاقی اور روحانی بلندی سے بہرحال عاجز ہیں۔ اپنی اجتماعی مشکلات کے حل پر قادر نہیں ہیں کیونکہ ان کی اجتماعی مشکلات اور بدبختیاں اعتقادی اور اخلاقی حل کی محتاج ہیں۔ مادی طاقت حاصل کرلینا یا دولت وثروت کا حصول اور تسخیر فضا، ایمان، اخلاق اسلامی اور اعتقاد کی محتاج ہے۔ جب تک یہ چیزیں تکمیل ومتعادل ہوکر انسان کی خدمت (نہ) کریں نہ یہ کہ انسان کے لئے بلائے جان بن جائیں، انکی مشکلات حل نہیں ہوسکتیں اور یہ اخلاق واعتقاد اور یہ قوانین، ہمارے پاس ہیں۔ اس لئے اگر کوئی

کسی جگہ جائے یا کوئی چیز بنائے تو ہم کو فورا ان قوانین اور دین سے جو انسان کی زندگی سے مربوط ہے اور دنیا و آخرت کےلئے اصلاح حال بشر کا ذریعہ ہے دست بردار نہیں ہوناچاہیئے۔

استعماری طاقتوں کی تبلیغ اسی طرح کی ہے ہمارے دشمنوں نے ایسی ہی تبلیغ کی ہے۔ افسوس اس کاہے کہ خود ہمارے معاشرے کے بہت سے افراد اس پروپیگنڈے کا شکار ہوگئے ہیں حالانکہ ان کو ایسا نہ ہونا چاہیئے تھا۔ استعماری طاقتوں نے یہ سمجھانے کی کوشش کی ہے کہ اسلام حکومت کاحامل نہیں ہے حکومتی نظام اس کے پاس نہیں ہے اور اگر ہم مان لیں کہ اس کے پاس کچھ احکام ہیں بھی تو قوت مجریہ نہیں ہے مختصر یہ کہ اسلام صرف قانون بناسکتا ہے۔ ظاہر ہے اس قسم کے پروپیگنڈے ان کی سیاست کا ایک جزء ہیں اور یہ اس لئے ہے کہ مسلمان سیاست اور بنیاد سیاست سے الگ رہیں اور یہی چیز ہمارے سیاسی عقیدے کے خلاف ہے۔

ہم ولایت پر عقیدہ رکھتے ہیں اور ہمارا عقیدہ ہے کہ رسول (ص) کو اپنا خلیفہ معین کرنا چاہیئے اور انہوں نے معین بھی کیا، [1] اب کیا تعیین خلیفہ صرف بیان احکام کےلئے ہوتا ہے؟ خلیفہ کا کام صرف بیان احکام نہیں ہوتا (جیسا) کہ خود آنحضرت (ص) بھی بیان احکام فرمایا کرتے تھے کہ تمام احکام کو تحریر میں لاکر لوگوں کے حوالہ کردیتے تھے کہ اس پر عمل کریں۔ عقلی طور سے خلیفہ کاتقرر حکومت کےلئے ہوتا تھا۔ ہم خلیفہ چاہتے ہیں تاکہ اجرائے قانون کرے۔ قانون کےلئے ایک مجری کا ہونا ضروری ہے دنیا کی تمام حکومتوں میں یہی ہے کہ صرف قانون بنادینے سے کوئی فائدہ نہیں ہوتا اور نہ اس سے انسانی سعادت حاصل ہوتی ہے اس لئے قانون بنانے کےبعد قوت مجریہ کا ہونا ضروری ہے۔

۱۔ رسول اللہؐ نے متعدد جگہ حضرت علیؑ کی جانشینی کا اعلان کیا ہے مثلا حدیث یوم الدار (جب خاندان والوں کی دعوت کی تھی) حدیث منزلت (جنگ تبوک کے موقع پر) آیت ولایت (انگوٹھی دینے پر) غدیر خم، حدیث ثقلین (وغیرہ)۔ تفسیر کبیر ج ۱۲ ص ۲۸ و ۵۳ ذیل آیات ۵۵ و ۶۷ سورہ مائدہ۔ سیرہ ابن ہشام ج ۴ ص ۵۲۰۔ تاریخ طبری ج ۲ ص ۳۱۹ و ۳۲۲۔ الغدیر ج ۱ و ۲ و ۳۔

ایک تشریع یا حکومت میں اگر قوت مجریہ نہ ہو تو وہ ناقص ہے یہی ہے اسلام نے قانون وضع کرنے کے ساتھ ساتھ اس کے لئے قوت مجریہ بھی قرار دی ہے. ولی امر مسلمین قوہ مجریہ کے قوانین کا بھی حامل ہوتا ہے. اگر رسول (ص) خلیفہ معین نہ کرتے تو کار رسالت ہی انجام نہ دے پاتے[1] اجرائے احکام اور قوت مجریہ کی ضرورت واہمیت تحقق رسالت اور ایک عادلانہ نظام کے ایجاد کی ضرورت جو انسان کی خوشبختی کا ذریعہ ہے سبب بنا کہ جانشین کا معین کرنا اتمام رسالت کے مترادف قرار پایا.

رسول خدا (ص) کے زمانے میں ایسا نہیں تھا کہ صرف قانون کو بیان کردیں بلکہ آپ (ص) اس کا اجرا بھی فرماتے تھے آنحضرت (ص) قانون کا اجرا بھی فرماتے تھے مثلا قانون جزائی کو بیان کرتے تھے اور چور کا ہاتھ بھی کاٹتے تھے. حد جاری کرتے تھے، رجم کرتے تھے.[2] خلیفہ بھی انہیں امور کے لئے ہوتا ہے صرف قانون گزار نہیں ہوتا. خلیفہ کا کام یہ تھا کہ رسول خدا (ص) جو احکام لائے تھے ان کا اجرا کرے. تشکیل حکومت کی ضرورت اور اجرائی مشینری کا قیام اور ایڈمنسٹریشن ولایت کا ایک حصہ ہے اسی طرح اس کے لئے مبارزہ وکوشش بھی اعتقاد ولایت میں سے ہے اچھی طرح سمجھ لیجئے کہ جس طرح ان لوگوں نے آپ کے خلاف اسلام کا غلط طریقے سے تعارف کروایا ہے آپ حضرات اسلام کا صحیح تعارف کرائیے. ولایت کا صحیح تعارف کروائیے. ان سے کہئے کہ ہم جو ولایت کا عقیدہ رکھتے ہیں اور یہ کہ رسول خدا (ص) نے خلیفہ معین کیا تھا اور خدا نے رسول (ص) کو آمادہ کیا تھا کہ خلیفہ معین کریں اور ولی امر مسلمین کا تعین کریں اسی طرح ہمارے لئے ضروری ہے کہ تشکیل حکومت کی ضرورت کا اعتقاد رکھیں اور کوشش کریں کہ ادارہ اجرائے احکام اور ادارہ امور برقرار ہوسکے. اعتقاد ولایت کالازمہ یہ ہے کہ حکومت اسلامی کی تشکیل کے لئے سعی وکوشش کریں. آپ لوگ بھی اسلام کے قوانین اس کے اجتماعی آثار، اس کے فوائد کو لکھئے اور شائع کیجئے. طرز تبلیغ اور اس کا طریقہ کار اور

۱۔ اقتباس از آیت ٦٧ سورہ مائدہ ۲۔ وسائل الشیعہ ج ١٨ ص ٣٧٦ و ٥٠٩

اس کی فعالیت آپ خود مرتب کیجئے۔ یہ بات نہ بھولئے کہ حکومت اسلامی کا قیام آپ کا فریضہ ہے۔ اپنے اوپر بھروسہ کیجئے اور یہ یقین رکھیے کہ آپ یہ کام کرلیں گے۔ استعماری قوتوں نے تین یا چار سوسال پہلے راہ ہموار کی انہوں نے صفر سے شروع کیاتھا اور آج یہاں تک پہنچ گئے ہیں۔ ہم بھی صفر سے شروع کریں گے۔ چند مغرب زدہ اور استعمار کے نوکروں سے ہرگز نہ ڈرئے۔ لوگوں کو اسلام کا تعارف کروایئے تا کہ جوان نسل کو یہ تصور نہ ہوکہ ملا لوگ نجف وقم کے گوشوں میں صرف حیض ونفاس کے احکام پڑھتے ہیں ان کو سیاست سے کوئی سروکار نہیں ہے اور وہ یہ سمجھیں کہ دین وسیاست میں جدائی ضروری ہے اور جو دیندار ہو اس کو سیاست سے الگ ہونا چاہئے نیز یہ کہ علمائے اسلام کو امور سیاسی واجتماعی میں مداخلت نہیں کرناچاہئے۔ یہ سب استعمار زدہ لوگوں کا کہنا ہے، ان کا پروپیگنڈہ ہے۔ بے دین حضرات یہ باتیں کرتے ہیں۔ کیا رسول خدا (ص) کے زمانے میں سیاست دین سے جدا تھی؟ کیا اس زمانے میں کچھ لوگ تو صرف علماء اور کچھ صرف سیاست دان اور زمادار تھے؟ کیا خلفاء کے ۔۔ خواہ حق ہوں یا ناحق ۔۔ زمانے میں (یا) حضرت امیرؑ کے زمانے میں سیاست دین سے جدا تھی؟ دو شعبے تھے؟ (عزیزم) یہ باتیں استعماریوں اور ان کے ایجنٹوں کی ہیں تا کہ دین کو امور دنیا کے تصرف سے اور اسلامی معاشرے کی تنظیم سے الگ رکھیں اور ضمنا علمائے اسلام کو لوگوں سے اور استقلال وراہ آزادی کے متوالوں سے جدا کردیں کیونکہ اسی صورت میں وہ لوگوں پر مسلط ہوسکتے ہیں اور ہماری تمام ثروتوں کو غارت کرسکتے ہیں اور یہی ان کا مقصد ہے۔

اگر ہم مسلمان صرف نماز پڑھنے، دعا کرنے، ذکر کرنے کے علاوہ کسی اور کام میں مشغول نہ ہوں تو استعماری طاقتوں کو، ان کے ایجنٹوں کو اور ظالم حکومتوں کو ہم سے کوئی مطلب ہی نہ ہوگا۔ آپ جتنا جی چاہے اذان کہئے، نماز پڑھئے یہ آئیں گے اور سب کچھ لیجائیں گے اور ان کو حوالہ خدا کردیں۔ پھر جب ہم مریں گے اس وقت ان شاء اللہ ہم کو اجر ملے گا لاحول ولاقوۃ الا باللہ اگر ہماری منطق یہی رہی تو انکو ہم سے کوئی مطلب نہ ہوگا۔ وہ کمیٹی (انگریز فوجی جب یہ لوگ عراق پر قابض تھے) پوچھنے لگی: یہ جو

ماذنہ پر اذان کہہ رہا ہے کیا اس سے انگریز کی سیاست کو کوئی نقصان پہنچتا ہے؟ لوگوں نے کہا: نہیں. اس نے کہا پھر چھوڑ دو جو چاہے کہے! اگر آپ استعمار گروں کی سیاست سے کوئی کام نہ رکھیں اور اسلام کا مطلب بس وہی سمجھے جس سے ابھی تک آپ بحث کرتے آئے ہیں اس سے زیادہ کچھ اور آگے نہ بڑھے تو ان کو آپ سے کوئی مطلب نہ ہوگا. آپ چاہے جتنی نماز پڑھیں (ان کو آپ کی نماز سے مطلب نہیں ہے) ان کو تو آپ کے تیل سے غرض ہے. وہ تو آپ کے معادن سے کام رکھتے ہیں آپ کی نماز سے کیا لینا دینا. وہ تو ہمارے ملک کو اپنی مصنوعات کی منڈی بنانا چاہتے ہیں اسی لئے ان کی پٹھو حکومتیں ہمارے ملک کو صنعتی بننے سے روکتی ہیں، یا وابستہ صنعتیں لگاتے ہیں اور مہنگی چیزیں بناتے ہیں. یہ لوگ چاہتے ہیں کہ ہم آدمی نہ بن سکیں کیونکہ یہ آدمی سے ڈرتے ہیں اگر ایک آدمی بھی پیدا ہوگیا تو اس سے ڈرتے ہیں کیونکہ وہ اپنے جیسا دوسرا بنالے گا اور ایسی بنیاد رکھے گا کہ استبداد واستعمار اور پٹھو قسم کی حکومتوں کی بنیاد اکھڑ جائے گی. اس لئے جب بھی آدمی پیدا ہوا اس کو یا قتل کردیا یا جیل میں سڑا دیا یا ملک بدر کردیا یا اس کو بدنام کردیا کہ یہ سیاسی ہے. یہ عالم سیاسی ہے. آخر رسول (ص) بھی تو سیاسی تھے. یہ غلط پروپیگنڈہ استعمار کے سیاسی ایجنٹ کرتے ہیں تا کہ آپ کو سیاست سے دور کردیں اور اجتماعی امور میں مداخلت کرنے سے روک دیں اور خیانت کار حکومتوں اور قوم پرستی وخلاف اسلام سیاستوں سے مقابلہ نہ کرنے دیں. یہ لوگ جو کام چاہتے ہیں کرتے ہیں، جو غلطی چاہتے ہیں کرتے ہیں کوئی ان کو روک نہیں سکتا.

پہلا حصّہ :

تشکیل حکومت کے لازمی دلائل

اجرائی اداروں کا قیام

معاشرہ کی اصلاح کے لئے قانونی مجموعہ کافی نہیں ہے. قانون اسی وقت اصلاح اور انسانی سعادت کا ضامن ہوتا ہے جب قوت مجریہ اس کی پشت پناہی کررہی ہو. اسی لئے خداوند عالم نے مجموعہ قانون بھیجنے کے ساتھ ایک حکومت، مرکز اجراء وادارہ بھی ضروری قرار دیا. مسلمانوں کے معاشرے کے اجرائی واداری نظام کے سربراہ خود رسول خدا (ص) تھے. آپ ابلاغ وحی وبیان وتفسیر عقائد واحکام اور نظام اسلام کے ساتھ اجرائے احکام وبرقراری نظام اسلام کے لئے بھی پوری سعی کرتے تھے تاکہ ایک اسلامی حکومت کا وجود عمل میں آجائے. مثلا اس زمانے میں صرف قانون جزا کے بیاں پر اکتفا نہیں کرتے تھے بلکہ اس کا اجراء بھی فرماتے تھے. (چور کا) ہاتھ کاٹتے تھے (زانی پر) حد جاری کرتے تھے (یا اس کو) رجم کرتے تھے. حضور اکرم (ص) اور ان کے بعد خلیفہ بھی یہی کام کرتے تھے. رسول خدا (ص) نے جو خلفیہ معین کیا تھا اس کا کام صرف بیان عقائد واحکام نہیں تھا بلکہ اسی کے ساتھ اجرائے احکام ونفاذ قوانین بھی تھا. یہی اجرائے احکام اور برقراری نظام کا فریضہ تھا کہ آپ (ص) نے تعیین

خلیفہ کو اتنا اہم بنادیا تھا کہ اس کے بغیر خدا کے نزدیک رسول (ص) نے کار رسالت ہی انجام نہ دیا ہوتا۔ کیونکہ رسول (ص) کے بعد بھی مسلمانوں کو ایک ایسے شخص کی ضرورت تھی جو قوانین کا اجرا کرتا۔ نظام اسلام کو معاشرے میں باقی رکھتا، تاکہ دنیا وآخرت میں مسلمانوں کو سعادت نصیب ہوتی۔ اصولا ہر قانون اور اجتماعی نظام ایک مجری کا محتاج ہوتا ہے۔ پوری دنیا کا یہی قانون ہے۔ تنہا قانون بنانے سے کوئی فائدہ نہیں ہوتا اور نہ تنہا قانون انسانی سعادت کا ضامن ہوتا ہے، قانون وضع کرنے کے بعد ایک قوت مجریہ کا وجود بہت ضروری ہوتا ہے۔ یہی قوت مجریہ ہے جو عدالتوں اور کچہریوں کے احکام کا اجرا کرتی ہے اور قوانین کا ثمرہ اور عدالتوں کے عادلانہ فیصلہ کافائدہ لوگوں کو پہنچاتی ہے۔ اسی لئے اسلام نے جہاں قانون بنایا ہے وہیں قوت مجریہ کا بھی انتظام کیا ہے اور ولی امر مسلمین ہی قوت مجریہ کا حامل ہوتا ہے۔

رسول (ص) کی سنت اور آپ کا طریقہ

رسول خدا (ص) کی سنت اور رویہ، تشکیل حکومت کے لازم ہونے کی دلیل ہے کیونکہ: اولا آپ نے خود حکومت بنائی اور تاریخ گواہ ہے کہ آپ نے حکومت کی تشکیل کی اور قانون کا اجرا کیا، نظام اسلام کو قائم فرمایا اور معاشرے کا باقاعدہ انتظام کیا، اطراف میں والی بھیجے، قضاوت فرمائی، قاضیوں کا تقرر فرمایا، بادشاہوں اور قبائل کے سربراہوں کے پاس سفیر بھیجے، خارج میں بھی سفیروں کو بھیجا، معاہدے اور پیمان باندھے اور جنگ کی سربراہی کی۔ مختصر یہ کہ تمام حکومتی احکام کی انجام دہی فرمائی۔

ثانیا، اپنے بعد کےلئے خدا کے حکم سے حاکم معین فرمایا اور جب خدا نے رسول (ص) کے بعد معاشرے کےلئے ایک حاکم معین کروایا تو اس کا مطلب یہی ہے کہ رسول خدا (ص) کے بعد بھی حکومت ضروری ہے اور جب رسول خدا (ص) نے اپنی وصیت کے ساتھ فرمان الٰہی کو پہنچایا تو تشکیل حکومت کی ضرورت کا بھی ابلاغ کیا۔

اجرائے احکام کے استمرار کی ضرورت

یہ بات بدیہی ہے کہ جس اجرائے احکام کی ضرورت نے رسول اسلام (ص) کی حکومت کی تشکیل کو لازم قرار دیاتھا وہ صرف آنحضرت (ص) کے زمانے کے لئے محدود و منحصر نہیں تھی۔ رسول (ص) کے بعد یہ ضرورت باقی تھی (اور اب بھی باقی ہے) جیسا کہ آیت شریفہ نے بھی کہا ہے کہ اسلام کے احکام کسی زمان یا مکان کے لئے محدود نہیں ہیں بلکہ تا ابد باقی اور لازم الاجراء ہیں [۱] صرف زمان رسول (ص) کے لئے نہیں تھی کہ اس کے بعد متروک ہوجاتی اور پھر اس کے بعد اسلام کے جزائی احکام کے اجرا کی ضرورت نہ ہوتی یا مختلف ٹیکسوں کی ضرورت ختم ہوگئی تھی یا اسلامی سرحدوں اور امت اسلامی کے دفاع کی ضرورت ختم ہوچکی تھی۔ اگر کوئی یہ کہے کہ اسلامی قوانین تعطل پذیر یا کسی زمان یا مکان کے لئے محدود ہیں تو یہ عقائد اسلام کے بدیہیات کے خلاف ہے۔ لہذا جب رسول خدا ؐ کے بعد اجرائے احکام تا ابد ضروری ہے تو حکومت کی تشکیل اور مرکز اجرا کی برقراری، ادارہ کی ضرورت بھی لازمی ہے اور اگر حکومت تشکیل نہ دی جائے اور مرکز اجرا وادارہ کو باقی نہ رکھا جائے تو ہرج ومرج لازم آئے گا۔ کیونکہ یہ چیزیں افراد کی فعالیت وامور کو عادلانہ نظام کے تحت اجرائے احکام کے ذریعہ برقرار رکھتی ہیں۔ یہ نظام نہ ہو تو اجتماعی، اعتقادی اور اخلاقی بگاڑ پیدا ہوگا۔ پس ہرج ومرج پیدا نہ ہونے اور معاشرہ میں بگاڑ نہ ہونے کے لئے اس کے علاوہ کوئی چارہ نہیں کہ حکومت تشکیل دی جائے اور تمام وہ امور جو دنیا میں جاری ہیں ان کاانتظام کیاجائے۔ بنابریں شرعا وعقلا جو چیزیں حیات رسول (ص) وحیات حضرت علیؑ میں لازم تھیں ۔۔ مثلا حکومت، مرکز اجرا وادارہ ۔۔ وہ سب ان حضرات کے بعد ہمارے زمانے میں بھی لازم وضروری ہیں۔

۱۔ برائے نمونہ سورہ ابراہیم کی آیت ۵۲، سورہ یونس کی آیت ۲، سورہ حج کی آیت ۴۹، سورہ احزاب کی آیت ۴۰، سورہ یاسین کی آیت ۷۰ ۔ ملاحظہ ہو

مطلب کی وضاحت کے لئے میں یہ سوال کرتا ہوں: غیبت صغریٰ[1] سے لیکر اس وقت تک کہ ہزار سال سے زیادہ گزر گئے اور ممکن ہے ایک لاکھ سال اور گزر جائیں اور مصلحت (الٰہی) کاتقاضا نہ ہو کہ حضرت کا ظہور ہو تو کیا اس پوری مدت میں احکام اسلام معطل رہیں اور ان کااجرا نہ ہو؟ جس کا جو جی چاہے کرے؟ کیا یہ ہرج ومرج نہیں ہے؟ جن قوانین کی تبلیغ ونشر واجرا کےلئے رسول اللہ (ص) نے ۲۳ سال تک جاں فرسا زحمت اٹھائی وہ صرف محدود مدت کےلئے تھا؟ کیا خدا نے اجرائے احکام کی مدت صرف دو سو سال رکھی تھی؟ اور غیبت صغریٰ کےبعد اسلام نے ہر چیز کی آزادی دے دی؟

ایسے مطالب کا عقیدہ رکھنا یا ان کا اظہار کرنا اعتقاد سے بدتر ہے اور اسلام کے منسوخ ہونے کا اظہار ہے کوئی شخص یہ نہیں کہہ سکتا کہ اب سرحدوں، حدود، وطن اسلامی کا دفاع ضروری نہیں ہے یا آج کل ٹیکس وجزیہ[2] وخراج[3] وخمس[4] وزکات[5] نہ لیناچاہئے. اسلام کے جزائی احکام، دیات،

۱۔ امام حضرت حجۃ ابن الحسنؑ ۲۶۰ ھ میں نظروں سے غائب ہوگئے اس زمانے سے ۳۲۹ ھ تک شیعہ حضرات ان کے چاروں نائبین۔ عثمان بن سعید، محمد بن عثمان، حسین بن روح، علی بن محمد۔ کے ذریعے حضرتؑ سے رابطہ پیدا کرتے تھے اسی دور کو غیبت صغریٰ کہتے ہیں اس کےبعد سے غیبت کبریٰ شروع ہوگئی.

۲۔ جزیہ وہ مال ہے کہ اہل کتاب جس کو حکومت اسلامی کے حوالے کرتے ہیں اور اس کے بدلے حکومت ان کے جان، مال اور آبرو کی حفاظت کرتی ہے۔

۳۔ خراج اس ٹیکس کو کہتے ہیں جس کو حکومت ان زمینوں پر جسے مسلمانوں نے فتح کیا ہے کسی معین رقم کے عوض دیتی ہے اور اس زمین کو اراضی خراجیہ کہا جاتاہے۔

۴۔ اسلام میں واجب حقوق میں سے ایک خمس ہے شرائط مکمل ہونے کےبعد سات چیزوں پر خمس واجب ہوتا ہے:۔ ۱۔ وہ مال غنیمت جو کفار حربی سے جنگ میں حاصل ہو. ۲۔ معادن. ۳۔ خزانہ یعنی جو مال کسی جگہ دفن کیاگیا ہو. ۴۔ دریا کی وہ گرانقدر چیزیں جو غوطہ خوری سے حاصل ہوں جیسے مروارید، مرجان وغیرہ ۵۔ مال حلال جو مال حرام میں اس طرح مخلوط ہوگیا ہو کہ قابل تمیز نہ ہو اور مقدار اور اس کے مالک کا بھی پتہ معلوم نہ ہو. ۶۔ وہ زمین جس کو کافر ذمی مسلمان سے خریدے ۷۔ جو مقدار کسی شخص کے سالانہ اخراجات سے زائد ہو

۵۔ زکات حکومت اسلامی کا ٹیکس ہے ==

قصاص سب معطل ہوجائیں. جو شخص کہے کہ حکومت اسلامی کی تشکیل کی ضرورت نہیں ہے اس نے اجرائے احکام کی ضرورت کا انکار کیا اور وہ احکام کی جامعیت اور اسلام کے دائمی ہونے کامنکر ہوگیا.

حضرت علیؑ کا رویہ

رسول خدا (ص) کے انتقال کے بعد کسی مسلمان کو اس میں شک نہیں تھا کہ حکومت لازمی چیز ہے کسی نے نہیں کہا: حکومت کی ضرورت نہیں ہے. اس قسم کی بات کسی سے بھی نہیں سنی گئی. تشکیل حکومت کا نظریہ سب کے نزدیک متفق علیہ تھا صرف اس میں اختلاف تھا کہ یہ عہدہ کس کے حوالے ہوناچاہیئے؟ رئیس دولت وحکومت کون ہو؟ اسی لئے رسول خدا (ص) کے بعد متصدیان خلافت کے زمانے میں اور حضرت امیرؑ کے زمانے میں بھی حکومت کی تشکیل کی گئی. حکومتی نظام کاوجود تھا. ادارہ اور اجرا کی صورت متحقق تھی.

اسلامی قوانین کی ماہیت وکیفیت

تشکیل حکومت کی دوسری دلیل خود قوانین اسلام کی کیفیت وماہیت ہے (یعنی احکام شرع ہیں) ان قوانین کی ماہیت وکیفیت بتاتی ہے کہ ان کو ایک حکومت کےلئے اور معاشرے کے سیاسی، اقتصادی اور ثقافتی نظام کےلئے وضع کیاگیا ہے.

اولا: احکام شرع مختلف ایسے قوانین پر مشتمل ہیں جو ایک نظام کلی اجتماعی کے متقاضی ہیں. اس نظام کے اندر بشر جتنے بھی حقوق کا محتاج ہوتا ہے ان سب کو اکٹھا کردیا گیا ہے مثلا ہمسائے سے معاشرت، اولاد وقبیلے کے ساتھ برتاؤ، قوم اور اپنے پرائے کے ساتھ ربط وضبط، ہم شہری اور امور

= = جو شرائط مکمل ہونے کےبعد ۹ چیزوں پر لاگو ہوتا ہے:- ۱۔ اونٹ. ۲۔ گائے ۳۔ گوسفند (انعام ثلاثہ). ۴۔ سونا. ۵۔ چاندی (نقدین) ۶۔ گندم ۷۔ جو ۸۔ خرما. ۹۔ کشمش یعنی (غلات اربع). زکات کی دوسری قسم کو زکات فطرہ کہا جاتا ہے جو شب عیدفطر واجب ہوتی ہے اور اس کی مقدار تین کلو رائج اناج یا اس کی قیمت ہے.

خصوصی اور شادی شدہ زندگی سے لیکر جنگ و صلح سے مربوط قوانین، بین الاقوامی روابط تک کو بیان کیاگیا ہے اسی طرح قوانین جزائی سے لیکر حقوق تجارت وصنعت وزراعت تک کو بیان کیاگیا ہے. قبل از نکاح اور انعقاد نطفہ سے پہلے کے قانون موجود ہیں. اسلام بتاتا ہے کہ نکاح کس طرح ہونا چاہیے اس وقت یا انعقاد نطفہ کے وقت غذا کیا کھانی چاہیے. شیر خوارگی کے زمانے میں ماں باپ کی کیا ذمہ داریاں ہیں؟ بچہ کی تربیت کیونکر کرنی چاہیے. میاں بیوی کا برتاؤ آپس میں اور بچوں کے ساتھ کیا ہوناچاہیے. ان تمام مرحلوں کےلئے قانون ہے تاکہ انسان کی تربیت ہوسکے اور ایسے انسان کی جو کامل وفاضل ہو اور جو متحرک و مجسم قانون ہو، خود سے اجرائے قانون کرنے والا ہو. خود کار قانون ہو. معلوم ہے کہ اسلام حکومت اور معاشرے کے سیاسی واقتصادی روابط کا کتنا اہتمام کرتا ہے. اسلام چاہتا ہے کہ مکمل طور سے مہذب وبافضیلت انسان کی تربیت کرکے خدمت کرے. قرآن مجید اور سنت کے اندر وہ تمام احکام موجود ہیں جن کا بشر اپنی سعادت و کمال کےلئے محتاج ہے. کافی [1] میں ایک فصل ہے جس کا عنوان ہے "لوگوں کی تمام ضرورتیں کتاب وسنت میں بیان کی گئی ہیں" [2] اور کتاب یعنی قرآن "تبیان کل شیی" [3] ہے ہر چیز اور ہر امر کو روشن کرنے والا ہے. (روایات کے مطابق) امامؑ نے قسم کھاکر فرمایا: ملت کو جن چیزوں کی ضرورت ہے وہ سب کتاب وسنت میں ہیں [4] اور

۱۔ کافی، شیعوں کے کتب اربعہ میں سے ہے یہ محمد بن یعقوب کلینیؒ کی تالیف کردہ ہے اس میں ۳۴ کتابیں ۳۲۶ باب اور ۱۶/۰۰۰ حدیثیں ہیں.

۲۔ اصول کافی ج ۱ ص ۷۶ ۔ ۸۰ کتاب فضل العلم " باب الرد الی الکتاب والسنۃ ۔ وجمیع ما یحتاج الناس الیہ الا وقد جاء فیہ کتاب او سنۃ "

۳۔ یہ سورہ نحل کی ۸۹ ویں آیت کی طرف اشارہ ہے . ونزلنا علیک الکتاب تبیانا لکل شیی، ہم نے تم پر ایسا قرآن نازل کیا جس میں ہر چیز کا بیان ہے.

۴۔ عن مرازم، عن ابی عبداللہؑ قال: ان اللہ تبارک وتعالیٰ انزل فی القرآن تبیان کل شیی، حتی واللہ ماترک اللہ شیئا یحتاج الیہ العباد حتی لایستطیع عبد یقول لو کان ہذا انزل فی القرآن الا وقد انزلہ اللہ فیہ. امام صادقؑ نے فرمایا: خدا نے قرآن میں = =

اس میں کوئی شک بھی نہیں ہے۔

ثانیا: ماہیت واحکام شرع کی کیفیت میں دقت نظر سے پتہ چلتا ہے کہ ان احکام کے اجرا اور ان پر عمل کرنے کے لئے حکومت کی تشکیل ضروری ہے اور کسی عظیم مرکز کی تاسیس کے بغیر احکام الٰہی کے فریضہ کا اجرا کرنا اور نظام کی صورت میں انہیں چلانا ممکن نہیں ہے۔

اب میں بعض مقامات کا ذکر کرتا ہوں اور علماء کرام بھی دیگر مقامات کی طرف رجوع کریں۔

== چیز کو نازل فرما دیا یہاں تک کہ خدا کی قسم بندوں کی ضرورتوں میں سے کچھ باقی نہیں چھوڑا اور بندہ کسی چیز کے لئے نہیں کہہ سکتا کہ کاش یہ قرآن میں ہوتا، کیونکہ خدا نے اس کو قرآن میں بیان کر دیا ہے۔)

اصول کافی ج ۱ ص ۷۶ و ۷۷، کتاب فضل العلم " باب الرد الی الکتاب والسنۃ ۔" حدیث ۱۔
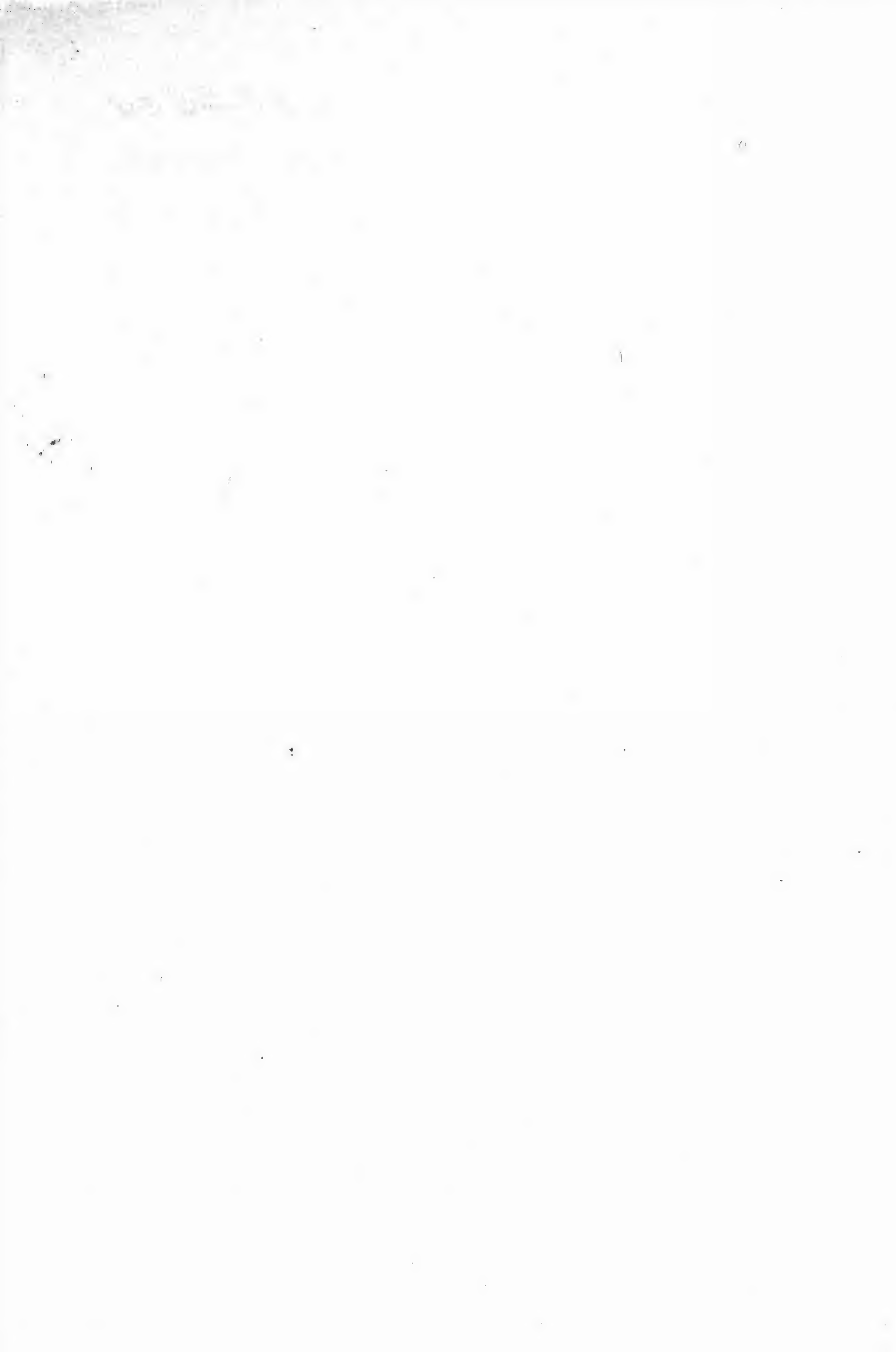
دوسرا حصّہ :

اسلامی احکام کے بعض مسائل کی تحقیق
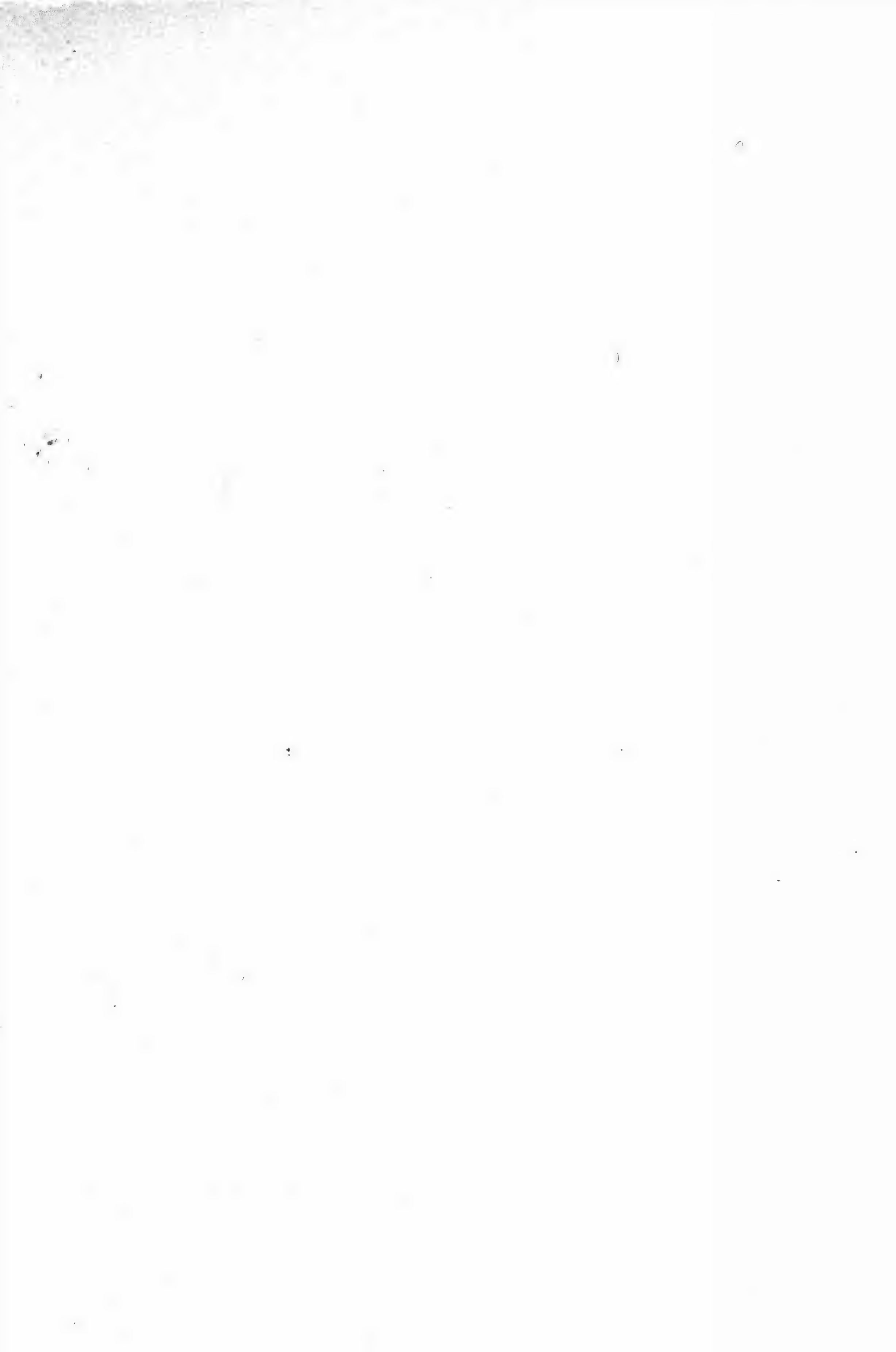
اسلامی احکام کے بعض مسائل

۱۔ احکام مالی

اسلام نے جو ٹیکس معین کئے ہیں اور جو مصارف پیش کئے ہیں ان سے پتہ چلتا ہے کہ یہ صرف فقراء اور سادات فقیروں کے لئے نہیں ہیں بلکہ تشکیل حکومت اور ایک عظیم حکومت کے مخارج کو پورا کرنے کے لئے ہیں:

مثلاً "خمس" ایک عظیم آمدنی ہے جو بیت المال کے حوالے کی جاتی ہے۔ یہ بحث کا ایک حصہ بن جاتی ہے۔ ہمارے مذہب کے مطابق تمام زراعت، تجارت، زیرزمینی وروئے زمینی منابع کے تمام منافع سے اور بطور کلی ہر فائدے سے بطور عادلانہ خمس لیا جاتا ہے اس طرح سے کہ اس مسجد کے دروازہ پر سبزی بیچنے والے سے لیکر جو لوگ پانی کا جہاز چلاتے ہیں یا معدن نکالتے ہیں (یہ حکم) سبھی کے بارے میں ہے کہ تمام لوگوں کو جو بھی آمدنی ہوتی ہے اس میں سے سال بھر کا معمول کا خرچ نکال کر اس کا خمس خود حاکم اسلام کو دے دیں تاکہ وہ اس کو بیت المال کے سپرد کردے۔ ظاہر ہے کہ اتنی بڑی آمدنی پورے اسلامی ملک کا نظام چلانے کے لئے اور اس کی مالی ضرورتوں کو پورا کرنے کے لئے ہے۔ اگر پوری دنیائے اسلام ۔ یا تمام دنیا کے خمس کا ۔ نظام اسلام کے تحت آجائے، حساب کریں تو معلوم ہوگا کہ اس قسم کے مالیات کو واجب کرنے کا مطلب صرف سیدوں اور علماء کی ضرورت کو پورا کرنا مقصود نہیں ہے بلکہ معاملہ اس سے زیادہ اہم ہے یعنی بہت بڑی حکومت کی مالی تشکیلات کی

ضرورتوں کو پورا کرنے کے لئے ہے. اب اگر اسلامی حکومت قائم ہوجائے تو یہی ٹیکس ۔ یعنی خمس وزکات ۔ اگرچہ زکات کم ہے پھر بھی جزیہ، خراج، قومی زراعت کی اراضی پر ٹیکس وہ چیزیں ہیں جن سے حکومت کا نظام چلایا جاسکتا ہے.

سادات کو اتنی رقم کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ صرف بغداد کے بازار کی آمدنی کا خمس تمام سادات اور حوزہ ہائے علمیہ اور تمام فقرائے مسلمین کے لئے کافی ہے. بازار تہران، بازار استنبول، بازار قاہرہ اور دیگر بازاروں کی آمدنی کا خمس اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ اس کا مقصد تشکیل حکومت اور ملکی سطح پر انتظام کرنا ہے. اس کو لوگوں کی اہم ضروریات کے لئے اور عمومی خدمات کے لئے مثلا طبی، ثقافتی، دفاعی، عمرانی مقاصد کے لئے معین کیا گیا ہے. مخصوصا جس ترتیب سے اسلام نے جمع کرنے اور حفاظت کرنے کا حکم دیا ہے اور خرچ کرنے کا حکم دیا ہے کیونکہ اس سے کسی بھی طرح کا ظلم، خزانہ عمومی پر نہیں ہوتا. اور سربراہ حکومت اور تمام والیان ومتصدیان خدمات عمومی ۔ یعنی افراد حکومت ۔ آمدنی اور اموال عمومی سے استفادہ کرنے میں عام افراد کے مقابلہ میں کوئی امتیاز نہیں رکھتے، بلکہ سب کا حصہ برابر ہوگا. اب سوال یہ ہے کہ کیا اتنی بڑی دولت کو دریا میں ڈال دیں، یا زمین میں حضرت حجت (عج) [1] کے آنے تک دفن کردیں؟ یا روزانہ مثلا پچاس سیدوں کو غذا دی جائے؟ یا اس وقت مثلا پانچ لاکھ سید افراد کو روزانہ دے دیا جائے جن کو معلوم ہی نہ ہو کہ وہ کیا کریں؟ جبکہ ہم کو معلوم ہے کہ سادات وفقراء کا حق صرف اتنا ہے کہ گزر بسر کرسکیں اور اسلامی رقوم کا طریقہ یہ ہے کہ ہر آمدنی کا مصرف معین ہے مثلا زکات کا مصرف الگ ہے اس کے لئے ایک حساب الگ ہو. صدقات، تبرعات کے لئے دوسرا حساب ہو. خمس کے لئے ایک الگ حساب ہو. سادات کا خرچ آخری حساب سے پورا کیاجائے گا. حدیث میں ہے سال پورا ہونے کے بعد سادات کے پاس جو بچ

۱۔ سہم امامؑ کے بارے میں فقہائے امامیہ کی نظر مختلف ہے. بعض کہتے ہیں وہ امام کی شخصی ملکیت ہے اور حضرت کے ظہور تک خاک میں مدفون ومحفوظ رکھا جائے المقنعۃ ص ۲۸۵ و ۲۸۶. شرح لمعہ ج ۱ ص ۱۸۴

جائے اس کو حاکم اسلام کو واپس کردیں اور کم پڑے تو حاکم ان کی مدد کرے [1] اس کے علاوہ جزیہ جو اہل ذمہ پر لاگو کیا گیا ہے [2] اور خراج جو زراعت کی وسیع زمین سے لیا جاتا ہے اس سے غیر معمولی آمدنی ہوتی ہے. بس اس قسم کے ٹیکسوں کا معین کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ کسی حاکم اور حکومت کا ہونا ضروری ہے حاکم اور والی کا یہ فریضہ ہے کہ اہل ذمہ کی مالی استطاعت اور ان کی آمدنی کے اعتبار سے ہر آدمی پر ٹیکس لگادے یا ان کی زراعت اور مویشیوں کے تناسب سے ٹیکس معین کردے اسی طرح خراج یعنی وسیع زمینوں پر۔ جن کو مال خدا کہاجاتا ہے۔ اور جو حکومت اسلامی کے تصرف میں ہیں، پر ٹیکس لگا کر رقم جمع کرے. یہ کام منظم تشکیلات، حساب وکتاب، تدبیر و مصلحت اندیشی پر موقوف ہے، ہرج ومرج کے ساتھ انجام پانے والا نہیں ہے جن کے ہاتھ میں حکومت اسلامی کی باگ ڈور ہو. یہ ان کی ذمہ داری ہے کہ اس قسم کے ٹیکس کو ایک اندازے کے مطابق مناسب اور حسب مصلحت معین کریں پھر اس کو اکٹھا کریں اور مسلمانوں کے مصارف میں خرچ کردیں.

آپ نے ملاحظہ فرمالیا کہ اسلام کے مالی احکام حکومت بنانے کی ضرورت پر دلالت کرتے ہیں اور اس کا اجراء اسلامی حکومت کے استقرار کے بغیر ممکن نہیں ہے.

۱۔ حدیث کا ترجمہ یہ ہے: امام موسیٰ کاظم علیہ السلام نے فرمایا: خمس کا آدھا حصہ مکمل طور سے امامؑ کا ہے اور دوسرا حصہ درماندہ حضرات کو دیا جائے گا تاکہ قرآن وسنت رسولؐ کے مطابق اتنی مقدار ان کو تقسیم کردی جائے گی جو ان کے ایک سال کے لئے کافی ہوجائے اب اگر ان کے پاس اس میں سے کچھ بچ جائے تو حاکم کو واپس ہوجائی گی اور اگر قابل تقسیم نہ ہو یا ان کے اخراجات سے کم ہو تو حاکم کے اوپر ہے کہ جو کچھ اس کے پاس ہے اس سے ان کو پورا کردے اسی لئے ان کے مخارج کی ذمہ داری حاکم پر رکھی گئی ہے کہ جو کچھ ان کے حصہ سے باقی بچے گا وہ امامؑ سے متعلق ہوگا.

ملاحظہ ہو، اصول کافی ج ۲ ص ۴۹۱۔ ۲ کتاب الحجۃ، باب الفیئ والانفال، حدیث ۴. التہذیب ج ۴ ص ۲۸۱، کتاب الزکاۃ باب ۳۷، حدیث ۲. تہذیب ج ۴ ص ۱۲۷، کتاب الزکاۃ باب ۳۶، حدیث ۵.

۲۔ اہل ذمہ ان اہل کتاب کو کہا جاتا ہے جو جزیہ وخراج دے کر سرزمین اسلام میں حکومت اسلام کے زیر حمایت زندگی بسر کرتے ہیں.

۲۔ دفاع ملی کے احکام

دوسری طرف جو احکام نظام اسلام کی حفاظت اور اسلامی سرحدوں کے دفاع اور امت مسلمہ کے استقلال سے متعلق ہیں وہ سب بھی تشکیل حکومت کے لازمی ہونے پر دلالت کرتے ہیں مثلاً یہ حکم:

"واعدوا لهم مااستطعتم من قوة ومن رباط الخیل"[۱] ان کفار کے (مقابلہ) کےلئے جہاں تک تم سے ہوسکے (اپنے بازو کے) زور سے اور بندھے ہوئے گھوڑے سے (لڑائی کا سامان) مہیا کرو۔ اس آیت میں حکم دیا گیا ہے کہ جس قدر مسلح طاقت کا انتظام کرسکتے ہو اور دفاعی طاقت مہیا کرسکتے ہو کرو یہ ہمیشہ تیار الرٹ رہنے کا حکم ہے چاہے وہ صلح کا زمانہ ہو۔

اگر مسلمان ہمیشہ اس آیت پر عمل کرتے رہتے اور حکومت اسلامی بناکر اس کا اہتمام وسیع پیمانے پر کرتے رہتے اور ہمیشہ الرٹ اور جنگی تیاری میں رہتے تو یہ مٹھی بھر یہودی ہماری زمینوں پر قبضہ نہیں کرسکتے تھے۔ مسجد اقصی کو تباہ نہیں کرسکتے تھے نہ اسے جلاسکتے تھے بلکہ لوگ فورا مقابلے کےلئے تیار ہوجاتے۔ یہ سب اس بات کا نتیجہ ہے کہ مسلمانوں نے حکم خدا کا اجرا نہیں کیا۔ لائق وصالح اسلامی حکومت نہیں بنائی۔ اگر اسلامی ممالک پر حکومت کرنے والے لوگ ایمان دار ہوتے، احکام اسلام کا اجرا کرتے اور جزئی اختلاف کو پس پشت رکھ کر، تفرقہ اندازی سے الگ ہوکر متحد ہوکر "ید واحدۃ"[۲] بن کر جواب دیتے تو مٹھی بھر بد بخت یہودی جو امریکہ وبرطانیہ اور دیگر مخالف حکومتوں کے ایجنٹ ہیں یہ سب کچھ نہیں کرسکتے تھے چاہے امریکہ اور انگریز ان کی پشت پناہی بھی کرتے۔ مگر کیا کیا جائے یہ حکمرانوں کی نااہلی وپست ہمتی کی وجہ سے ہوا ہے۔

آیت "واعدوالهم ـ الخ" حکم دیتی ہے کہ اپنےلئے امکان بھر طاقت جمع کئے رکھو اور تیار

۱۔ سورہ انفال / ۶۰

۲۔ یہ کلمہ رسول اسلامؐ کے اس فرمان سے اخذ کیاگیا ہے: وان المسلمین ید واحدۃ علی من سواهم بحار الانوار ج ۲۸ ص ۱۰۴ "کتاب الفتن والمحن" باب ۳ حدیث ۳ نیز ج ۷۳ ص ۱۱۴۔

وچوکنا رہو کہ دشمن تم پر حملہ آور نہ ہوسکے۔ ہم چونکہ متحد وطاقتور اور آمادہ وچوکنا نہیں تھے دشمنوں کے ظلم کا نشانہ بن گئے اور بنیں گے اور ظلم برداشت کریں گے۔

۳۔ احکام جزائی اور حقوق کی دستیابی

بہت سے احکام۔ مثلا دیات، ان کو لیکر ان کے مالکوں کو پہنچانا یا حدود وقصاص جس کو حاکم اسلامی کے نظریے کے مطابق جاری ہونا چاہئے یہ سب چیزیں۔ بغیر حکومتی نظام کے ان کی انجام دہی ممکن نہیں ہے یہ تمام قوانین حکومت سے مربوط ہیں جب تک اسلامی حکومت نہ ہو یہ امور انجام نہیں پاسکتے۔

سیاسی انقلاب کا ہونا ضروری ہے

رسول خدا (ص) کے بعد ہی دشمنان اسلام بنی امیہ [۱] لعنہم اللہ نے حکومت اسلامی کو حضرت علیؑ کی ولایت کے تحت آنے ہی نہ دیا۔ انہوں نے ایسی حکومت جو خدا اور رسول (ص) کی پسندیدہ ہو اس کو خارج میں موجود ہی نہ ہونے دیا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ حکومت کی بنیاد ہی دگرگوں ہوگئی۔ ان کی حکومت کا پروگرام اسلامی حکومت کے برخلاف تھا۔ خود حکومت وطرز ادارہ وسیاست بنی امیہ وبنی عباس [۲] اسلام مخالف تھی۔ ان کی حکومت بالکل بدل گئی اور شہنشاہیت میں تبدیل ہوگئی اور ایران وروم ومصر کے بادشاہوں کی طرح تھی بلکہ بعد میں بھی غیر اسلامی رہی جیسا کہ آج تک ہے۔

عقل وشرع (دونوں) کا حکم ہے کہ ہم حکومتوں کو اسی طرح خلاف اسلام یاغیر اسلامی صورت میں

۱۔ امیۃ بن عبدشمس بن عبدمناف کی اولاد جو قبیلہ قریش سے تھی معاویہ اس خاندان کا پہلا خلیفہ تھا جو سال ۴۱ھ میں حکومت تک پہنچا یہ سلسلہ مروان دوئم کے قتل کے بعد سال ۱۳۲ھ میں ختم ہوا۔

۲۔ عباس بن عبدالمطلب رسول اسلام کے چچا کی اولاد یہ سلسلہ سال ۱۳۲ھ میں عبداللہ سفاح کی خلافت سے شروع ہوا اور سال ۶۵۶ھ میں معتصم کے قتل پر تمام ہوا۔

نہ رہنے دیں اور اس کے دلائل واضح ہیں کیونکہ نظام سیاسی غیر اسلامی کے برقرار رکھنے کا مطلب نظام سیاسی اسلامی کا اجرا نہ کرنا ہے۔ اسی طرح ایک دلیل یہ بھی ہے کہ ہر نظام سیاسی غیر اسلامی نظام شرک آمیز ہے کیونکہ اس کا حاکم طاغوت [1] ہے اور ہمارا فریضہ ہے کہ اسلامی معاشرہ سے اور مسلمانوں کی زندگی سے آثار شرک کو دور کریں۔

اور پھر اسی دلیل کی بناپر کہ ہمارا فریضہ ہے کہ ایسے اجتماعی حالات پیدا کریں جو افراد مؤمن وبافضیلت کی تربیت کے لئے صالح ہوں اور یہ شرائط ہمیشہ طاغوت کی حاکمیت اور اس کی ناجائز قدرت کے مخالف ہوتے ہیں جو اجتماعی شرائط طاغوت کی حاکمیت اور شرک آمیز نظام سے پیدا ہوتے ہیں ان کا لازمہ یہی فساد ہے کہ جس کو آپ دیکھ رہے ہیں اور یہ وہی فساد فی الارض ہے جس کو دور ہونا چاہئے اور اس کے اسباب مہیا کرنے والے اپنے اعمال کی سزا کو ضرور پہونچتے ہیں۔ یہ وہی فساد ہے جس کو فرعون نے اپنی زمین سے مصر میں پیدا کیا تھا " **انه كان من المفسدين** " [2] (بے شک وہ مفسدوں سے میں تھا) اور ایسے اجتماعی، سیاسی حالات میں انسان مؤمن ومتقی وعادل زندگی نہیں بسر کرسکتا اور نہ ایمان ورفتار صالح پر باقی رہ سکتا ہے۔ اپنے لیے دو ہی راستے رکھتا ہے : ۱)۔ مجبورا ایسے اعمال کرے جو شرک آمیز اور ناصالح ہوں۔ ۲)۔ ایسے اعمال نہ کرے اور طواغیت کے احکام کے سامنے سر تسلیم خم نہ کرے ان سے مخالفت ومبارزہ کرے تا کہ فساد کا خاتمہ کردے۔

ہمارے پاس اس کے علاوہ کوئی چارہ نہیں ہے کہ فاسد حکومتوں اور فاسد کرنے والی حکومتوں کا خاتمہ کردیں اور خائن وفاسد وظالم وجابر دستگاہ کو سرنگوں کردیں۔ یہ وہ فریضہ ہے جو تمام اسلامی ممالک کے مسلمانوں کو انجام دینا چاہئے اور انقلاب اسلامی کو کامیاب بناناچاہئے۔

۱۔ طاغوت ہر متجاوز اور معبود غیر خدا کو کہتے ہیں۔

۲۔ سورہ قصص آیت ۴

اتحاد المسلمین کی ضرورت

وطن اسلام کو استعماری طاقتوں، خود رائے حاکموں، جاہ طلب افراد نے ٹکڑے ٹکڑے کردیا ہے. امت مسلمہ میں جدائی ڈال دی اور چند ملت میں ٹکڑے ٹکڑے کر کے بانٹ دیا. ایک زمانہ میں حکومت عثمانی بہت بڑی حکومت بن کر ابھری تھی لیکن استعماریوں نے اس کے بھی ٹکڑے کردئے. روس وانگریز اور اتریش جمہوری اور دوسری استعماری حکومتیں متحد ہوگئیں اور دولت عثمانی سے جنگ چھیڑکر ایک ایک حصہ پر قبضہ یا اپنے زیر تصرف کرلیا [1] اگرچہ حکومت عثمانی کے زیادہ تر حکام نالائق تھے بلکہ بعض تو فاسد تھے، لیکن استعماری طاقتوں کو یہ خطرہ تھا کہ ان کے درمیان صالح افراد بھی پیدا ہوسکتے ہیں اور لوگوں کی مدد سے رئیس بن کر قدرت ووحدت ملی کے ذریعہ استعمار کی بساط حکومت کو لپیٹ سکتے ہیں. اسی لیے متعدد جنگوں کےبعد پہلی عالمی جنگ کے بعد اس کو تقسیم کرڈالا، کہ جس سے دس یا پندرہ چھوٹی حکومتیں بن گئیں زمین کا ہر ٹکڑا اپنے ایک مامور یا مامورین کے ایک گروہ کے حوالہ کردیا. بعد میں بعض حکومتیں مامورین اور استعماریوں کے ایجنٹوں کے ہاتھ سے باہر آگئیں ہیں.

ہمارے پاس امت اسلام کی وحدت کو بچانے، اسلامی وطن کو استعمارگروں کے نفوذ وتصرف سے نکالنے اور ان کے ایجنٹوں کے ہاتھ سے بچانے اور آزاد کروانے کےلئے ایک ہی راستہ ہے کہ

۱۔ عثمانی حکومت کا انحطاط انیسویں صدی سے شروع ہوگیا تھا. اتحادیہ بالکان کی جنگ میں لندن کے ۱۹۱۳ء والے معاہدے پر جنگ کا خاتمہ ہوا اس جنگ کے نتیجے میں حکومت عثمانی نے اپنے تمام یورپی علاقوں اور دریائے آژہ کو ہاتھ سے گنوادیا اور پہلی عالمی جنگ میں لوزان کے ۱۹۳۲ء والے معاہدے کے مطابق عرب علاقے مثلا عراق، شام، سعودی عرب، اردن اور فلسطین، ترکی حکومت کے تصرف سے نکل گئے اور یورپی حکومتوں کی قیادت میں آگئے. اس کےبعد نواحی ترک علاقے آزاد ہوگئے اور موجودہ ترک حکومت محدود ہوگئی.

حکومت تشکیل دیں اور مسلمانوں کی وحدت و آزادی کے لئے ظالم حکومتوں کو سرنگوں کریں اس کے بعد ایک ایسی عادل اسلامی حکومت قائم کریں جو لوگوں کی خدمت کرے۔ حکومت بنانا صرف حفظ نظام اور اتحاد المسلمین کی خاطر ہے جیسا کہ حضرت زہرا ؑ نے اپنے خطبہ میں فرمایا ہے: امامت حفظ نظام اور مسلمانوں کے افتراق کو اتحاد سے بدلنے کے لئے ہے [۱]

مظلوم و محروم لوگوں کو نجات دلانا لازم ہے

استعمارگر جو اپنے سیاسی عمال کے ذریعہ لوگوں پر مسلط ہوگئے ہیں ان کے علاوہ انہوں نے اپنا ظالمانہ اقتصادی نظام بھی لوگوں پر لاد رکھا ہے جس کی وجہ سے لوگ دو قسموں میں تقسیم ہوگئے ہیں، ظالم اور مظلوم۔ ایک طرف سینکڑوں مسلمان بھوکے، علاج ومعالجہ سے عاری، تہذیب سے محروم ہیں اور دوسری طرف تھوڑے سے افراد دولت مند، سیاسی اقتدار والے ہیں جو عیاش ویاوہ گو اور فاسد ہیں۔ بھوکے اور محروم افراد کی کوشش ہوتی ہے کہ اپنے کو کسی طرح ظالم حکام کے ظلم سے بچاسکیں تاکہ بہتر زندگی پیدا کرسکیں اور وہ لوگ اس کوشش میں مسلسل لگے رہتے ہیں، لیکن وہ اقلیت جو ان پر حاکم ہے اور حکومتی افراد جو ظالم ہیں وہ ایسا کرنے نہیں دیتے۔ ہمارا فریضہ ہے کہ محروم ومظلوم لوگوں کو نجات دلائیں۔ ہماری ذمہ داری ہے کہ مظلوموں کی پشت پناہی کریں اور ظالموں سے دشمنی کریں۔ یہی وہ فریضہ ہے جس کی طرف امیر المؤمنین ؑ نے اپنی وصیت میں امام حسن علیہ السلام اور امام حسین علیہ السلام کو متوجہ فرمایا تھا کہ: " **وکونا للظالم خصما وللمظلوم عونا** "[۲] (تم دونوں ظالم کے دشمن اور مظلوم کے مددگار ہونا)۔

علماء اسلام کی ڈیوٹی ہے کہ اجارہ داری اور ظالموں کی ناجائز منافع خوری کو روکیں ایسا نہ ہونے دیں

۱۔ وطاعتنا نظاما للملۃ وامامتنا لمـاً للفرقۃ۔ کشف الغمۃ ج۱ ص ۴۸۳

۲۔ نہج البلاغہ نامہ ۴۷

کہ زیادہ تر لوگ بھوکے اور محروم رہیں اور ان کے پہلو میں ستمگر، غارتگر، حرام خور ناز ونعمت میں زندگی بسر کریں. حضرت علیؑ فرماتے ہیں: میں نے حکومت کو صرف اس لئے قبول کیا ہے کہ خدا نے علماء اسلام سے یہ عہد لیا ہے کہ وہ ظالم کی شکم پری اور مظلوم کی گرسنگی پر خاموش نہ رہیں گے اور چپ نہ بیٹھیں گے. چنانچہ ملاحظہ فرمایئے ارشاد فرماتے ہیں:

اما والذی فلق الحبة وبرء النسمة، لولا حضور الحاضر وقیام الحجة بوجود الناصر وما اخذ اللہ علی العلماء ان لایقاروا علی کظة ظالم ولاسغب مظلوم، لالقیت حبلها علی غاربها ولسقیت آخرها بکاس اولها، ولالفیتم دنیاکم هذه ازهد عندی من عفطة عنز [1].

دیکھو اس ذات کی قسم جس نے دانہ کو شگافتہ کیا اور انسانوں کو پیدا کیا، اگر بیعت کرنے والوں کی موجودگی اور مدد کرنے والوں کے وجود سے مجھ پر حجت تمام نہ ہوگئی ہوتی اور وہ عہد نہ ہوتا جو خدا نے علماء سے لے رکھا ہے کہ وہ ظالم کی شکم پری اور مظلوم کی گرسنگی پر سکون وقرار سے نہ بیٹھیں تو میں خلافت کی باگ ڈور اسی کے کندھے پر ڈال دیتا اور اس کے آخر کو اسی پیالے سے سیراب کرتا جس پیالے سے اس کے اول کو سیراب کیا تھا اور تم اپنی دنیا کو میری نظر میں بکری کی چھینک سے (نکلنے والی ناک سے) بھی زیادہ ناقابل اعتنا پاتے.

لہذا آج ہم کیونکر ساکت وبیکار بیٹھ سکتے ہیں جبکہ ہم دیکھ رہے ہیں کچھ خیانت کار، حرام خور، دوسروں کے ایجنٹ، غیروں کی مدد سے سنگینوں کے زور پر کروڑوں مسلمانوں کی ثروت اور حق کو لوٹ لیتے ہیں اور مسلمانوں کو معمولی نعمتوں سے بھی استفادہ نہیں کرنے دیتے. تمام علمائے اسلام اور تمام مسلمانوں کا فریضہ ہے کہ اس ظالمانہ وضع کو ختم کریں اور اس راہ میں جو کروڑوں

۱۔ نہج البلاغہ، خطبہ ۳ (شقشقیہ)

انسانوں کے لئے راہ سعادت ہے ظالم حکومتوں کو ختم کرکے اسلامی حکومت قائم کریں۔

روایات اور حکومت (اسلامی) کی ضرورت

بنابر عقل وضرورت احکام اسلام اور حضرت رسول خدا (ص) وحضرت امیرؑ کے رویے اور آیات وروایات کے مفاد کی بنا پر حکومت کی تشکیل لازمی ہے۔ سردست میں بطور نمونہ امام رضاؑ سے منقول ایک روایت کو نقل کرتا ہوں۔ حدیث کا پہلا حصہ چونکہ نبوت سے مربوط ہے اور اس وقت ہم اس سے بحث بھی نہیں کررہے لہذا اس کو نہیں ذکر کیا۔ ہمارے پیش نظر حدیث کا آخری حصہ ہے جس میں امام فرماتے ہیں: اگر کوئی یہ سوال کرلے کہ خدائے حکیم نے "اولوا الامر" کیوں قرار دیے اور ان کی اطاعت کا حکم کیوں دیا؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ اس کی وجوہ تو بہت سی ہیں (مگر میں صرف چند کو بیان کئے دیتا ہوں) ان میں سے ایک یہ ہے کہ لوگوں کو جب مشخص ومعین طریقے پر ان کی نگہداشت کی گئی اور ان کو حکم دیا کہ اس طریقے سے تجاوز نہ کریں ۔۔ اور ان معین حدود وقوانین سے آگے نہ بڑھیں ۔۔ کیونکہ اس تجاوز کرنے اور آگے بڑھنے میں ان کے لئے خرابی کا اندیشہ ہے اور یہ امر اس وقت تک تحقق پذیر نہیں ہوسکتا اور لوگ معین راستہ پر نہیں چل سکتے اور نہ رہ سکتے ہیں اور نہ ہی قوانین الٰہی کو برپا کرسکتے ہیں جب تک ایک فرد (با قدرت) امین وپاسدار ان پر معین نہ کیا جائے جو اس امر کا عہدہ دار ہو۔ ان کو ان کے حقوق سے باہر پیر نہ رکھنے دے اور دوسروں کے حقوق پر تعدی نہ کرنے دے کیونکہ اگر یہ شخص ایسا نہ ہوگا اور شخص باقدرت معین نہ کیا جائے گا تو کوئی بھی شخص اپنی لذت ومنفعت کو دوسرے کی خرابی کی وجہ سے نہ چھوڑے گا۔ اس لئے ایک قیم قرار دیا گیا جو ان کو فساد سے روکتا رہے اور ان کے اندر حدود واحکام کو جاری کرتا رہے۔ دوسری وجہ اولوا الامر کے معین کرنے کی یہ ہے کہ ہم نے کسی بھی فرقہ یا کسی بھی ملت کو اس طرح پایا ہے کہ وہ بغیر کسی قیم ورئیس کے باقی رہ سکی ہو اور زندگی بسر کرسکی ہو کیونکہ دین ودنیا دونوں

کے لئے ایک رئیس کا ہونا ضروری ہے لہذا حکیم کی حکمت میں یہ بات جائز نہیں ہے کہ جس شخص کو وہ جانتا ہو کہ اس کا وجود ضروری ہے اور اس کے بغیر اس قوم کا قوام وجود باقی نہیں رہ سکتا اس کو چھوڑ دے (کیونکہ) قوم وملت اسی شخص کے ذریعے اپنے دشمنوں سے جنگ کرے گی اور اسی کے واسطے سے اپنا مالی فیء (غنیمت) تقسیم کرے گی اسی کے ساتھ جمعہ وجماعت قائم کرے گی، ظالموں کو مظلوموں سے روکے گی ۔ اس کے علاوہ اولوا الامر معین کرنے کی علت یہ بھی ہے کہ اگر خدا لوگوں کے لئے ایک امام قیم وامین وحافظ وامانتدار معین نہ کرتا تو ملت فرسودہ ہوجاتی، دین ختم ہوجاتا، سنن واحکام متغیر ہوجاتے اور بدعتی لوگ اس میں اضافہ کردیتے، ملحد لوگ کمی کردیتے اور مسلمانوں پر اس کو مشتبہ کردیتے کیونکہ مخلوق، ناقص ومحتاج وغیر کامل ہے اور آپس میں اختلاف رکھتی ہے، اس کی خواہشات بھی مختلف ہیں حالات بھی پراکندہ ہیں۔ اس لئے اگر رسول (ص) جن چیزوں کو لیکر آئے تھے ان کے لئے کوئی قیم اور حافظ معین نہ کیا جاتا تو یہ لوگ فاسد ہوجاتے جیسا کہ ہم نے بیان کیا اور شرائع، سنن احکام اور ایمان سبھی متغیر ہوجاتے اور اس میں پوری مخلوق کے لئے فساد تھا [۱]۔

جیسا کہ امامؑ کی گفتگو سے ظاہر ہے اور اس سے استنباط ہوتا ہے کہ متعدد علل ودلائل، حکومت اسلامی کی تشکیل اور ولی امر کی برقراری کی ضرورت پر دلالت کرتے ہیں۔ لیکن یہ علتیں اور دلیلیں اور جہات کسی خاص وقت یا زمانے پر دلالت نہیں کرتیں۔ اس لئے اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ تشکیل حکومت اسلامی کا لزوم دائمی ہے مثلا لوگوں کا حدود اسلام سے تعدی کرنا، دوسروں کے حقوق پر ڈاکہ ڈالنا اور حصول لذت اور شخصی مفاد کے لئے دوسروں کے حقوق میں دست اندازی کرنا یہ ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا یہ نہیں کہا جاسکتا کہ یہ صرف حضرت علیؑ کے زمانے میں تھا اس کے بعد لوگ ملائکہ بن گئے ہیں۔ خدا کی حکمت کا تعلق اس سے تھا کہ لوگ عادلانہ طریقہ سے زندگی بسر کریں اور احکام الٰہی

۱۔ علل شرائع ج ۱ ص ۲۵۱ " باب ۱۸۲ " حدیث ۹

کی حدود میں ہی قدم رکھیں یہ حکمت ہمیشہ رہی ہے اور سنت الٰہی رہی ہے اور ناقابل تغیر رہی ہے اس لئے آج اور ہمیشہ وجود ولی امر یعنی ایسا حاکم جو قیم ہو اور قانون اسلام کی نگہبانی کرنے والا ہو اس کا وجود ضروری ہے ایسے حاکم کا وجود ضروری ہے جو زیادتی، ستم گری، دوسروں کے حقوق پر تعدی سے روکے، امین وامانتدار ہو پاسدار خلق خدا ہو، لوگوں کو تعلیم عقائد، احکام اور نظام اسلام کی ہدایت کرنے والا ہو۔ دشمن اور ملحد دین اور قوانین اور نظام میں جو بدعت کرنے والے ہیں ان کو اس سے روکنے والا ہو۔ کیا حضرت علیؑ کی خلافت انہیں چیزوں کے لئے نہیں تھی؟ وہ علل اور وہ ضرورتیں جن کی بنا پر حضرت علیؑ کو امام بنایا گیا تھا وہ آج بھی ہیں بس فرق اتنا ہے کہ یہاں کوئی شخص معین نہیں ہے بلکہ موضوع کو عنوانی [1] قرار دیا گیا ہے تاکہ ہمیشہ محفوظ رہے۔

اس لئے، اگر احکام اسلام کا باقی رہنا ضروری ہے۔

اس لئے، اگر ظالم حکام سے کمزور لوگوں کے حقوق کی حفاظت لازمی ہے۔

اس لئے، اگر چھوٹا سا حکمران طبقہ اپنی ذاتی لذت اور اپنا مادی فائدہ حاصل کرنے کے لئے عوام کے وسائل کو غارت نہ کرے اور انہیں خراب نہ کرے۔

اس لئے، اگر نظم اسلام کی برقراری ضروری ہے اور سب لوگوں کے لئے اسلام کے عادلانہ طریقے پر چلنا ضروری ہے اور یہ کہ وہ اس سے انحراف نہ کریں اگر بدعت گزاری اور خلاف اسلام قوانین کی تصویب نہ ہوسکے اور پارلیمنٹ من مانی نہ کرسکے۔ غیروں کے اثرات ونفوذ اسلامی ممالک سے ختم ہوجائیں تو پھر حکومت اسلامی لازم ہے۔ یہ امور تشکیل حکومت کے بغیر انجام نہیں پاسکتے لیکن حکومت کا صالح ہونا، حاکم کا قیم، امین اور صالح ہونا اشد ضروری ہے ورنہ حکومت سے کوئی فائدہ نہ ہوگا کیونکہ

۱۔ مقصد یہ ہے کہ لوگوں کی ہدایت اور تشکیل حکومت کے لزوم میں ولی امر کا عنوان رکھا گیا ہے کسی معین شخص مثلاً حضرت علیؑ کا نام نہیں لیا گیا اس لئے ہر زمانہ میں نظام اسلامی کا ادارہ کو چلانا اس شخص کے ذمہ ہے جس پر ولی امر کا عنوان صادق آئے

فاسد وفاجر وہ بھی ہیں۔

ہم نے پہلے تشکیل حکومت اور فاسد وخائن حکام کے ہٹانے کےلئے متحد ہوکر اور اتفاق رائے سے قیام نہیں کیا۔ کچھ لوگوں نے سستی دکھائی۔ حد یہ ہے کہ اسلامی نظام اور اسلامی نظریات کی بحث وتبلیغ سے بھی کتراتے تھے بلکہ اس کے برعکس ستمگار حکام کے حق میں دعا کرتے رہے اس کی وجہ سے یہ صورت حال درپیش ہوئی۔ اسلام کا اثر ورسوخ اور حاکمیت معاشرہ میں کم ہوگیا۔ ملت اسلامیہ تفرقہ وکمزوری کی شکار ہوگئی۔ اسلامی احکام بغیر اجرا رہ گئے ان میں تغیر وتبدل واقع ہوگیا۔ استعماری طاقتوں نے اپنے منحوس مقاصد کے پیش نظر اپنے سیاسی ایجنٹوں کے ذریعہ خارجی قوانین اور غیر ثقافت مسلمانوں میں رائج کردی، لوگوں کو مغرب زدہ بنادیا۔ اس کی وجہ صرف یہ تھی کہ ہمارے پاس قیم ورہبر نہ تھا۔ قیادت کا سسٹم نہ تھا۔ ہم ایک صالح نظام حکومتی کے خواہشمند ہیں اور یہ مطلب بہت ہی واضح ہے۔

تیسرا حصہ :

اسلامی حکومت کا طریقہ
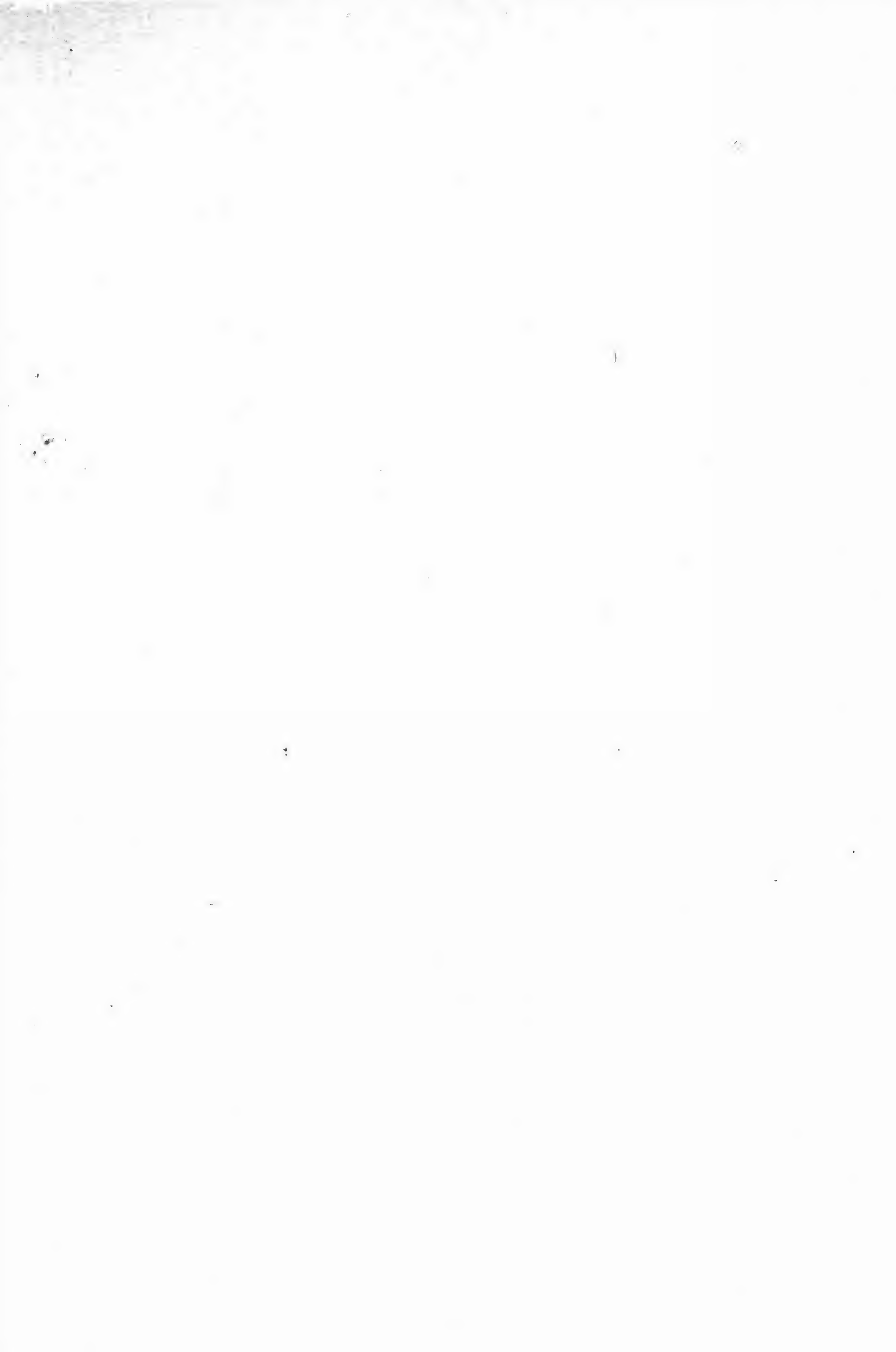
اسلامی حکومت کا نظام سب سے مختلف

اسلامی حکومت موجودہ حکومتوں میں سے کسی بھی طرز حکومت کی موافق نہیں ہے مثلاً اسلامی حکومت، استبدادی [1] نہیں ہے جس میں سربراہ حکومت آمر ہوا کرتا ہے. لوگوں کے مال وجان سے کھلوار کرتا ہے. اپنا حسب منشاء تصرف کرتا ہے. جس کو چاہے قتل کر دیتا ہے، جس کو چاہے انعام سے نواز دیتا ہے، جس کو چاہے تیول ۔ کسی کو گذر بسر کے لئے بادشاہ کی طرف سے ملک، آب اور زمین کا دیاجانا ۔ دیدے. املاک واموال جس کو چاہے بخش دے. رسول خدا (ص)، حضرت علیؑ اور خلفاء بھی ایسا اختیار نہیں رکھتے تھے. حکومت اسلامی نہ استبدادی ہے نہ مطلقہ [2] بلکہ مشروطہ (قانونی) ہے. لیکن نہ وہ مشروطہ [3] جو آج کل متعارف ہے یعنی ایسے قوانین کا تصویب کرنا جو اشخاص واکثریت کی آراء کے تابع ہوں، مشروطہ اس اعتبار سے کہ حکومت کرنے والے اجراء اور نظام چلانے میں چند شروط

۱۔ استبدادی حکومت اسے کہتے ہیں جس میں لوگوں کی نمائندگی نہ ہو اور نہ ووٹ دینے کا حق ہو ملکی انتظام کے کسی شعبہ میں کسی کو کوئی دخل نہ ہو حاکم کے اختیارات قانونی اعتبار سے غیر محدود ہوں اور اس کو ہر مخالفت کے کچلنے کا حق حاصل ہو (یعنی ڈکٹیٹر شپ، مترجم)

۲۔ بادشاہی

۳۔ مشروطیت ایک ایسی حکومت کانام ہے جس میں حکومت کے اختیارات عوام کے ذریعہ حاصل ہوتے ہیں اور معین اصول ومحدود ومشروط اجراء کے قابل ہوتی ہے اس میں سب سے زیادہ اہمیت قانون اساسی کو ہوتی ہے یہی ملک کا بالاترین مرجع = =

ہوتے ہیں وہ شروط جنہیں قرآن وسنت میں معین کر دیا گیا ہے یہ شروط وہی احکام وقوانین اسلام ہیں جن کی رعایت کرنی چاہئے اور ان کو اجرا کرنا چاہئے اس اعتبار سے حکومت اسلامی "عوام پر قانون الٰہی کی حکومت" ہے۔

اسلامی حکومت، قانون بادشاہت [1] اور جمہوریت [2] میں بنیادی فرق یہی ہے کہ آخری دو نظاموں میں لوگوں کے نمائندے یا شاہ کے نمائندے قانون بناتے ہیں جبکہ اسلام میں قانون بنانے کا اختیار صرف خدا کے لئے مخصوص ہے۔ شارع مقدس اسلام تنہا قدرت مقننہ ہے کسی کو بھی قانون بنانے کا حق نہیں اور حکم شارع کے علاوہ کسی بھی حکم کا اجرا نہیں کیا جاسکتا۔ اسی لئے اسلامی حکومت میں" ممبران قانون ساز " جس میں حکومت کی تین قوتوں میں سے کوئی قوت ہوتی ہے اس کے بدلہ میں مجلس منصوبہ بندی ہوتی ہے جو ہر وزارت خانہ کے لئے اسلام کی روشنی میں پروگرام ترتیب دیتی ہے اورر اسی پروگرام کے مطابق پورے ملک میں عمومی خدمات کا طریقہ طے کیا جاتا ہے۔

اسلام کے قوانین کا مجموعہ جو قرآن وسنت میں جمع کردئے گئے ہیں مسلمانوں کے واسطہ سے یہ قبول

== اور سندعالیہ ہوتا ہے۔ قانون اساسی کے اندر تمام محترم افراد وگروہوں کے اصلی وسیاسی حقوق کا ذکر ہوتا ہے حکومت مشروطہ دو اصلی شکل میں ظاہر ہوتی ہے سلطنتی اور جمہوری، نظام مشروطہ میں صدر کے اختیارات بادشاہ کے مقابلہ میں کم ہوتے ہیں۔

۱۔ بادشاہی یا سلطنت نظام حکومت کی وہ صورت ہے جس میں رئیس کشور،عنوان بادشاہ یا ملکہ رکھتا ہو اس نظام کی خصوصیت ارثی جانشینی ہے اگرچہ کبھی بصورت انتخاب از طرف شاہ یا دوسروں کی طرف سے بھی انجام پاتا ہے۔ سلطنتی حکومت کبھی تو نامحدود ہوتی ہے اس کے تمام حکومتی اختیارات بادشاہ کے ہاتھ میں ہوتے ہیں اور تینوں قوتیں اسی کی طرف سے معین ہوتی ہیں اس کو سلطنت مطلقہ کہتے ہیں اور کبھی شاہ کے اختیارات مجلس قانون ساز کی وساطت سے محدود کر دیے جاتے ہیں اور قانون کی وضع لوگوں کے نمائندوں کے سپرد کردیے جاتے ہیں اس قسم کی حکومت کو مشروطہ کہا جاتا ہے۔

۲۔ جمہوری وہ حکومت ہے جس کا حاکم ڈاٹریکٹ یا ان ڈاٹریکٹ لوگوں کی رائے سے منتخب ہوتا ہے اس میں میراث کاکوئی دخل نہیں ہوتا اور حکومت کی مدت بھی محدود ہوتی ہے۔ جمہوری وہ ممالک ہیں جو ڈیموکریسی پارلیمنٹ رکھتے ہیں کبھی ڈیکٹروں کی غیر سلطنتی حکومتوں پر بھی اطلاق کیا جاتا ہے۔

شدہ اور سب کے لئے قابل اطاعت تسلیم کئے جاچکے ہیں اور اسی موافقت اور قبولیت نے حکومت کا کام آسان کردیا ہے اور خود لوگوں سے اس کا تعلق ہے مگر یہ اس صورت میں ہوگا جب جمہوری اور قانونی بادشاہت کی حکومتوں میں جو لوگ اپنے کو لوگوں کی اکثریت کا نمائندہ کہتے ہیں ان کی اکثریت جو چاہے قانون کے نام پر منظور کرکے سب لوگوں پر ٹھونس دے۔

اسلام کی حکومت قانون کی حکومت ہے اس حکومت میں حاکمیت کا انحصار صرف خدا پر ہوتا ہے قانون، فرمان و حکم خدا کا ہے۔ قانون اسلام یا فرمان الٰہی تمام افراد پر بلکہ حکومت اسلام پر بھی حکومت تامہ رکھتا ہے۔ تمام افراد رسول خدا (ص) سے لیکر خلفاء اور دیگر تمام افراد ابد تک قانون کے پابند ہیں۔ یہ وہی قانون ہے جو خدا کی طرف سے نازل ہوا ہے اور زبان رسول (ص) وقرآن نے اس کو بیان کیا ہے۔ اگر رسول اکرم (ص) بھی خلافت کے عہدہ دار تھے تو حکم خدا سے تھے خدا نے آنحضرت (ص) کو خلیفہ بنایا تھا "خلیفة اللّٰہ فی الارض" ایسا نہیں ہے کہ حضور (ص) نے اپنی مرضی سے حکومت تشکیل دی ہو اور خود سے سربراہ مسلمین بن گئے ہوں۔ اسی طرح چونکہ احتمال تھا کہ آنحضرت (ص) کے بعد امت میں اختلاف پیدا ہوجائے ۔ کیونکہ لوگ نئے نئے مسلمان ہوئے تھے اور جدید العہد تھے ۔ اس لئے خدا نے اپنے رسول (ص) پر وحی کے ذریعہ واجب قراردیا کہ فورا اسی جگہ پر وسط بیابان میں امر خلافت کو پہنچادیں [1] پس رسول (ص) نے حکم قانون کے مطابق وباتباع قانون، حضرت علیؑ کو خلیفہ معین کیا۔ اس لئے نہیں کہ حضرت علیؑ داماد رسول (ص) تھے یا آپ (ص) نے اسلام کی نمایاں خدمتیں انجام دی تھیں بلکہ خدا کے حکم کی پیروی مقصود تھی اور فرمان خدا کا اجرا کرنا تھا۔

۱۔ یہ غدیر خم کی طرف اشارہ ہے، یا ایھا الرسول بلغ ۔ الخ (سورہ مائدہ آیت ۶۷) الغدیر ج ۱ ص ۲۱۴ ۔ ۲۲۹

اسلام میں حکومت کا مطلب صرف قانون کی پیروی ہے. معاشرہ پر صرف قانون کی حکمرانی ہوتی ہے. اس حکومت میں رسول خدا (ص) اور والیوں کو جو محدود اختیارات دیے گئے ہیں وہ بھی خدا کی طرف سے ہیں. جب بھی کوئی مطلب رسول (ص) نے بیان فرمایا ہے یا کسی حکم کو پہونچایا ہے وہ بھی قانون الٰہی کی اتباع میں تھا. ایسا قانون کہ بغیر استثناء سب کو اس کی پیروی کرنی ہے. حکم الٰہی حاکم و محکوم سبھی کے لئے ایک ہے یگانہ وہ قانون اور حکم جو سب کے لئے لازم الاجراء ہے قانون خدا ہے. رسول خدا (ص) کی اتباع بھی حکم خدا کی بنا پر ہے کیونکہ ارشاد ہے: "**اطیعوا الرسول**" رسول (ص) کی پیروی واطاعت کرو. حاملان حکومت یا "**اولوا الامر**" کی پیروی بھی حکم خدا کی بنا پر ہے جیسا کہ ارشاد ہے: "**اطیعوا اللّٰہ واطیعوا الرسول واولی الامر منکم**"[1] اشخاص تو کیا خود رسول (ص) کی رائے، حکومت وقانون الٰہی میں کسی قسم کی مداخلت نہیں رکھتی. سب کے سب ارادہ الٰہی کے تابع ہیں.

حکومت اسلام سلطنتی بھی نہیں ہے چہ جائے کہ شہنشاہی وامپراطوری[2] ہو. کیونکہ اس قسم کی حکومتوں میں حکام لوگوں کے مال وجان پر مسلط ہوتے ہیں اور خود رائی کے ساتھ اس میں مداخلت وتصرف کرتے ہیں. اسلام اس قسم کے طرز حکومت سے منزہ ومبرا ہے. اسی لئے حکومت اسلامی میں سلطنت وشہنشاہی وامپراطوری کے برخلاف بڑے بڑے محلوں، شاندار عمارتوں، حشم وخدم مخصوص دفتر، دفتر ولیعہد، دیگر لوازم سلطنت کہ جن پر نصف یا اچھی خاصی حکومت کی آمدنی برباد ہوجاتی ہے کا کوئی وجود نہیں. رسول اکرم (ص) کی زندگی۔ جو اسلامی مملکت کے سربراہ تھے اور حکومت کرتے

۱۔ نساء آیت ۵۹.

۲۔ امپراطوری ان ملکوں کے لئے استعمال ہوتا ہے جو بہت وسیع ہوں اور پبلک بھی بہت زیادہ ہو مختلف نسلوں اور قوموں کے لوگ ایک حاکم (امپراطور) کے تحت وحدت یافتہ ہوں.

تھے ۔ آپ سب ہی جانتے ہیں کیسی تھی حضور (ص) کے بعد دور بنی امیہ سے پہلے تک بھی یہی سیرت وروش تھی. پہلے دو شخصوں نے اپنی ظاہری اور شخصی زندگی میں پیغمبر کی سیرت کو محفوظ رکھاتھا، چاہے دوسرے امور میں رسول (ص) کی مخالفت کرتے تھے. البتہ زیادہ انحراف عثمان کے دور میں ظاہر ہوا [1] یہ وہی انحرافات ہیں جنہوں نے آج ہم کو مصیبتوں میں گھیر رکھا ہے. حضرت علیؑ کے زمانہ میں طرز حکومت کی پھر اصلاح ہوئی. آپؑ کے زمانے میں حکومت کا رویہ اور اسلوب ایک صالح حکومت کاتھا. آپؑ اگرچہ ایک ایسی وسیع حکومت کے سربراہ تھے کہ ایران، مصر، حجاز اور یمن جس کے صوبے تھے پھر بھی ایک ایسی زندگی بسر کرتے تھے کہ ایک غریب دینی طالب علم بھی ویسی زندگی بسر نہیں کرسکتا. بنابر روایت آپ نے دو کُرتے خریدے جو اچھا تھا اس کو اپنے غلام قنبر اور دوسرا جس کی آستینیں لمبی تھیں اپنے لئے لیا، لمبی آستینوں کو پھاڑکر خود پہن لیا [2] حالانکہ آپ اس وقت ایک بہت بڑے ملک کے حاکم تھے جس کی آبادی بھی بہت تھی اور آمدنی بھی بے انتہا تھی. اگر یہی سیرت رہتی اور حکومت اسلامی طریقہ پر چلتی تو نہ لوگوں کے مال وجان پر تسلط ہوتا نہ سلطنت وشہنشاہی کا تصور ابھرتا نہ یہ ظلم وغارتگری ہوتی نہ بیت المال برباد ہوتا نہ فحشاء ومنکرات عام ہوتے بہت سے مفاسد کا سرچشمہ وہی ہیئت حاکمہ اور مستبد خاندان حاکم ہے یہی حکام ہیں جو خرابی کی جگہیں بناتے ہیں، شراب خوری اور فحشاء کے مراکز کھولتے ہیں مال اوقاف سے سینما کھولتے ہیں اگر حکومت کے یہ کثیر خرچ والے تشریفات اور ریخت وپاش نہ ہوتے تو حکومت کی آمدنی میں کمی نہ پڑتی اور امریکہ وانگریز کے سامنے سرنگوں نہ ہونا پڑتا اور نہ قرض لینا پڑتا نہ کسی سے مدد مانگنی پڑتی.

۱۔ شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید ج ۲ ص ۱۲۶ ۔ ۱۶۱، شرح خطبہ ۳۰، وص ۳۲۴ ۔ ۳۳۳، وج ۳، ص ۳ ۔ ۶۹، شرح خطبہ ۴۳، وج ۹ ص ۳ ۔ ۳۰، شرح خطبہ ۱۳۵. والغدیر ج ۸ ص ۹۷ ۔ ۳۲۳.

۲۔ بحار الانوار ج ۲۰ ص ۳۲۴

حکومت ان خرابیوں کی وجہ سے محتاج ہوئی ہے ورنہ ہمارا تیل کم نہیں ہے اور نہ ہمارے پاس معادن وذخائر کی کمی ہے. ہمارے پاس سب کچھ ہے، لیکن عوامی دولت میں سے اس مفت خوری اور ڈاکہ زنی نے حکومت کو بے حال کردیا ہے. اگر یہ باتیں نہ ہوتیں تو اس کی ضرورت نہیں تھی کہ یہاں سے امریکہ جایا جائے اور صدر امریکہ کی میز کے سامنے گردن جھکاکر مدد مانگی جائے.

اس کے علاوہ نظام اداری میں فالتو کام ہوتے ہیں اداروں میں اتنی فائلیں اور کاغذ بازی ہوتی ہے جو اسلام کے برخلاف ہے حکومت پر ایسے اخراجات ٹھونسے جاتے ہیں جن کی حرمت درجہ اول کی حرام چیزوں سے کم نہیں ہے. اداروں کا ایسا سسٹم اسلام سے دور ہے. یہ تکلفات زائد، لوگوں کے لئے خرچ بڑھانے، زحمت میں مبتلا کرنے اور انسان کو بے کار کرنے کے سوا کچھ نہیں ہے یہ قطعا اسلام میں نہیں ہے. مثلا احقاق حقوق کے لئے، دعووں کے حل وفصل کے لئے قانون جزا اور حدود کے اجراء کے لئے اسلام نے جو طریقہ رکھا ہے وہ بہت سادہ عملی اور آسان ہے جس زمانہ میں اسلامی فیصلے ہوا کرتے تھے قاضی ایک شہر میں دو تین اہل کاروں کے ساتھ ایک قلم ودوات کے ساتھ تمام جھگڑوں کا فیصلہ کردیتا تھا. (حدود کا) اجرا کردیتا تھا لیکن آج کی عدالتوں کا مسئلہ اور ان کے لوازمات خدا جانتا ہے کتنے زیادہ ہوتے ہیں. لطف یہ ہے کہ کوئی کام آگے نہیں بڑھتا یہی چیزیں مملکت کو محتاج بناتی ہیں اور زحمت وتعطل کے علاوہ اس میں کوئی فائدہ نہیں.

حاکم کے شرائط

حاکم کے لئے جو شرائط ضروری ہیں وہ حکومت اسلامی کے طرز طبیعت سے ابھرتی ہیں شرائط عامہ مثلا عقل وتدبیر کے بعد دو بنیادی شرطوں کی ضرورت ہے : ۱. قانون کا علم ۲. عدالت

جس طرح رسول اکرم (ص) کے بعد اس بات میں اختلاف ہوا کہ اس کا عہدہ دار کون ہو؟ اس طرح اختلاف کا اس میں ہوا کہ مسئول امر خلافت کو فاضل ہونا چاہیے. اس میں کسی طرح کا اختلاف نظر

مسلمانوں میں ظاہر نہیں ہوا صرف موضوعی اختلاف تھا کہ خلیفہ کون ہو؟

۱)۔ چونکہ اسلامی حکومت قانون کی حکومت ہے۔ اس لئے حاکم کو قوانین کا عالم ہونا ضروری ہے جیسا کہ روایت میں بھی آیا ہے اور علم نہ فقط حاکم کے لئے ضروری ہے بلکہ ہر فرد کے لئے ضروری ہے خواہ اس کا مشغلہ کچھ بھی ہو اور وظیفہ ومقام کچھ بھی ہو، اس کے لئے ایسا علم ضروری ہے۔ البتہ حاکم میں علمی افضلیت ہونی چاہیئے۔ ہمارے ائمہ نے بھی اپنی امامت کے لئے اسی طرح استدلال کیا تھا کہ امام کو دوسروں سے افضل ہونا چاہیئے [۱] علمائے شیعہ نے دوسروں پر جو اعتراض کیا ہے وہ بھی یہی ہے کہ فلاں چیز خلیفہ سے پوچھی گئی اور وہ جواب نہ دے سکے لہذا امامت وخلافت کے لائق نہیں ہے۔ فلاں کام برخلاف احکام اسلام انجام دیا پس لائق امامت نہیں ہے [۲]۔

قانون دانی اور عدالت مسلمانوں کے یہاں بھی شرط اور بنیادی رکن ہے دوسری چیزیں حاکم میں ضروری نہیں ہیں مثلاً ملائکہ کس طرح ہیں یا خدا کے اندر کون سی صفات پائی جاتے ہیں وغیرہ ان میں سے کوئی چیز موضوع امامت میں مدخلیت نہیں رکھتی جیسے اگر کوئی طبیعی علوم کو جانتا ہو اور تمام طبیعی توانائیوں کو کشف بھی کرلے یا موسیقی کو اچھی طرح جانتا ہو تو خلافت کی اہلیت اس میں پیدا نہیں ہوجاتی اور نہ اس کے ذریعہ قانون اسلام کے جاننے والوں اور عادل حضرات پر حکومت کے لئے اولویت پیدا کرسکتا ہے۔ خلافت کے لئے جو چیز ضروری ہے اور رسول اکرم (ص) اور ہمارے ائمہؑ کے زمانہ میں جس پر گفتگو اور بحث ہوچکی ہے اور مسلمانوں میں بھی مسلم ہے وہ صرف یہ ہے

۱۔ حضرت علیؑ نے فرمایا: ایہا الناس ان احق الناس بہذا الامر اقواھم علیہ واعلمہم بامر اللہ منہ ۔ لوگو! سب سے زیادہ خلافت کا مستحق وہ شخص ہے جو سب سے زیادہ احکام خدا کا جاننے والا ہو اورر سب سے زیادہ طاقتور ہو

نہج البلاغہ خطبہ ۱۷۲، احتجاج ج ۱ ص ۲۲۹، بحار الانوار ج ۲۵ ص ۱۱۶، کتاب الامامہ باب جامع فی صفات الامام۔

۲۔ کشف المراد فی شرح تجرید الاعتقاد علامہ حلی۔ مقصد پنجم مسئلہ ششم۔

کے حاکم وخلیفہ پہلے تو احکام اسلام کو جانتا ہو یعنی قانون دان ہو۔ دوسرے عدالت رکھتا ہو، کمال اعتقادی واخلاقی کا حامل ہو. عقلا یہی چیزیں ضروری ہیں کیونکہ اسلامی حکومت قانون کی حکومت ہے مطلق العنانیت نہیں ہے اور نہ چند افراد کی عوام پر حکومت ہے اگر حاکم قانونی مطالب کو نہیں جانتا تو حکومت کے قابل نہیں ہے کیونکہ اگر تقلید کرتا ہے تو قدرت حکومت ٹوٹ جاتی ہے اور اگر نہیں کرتا تو حاکم ومجری قانون اسلام نہیں ہوسکتا اور یہ مسلم ہے کہ: " **الفقهاء حكام على السلاطين** "[1] بادشاہ اگر اسلام کے پابند ہوں تو ان کو فقہاء کی پیروی کرنی چاہیئے اور قوانین واحکام کو فقہاء سے پوچھنا چاہیئے پھر اجرا کرنا چاہیئے اس صورت میں حقیقی حاکم یہی فقہاء ہوں گے. لہذا ضروری ہے کہ حاکمیت باقاعدہ فقہاء سے مربوط ہو ان سے نہیں کہ جو قانون سے نابلد ہونے کی وجہ سے مجبور ہیں کہ فقہاء کی پیروی کریں. ہاں یہ ضروری ہے کہ صاحبان منصب، سرحدوں کے نگہبان، اداروں کے ذمہ دار بھی اسلام کے تمام قوانین کو جانتے ہوں اور فقیہ ہوں بلکہ ان کے لئے اتنا کافی ہے کہ جو قوانین ان کے ادارہ سے متعلق ہوں ان کو جانتے ہوں جیسا کہ رسول خدا (ص) اور حضرت امیرؑ کے زمانہ میں تھا. ہاں جو مصدر امور ہے اس کو دونوں باتوں میں ممتاز ہونا چاہیئے. لیکن معاونین وصاحبان منصب اور وہ مامورین جو دیہاتوں میں بھیجے جاتے ہیں وہ صرف اپنے ان قوانین سے واقف ہوں جو ان کے منصب سے مربوط ہیں. دوسرے امور کے لئے مصدر سے سوال کریں.

۲)۔ حاکم کو کمال اعتقادی واخلاقی کا حامل ہونے کے ساتھ عادل ہونا چاہیئے. اس کا دامن گناہوں سے آلودہ نہ ہو. جو شخص حدود جاری کرنا چاہے یعنی اسلام کے جزائی احکام کا اجرا کرنا چاہے، بیت المال کا ذمہ دار ہونا چاہے. جو حکومت کی آمدنی وخرچ کا حساب کرے اور جس کو خدا نے اپنے بندوں

۱۔ حضرت امام صادقؑ نے فرمایا: الملوک حکام علی الناس والعلماء حکام علی الملوک (بادشاہ عوام پر حاکم ہیں اور علماء بادشاہوں پر حاکم ہیں) بحار ج ۱ ص ۱۸۳ کتاب العلم، باب ۱ حدیث ۹۲

کی مدیریت کا اختیار دیا ہے (یہ سب) معصیت کار نہ ہوں: " **ولاینال عہدی الظالمین** "[1] ہمارا عہدہ ظالمین کو نہیں پہونچے گا. خدا کسی ظالم کو ایسا اختیار نہیں دیتا. حاکم اگر عادل نہ ہوگا تو مسلمانوں کے حقوق کی ادائیگی میں، ٹیکس لینے اور اس کے صحیح خرچ کرنے میں اور جزائی قانون کے اجرا کرنے میں عدل نہیں برتے گا. یہ بھی ممکن ہے کہ اپنے دوستوں، مددگاروں، قریبی لوگوں کو معاشرہ پر مسلط کردے اور بیت المال کو اپنی ذاتی اغراض اور ہوس رانی کی نذر کردے.

اسی لئے شیعوں کا نظریہ، طرز حکومت کے سلسلہ میں اور کن لوگوں کو اس کا عہدہ دار ہونا چاہئے رحلت پیغمبر (ص) سے لیکر زمان غیبت تک بہت واضح ہے. ان کے عقیدہ کے مطابق امام کو عالم احکام وقوانین اور فاضل اور اجرائے احکام میں عادل ہوناچاہئے.

زمانہ غیبت میں حاکم کی شرائط

اب جبکہ زمانہ غیبت ہے اور طے ہے کہ اسلام کے احکام حکومتی باقی رہیں گے اور مستمر رہیں گے اور ہرج ومرج جائز نہیں ہے اس لئے تشکیل حکومت لازم ہے اور عقل کا بھی یہی فیصلہ ہے تاکہ اگر دشمن ہم پر حملہ کرے تو اس کی روک تھام کرسکیں. اگر دشمن مسلمانوں کی آبرو پر حملہ آور ہو تو ہم دفاع کرسکیں. شریعت نے بھی ہم کو حکم دے رکھا ہے کہ جو لوگ تم پر حملہ کریں ان سے دفاع کےلئے (ہر وقت) آمادہ رہو. خود لوگ جو ایک دوسرے پر ظلم وستم کرتے ہیں ان کو روکنے کےلئے حکومت اور ادارہ قضائی واجرائی کا ہونا ضروری ہے. چونکہ یہ امور خود بخود انجام نہیں پاسکتے اس کےلئے حکومت کی تشکیل ضروری ہے. لیکن حکومت کی تشکیل اور معاشرہ کا ادارہ کرنا، رقم ومالیات کا محتاج ہے اس لئے شارع مقدس نے بجٹ اور مختلف قسم کے ٹیکسوں کو معین کیا ہے مثلا خراج، خمس، زکات وغیرہ.

۱۔ سورہ بقرہ آیت ۱۲۴

اب چونکہ خدا کی طرف سے زمانہ غیبت میں امر حکومت کے احراز کےلئے کوئی شخص معین نہیں ہے اس لئے ہماری ذمہ داری کیا ہے؟ کیا اسلام کو چھوڑ دیں؟ اب اسلام کی کوئی ضرورت باقی نہیں رہی ہے؟ اسلام تو صرف دو سو سال کےلئے آیا تھا؟ یا اسلام نے ہمارے لئے کوئی ذمہ داری معین کردی ہے لیکن حکومت کی ذمہ داری ہم پر عائد نہیں کی؟ اور حکومت نہ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ تمام حدود، سرحدیں ہمارے ہاتھ سے نکل جائیں اور ہم ہاتھ پر ہاتھ رکھے بیٹھے رہیں اور دشمن جو چاہیں کرتے رہیں۔ ہم اگر ان کے کاموں کی تائید نہ کریں تو رد بھی نہ کریں کیا اسی طرح ہوناچاہیۓ؟ یا پھر حکومت لازم ہے اور اگر خدا نے زمان غیبت میں کسی شخص کو حکومت کےلئے معین نہیں کیا ہے لیکن وہ خاصیت (وضرورت) جو رسول اکرم (ص) کے زمانہ سے حضرت صاحب (عج) کے زمانہ تک موجود تھی وہی غیبت کے زمانہ میں بھی موجود ہے یعنی قانون کا علم اور عدالت! تو یہ بات ہمارے زمانہ کے بیشمار فقہاء میں موجود ہے اگر یہ حضرات اکٹھا ہوکر چاہیں تو عدل اجتماعی کی حکومت دنیا میں قائم کرسکتے ہیں۔

ولایت فقیہ

اگر کوئی لائق فرد جس میں یہ دونوں صفتیں ہوں اور وہ اٹھ کھڑا ہو اور حکومت تشکیل دے تو یہ وہی ولایت ہوگی جس کے حضرت رسول (ص)، نظام معاشرہ چلانے کے سلسلہ میں حامل تھے اور تمام لوگوں پر اس شخص کی اطاعت لازم ہوگی۔

یہ خیال کرنا کہ رسول اکرم (ص) کے حکومتی اختیارات حضرت امیرؑ سے زیادہ تھے یا حضرت امیرؑ کے حکومتی اختیارات فقیہ سے زیادہ ہوتے ہیں، باطل وغلط ہے۔ ہاں رسول اکرم (ص) کے فضائل پوری کائنات سے زیادہ ہیں۔ ان کے بعد حضرت علیؑ کے فضائل سب سے زیادہ ہیں، لیکن روحانی فضائل کی کا زیادہ ہونا حکومتی اختیارات میں اضافہ نہیں کرتا بلکہ وہی اختیارات اور ولایت جو

رسول خدا (ص) اور دیگر ائمہؑ رکھتے تھے (مثلا) والیوں کا معین کرنا، لشکر تیار کرنا، ضروریات مہیا کرنا، شہر کا حاکم معین کرنا، ٹیکس لینا، اور اسے مسلمانوں کے فائدے میں خرچ کرنا وغیرہ یہ تمام اختیارات خدا نے حکومت فعلی کے لئے بھی قرار دیے ہیں بس فرق اتنا ہے کہ اس میں کسی شخص کو معین نہیں کیا بلکہ حکم "عالم عادل" کے اوپر نافذ کیا گیا ہے۔

ولایت اعتباری

جب ہم یہ کہتے ہیں: جو ولایت رسول خدا (ص) اور ائمہؑ رکھتے تھے غیبت کے بعد وہی ولایت فقیہ عادل رکھتا ہے تو اس سے کسی کو یہ غلط فہمی نہ ہونی چاہئے کہ فقہاء کا مقام ومرتبہ وہی ہے جو رسول (ص) وائمہؑ کا تھا۔ کیونکہ یہاں مرتبہ ومنزلت کی گفتگو نہیں ہے بلکہ فریضہ وذمہ داری کی بات ہے " ولایت " یعنی حکومت اور ملکی انتظام، شریعت کے قوانین کا اجراء ایک اہم اور مشکل ذمہ داری ہے۔ نہ یہ کہ کسی کو غیر معمولی مقام ومرتبہ وشان حاصل ہوگئی اور وہ انسان عادی کی منزل سے بالاتر ہوگیا۔ دوسری عبارت میں یوں سمجھئے کہ جس ولایت سے بحث کی جا رہی ہے اس کے معنی حکومت واجراء اور ادارہ کے ہیں برخلاف اس تصور کے جو بہت سے ذہنوں میں ہے یہ سبب امتیاز نہیں ہے بلکہ اہم فریضہ ہے۔

ولایت فقیہ ان امور میں سے ہے جو اعتباری اور عقلائی ہیں [1] علاوہ جعل کے اس کی کوئی واقعیت نہیں۔ یہ ایسے ہی ہے جیسے چھوٹے بچوں پر ایک قیم معین کردیا جاتا ہے پس بچوں کے قیم معین کرنے اور ملت کے لئے قیم معین کرنے میں فریضہ اور موقعیت کے لحاظ سے کوئی فرق نہیں ہے۔ یہ ایسے ہی

۱۔ امور اعتباری امور تکوینی کے مقابل میں بولے جاتے ہیں یعنی وہ امور جو فرض وجعل وقرارداد سے ایجاد کئے جاتے ہیں اور ان کو واضع وجاعل کی طرف منسوب کیا جاتا ہے اب اگر واضع شارع ہے تو اس کو اعتبار شرعی کہتے ہیں اور اگر واضع لوگ ہیں کہ انہوں نے اپنی زندگی کے امور چلانے کے لئے وضع کیا ہے اور جعل کیا ہے تو اس کو " اعتبار عقلائی " کہا جاتا ہے۔

ہے کہ امام کسی کو حضانت [1] حکومت یا کسی منصب کے لئے معین کردیں. ایسے مواقع پر یہ بات معقول نہیں ہے کہ رسول اکرم (ص) وامامؑ کا فقیہ سے کوئی فرق ہو. مثلاً فقیہ اجرائے حدود کا ذمہ دار ہوتا ہے اب کیا اجرائے حدود میں رسول (ص) وامامؑ وفقیہ میں کوئی فرق یا امتیاز ہے؟ یا چونکہ فقیہ کا مرتبہ سب سے کم ہے لہذا وہ کم حد جاری کرے؟ زانی کی حد ۱۰۰ کوڑے ہیں، اگر رسول (ص) یہ حد جاری کریں تو ۱۵۰ کوڑے ماریں، امامؑ جاری کریں تو صرف ۱۰۰ کوڑے ماریں اور فقیہ حد جاری کرے تو صرف ۵۰ کوڑے مارے؟ یا یہ کہ قوت اجرائیہ کا حامل حاکم ہے اس کو حد جاری کرنا چاہئے خواہ وہ رسول (ص) ہوں یا امامؑ یا امام کا نمائندہ قاضی ہو خواہ بصرہ میں ہو یا کوفہ میں ہو یا فقیہ عصر ہو.

دوسرے رسول اکرم (ص) کے فرائض میں اسی طرح حضرت علیؑ کے فرائض میں خمس، زکات، جزیہ، ٹیکس، اراضی خراجیہ [2] کا خراج لینا ہے. آیا رسول خدا (ص) اگر زکات لیتے تو کتنی لیتے؟ ایک جگہ دسواں اور ایک جگہ بیسواں؟ حضرت علیؑ نے خلیفہ ہوکر کیا کیا؟ اگر آپ فقیہ عصر اور نافذ الکلمہ ہو جائیں تو کیا کریں گے؟ کیا ان مقامات پر حضرت رسول (ص) کی ولایت اور حضرت علیؑ اور فقیہ کی ولایت میں فرق ہے؟ خداوند عالم نے رسول (ص) کو تمام مسلمانوں کا ولی قرار دیا ہے اور جب تک حضرت (ص) موجود ہوں گے سب کے ولی ہوں گے یہاں تک کہ حضرت علیؑ کے بھی ولی ہوں گے. آپ (ص) کے بعد حضرت علیؑ تمام مسلمانوں کے ولی ہوں گے یہاں تک کہ اپنے بعد والے امام پر بھی ولایت رکھتے ہیں یعنی آپؑ کے حکومتی اوامر سب پر جاری ہیں اور قاضی ووالی کو

۱۔ حضانت، بچہ یا دیوانہ کی حفاظت ونگرانی کو کہتے ہیں. بچہ کی حضانت پہلے تو ماں باپ کے ذمہ ہے اور اگر یہ دونوں نہ ہوں یا ان میں صلاحیت نہ ہو تو امام اور حاکم اسلامی کسی اور کو اس کام کے لئے معین کرتا ہے.

۲۔ اراضی خراجیہ یا خراجی زمینیں ان آباد زمینوں کو کہا جاتا ہے جن کو مسلمانوں نے رسول خداؐ یا امامؑ کی اجازت سے فتح کیا ہو ایسی زمینوں کا تعلق تمام مسلمانوں سے ہوتا ہے لیکن ان زمینوں کی خرید وفروخت ممنوع ہے. حکومت اسلامی ایک مقدار آمدنی کے بدلے وہ زمین کسی کے حوالہ کردیتی ہے اور اسی آمدنی کا نام خراج ہوتا ہے.

منصوب ومعزول بھی کرسکتے ہیں اور یہی ولایت جو رسول (ص) وامامؑ کے لئے تشکیل حکومت واجرا وتصدی ادارہ میں ہے فقیہ کے لئے بھی ہے لیکن فقہاء اس معنی سے ولی مطلق نہیں ہیں کہ اپنے زمانہ کے تمام فقہاء پر ولایت رکھتے ہوں یا دوسرے فقیہ کو عزل یا نصب کرسکتے ہیں۔ اس میں مراتب ودرجات نہیں ہیں کہ ایک بلند مرتبہ ہو اور دوسرا پست مرتبہ ہو۔ ایک والی ہو دوسرا والی تر ہو۔

اس مطلب کے ثبوت کے بعد ضروری ہے کہ فقہاء اجتماعاً یا انفراداً اجرائے حدود اور سرحدوں کی حفاظت کے لئے حکومت شرعی تشکیل دیں۔ یہ چیز اگر کسی کے لئے ممکن ہو تو واجب عینی ہے ورنہ واجب کفائی ہے [1] اور اگر ممکن بھی نہ ہو جب بھی ولایت ساقط نہیں ہوتی کیونکہ یہ خدا کی طرف سے منصوب ہیں۔ اگر ان کے لئے ممکن ہو تو ٹیکس، زکات، خمس، خراج، وصول کریں اور مسلمانوں کے مفاد میں خرچ کریں۔ اجراء حدود کریں۔ ایسا نہیں ہے کہ اگر اس وقت عمومی اور پوری دنیا میں حکومت قائم نہیں کرسکتے تو کسی گوشہ میں بیٹھ جائیں، بلکہ تمام وہ امور جس کے مسلمان محتاج ہیں اس کے لئے اسلامی حکومت ذمہ دار ہے۔ جتنا ہم سے ممکن ہوسکے اتنا بہرحال انجام دیناچاہیے۔

ولایت تکوینی

امام کے لئے حکومت اور اثبات ولایت کا لازمہ یہ نہیں ہے کہ امامؑ مقام روحانی نہ رکھتے ہوں امامؑ کے لئے وظیفہ حکومت سے الگ مقامات روحانی بھی ہیں اور وہ مقام خلافت کلی الٰہی ہے کہ لسان ائمہؑ میں بھی اس کا ذکر کیا گیا ہے اور وہ خلافت تکوینی ہے کہ جس کی وجہ سے کائنات کا ہر ذرہ ولی امر کے سامنے خاضع ہے ہمارے مذہب کے ضروریات میں سے یہ بات ہے کہ دنیا کا کوئی بھی فرد ائمہؑ کے مقامات روحانی ومعنوی تک نہیں پہونچ سکتا یہاں تک کہ ملک مقرب ونبی مرسل بھی نہیں

۱۔ واجب عینی ایسا واجب ہے کہ بعض کے بجا لانے سے دوسرے سے ساقط نہیں ہوگا جیسے نماز، روزہ وغیرہ واجب کفائی ایسا واجب ہے کہ بعض کے بجا لانے سے دوسرے سے ساقط ہوجائے گا جیسے امر بمعروف ونہی از منکر وغیرہ

پہونچ سکتا۔ ہماری روایات کی بنا پر اصولا رسول (ص) اور ائمہ اس عالم سے پہلے انوار تھے جو ظل عرش الہی میں تھے۔ انعقاد نطفہ و "طینت" میں (بھی) تمام لوگوں سے امتیاز رکھتے تھے [1] ان کے مقامات الی ماشاء اللہ ہیں جیسا کہ معراج کی روایات میں ہے کہ جبرئیل نے عرض کیا: " **لودنوت انملة لاحترقت** " [2] (اگر میں ایک انگشت بھی اور قریب ہوجاتا تو جل جاتا) یا معصوم کا یہ قول: " **ان لنا مع اللّٰہ حالات لایسعه ملک مقرب ولانبی مرسل** " [3] (ہم خدا کے ساتھ ایسے حالات رکھتے ہیں جو نہ فرشتہ مقرب رکھتا ہے اور نہ نبی مرسل رکھ سکتا ہے) ہمارے مذہب کا یہ جزء ہے کہ ہمارے ائمہ ایسے مقامات کے حامل ہیں قبل اس کے کہ موضوع درمیاں میں ہو۔ جیسا کہ حسب روایات یہ مقامات معنوی حضرت زہرا کو بھی حاصل ہیں [4] حالانکہ معصومہ عالم نہ حاکم ہیں نہ قاضی نہ خلیفہ۔ یہ مقامات وظیفہ حکومت کے ماسوا ہیں۔ لہذا جب ہم کہتے ہیں کہ حضرت زہرا قاضی وخلیفہ نہ تھیں تو اس کا مطلب ہرگز یہ نہیں ہے کہ ہمارے اور آپ کی طرح تھیں یا ہم پر معنوی برتری نہیں رکھتی تھیں اسی طرح اگر کوئی قائل ہو: " **النبی اولیٰ بالمؤمنین من انفسهم** " [5] (رسول (ص) مؤمنوں سے بہ نسبت ان کے نفسوں کے زیادہ اولیٰ ہیں) تو اس کی یہ بات اس سے بلند ہے کہ حضور (ص) مقام ولایت وحکومت رکھتے تھے۔ ویسے میں اس وقت اس سلسلہ میں کوئی گفتگو نہیں کرنا چاہتا کیونکہ یہ دوسرے علم کا موضوع ہے۔

۱۔ بصائر الدرجات ج ۱ ص ۳ باب ۱۰۔ بحار ج ۲۵ ص ۱۔ ۱۰۳

۲۔ بحار ج ۱۸ ص ۳۸۲ باب اثبات المعراج ومعناه وکیفیته۔

۳۔ اربعین علامہ مجلسی ص ۱۷۷۔ شرح حدیث ۱۵ کلمات مکنونہ ص ۱۰۱۔ تھوڑے سے تغیر کے ساتھ۔ بصائر الدرجات ص ۲۳ باب ۱۱۔

۴۔ علل الشرائع ج ۱ ص ۱۲۳ باب ۱۴۳ حدیث ۱۱۔ معانی الاخبار ص ۶۴ و ۱۰۷۔ بحارالانوار ج ۴۳ ص ۱۲ اور اس کے بعد

۵۔ سورہ احزاب آیت ۶

بلند مقاصد کی تکمیل کے لئے حکومت ذریعہ ہے

حکومت کا عہدہ دار ہونا بذات خود کوئی شان ومنزلت نہیں ہے بلکہ حکومت صرف انجام فریضہ، اجرائے احکام، اسلام کے نظام عادلانہ کی برقراری کاذریعہ ہے۔ حضرت علیؑ نے حکومت کے سلسلہ میں ابن عباسؓ [1] سے کہا: میری اس جوتی کی کیا قیمت ہوگی؟ ابن عباس نے کہا: کچھ بھی نہیں! حضرت نے فرمایا: اگر میں تمہاری اس حکومت وفرمانروائی کے ذریعہ حق ۔ یعنی قانون ونظام اسلام ۔ کو قائم کرسکوں اور باطل ۔ یعنی قانون اور نظام ناروا وظالمانہ ۔ کو ختم کرسکوں [2] (تب تو خیر) ورنہ تمہاری اس حکومت کی قیمت میری نظر میں اس جوتی سے بھی کم ہے۔ پس محض حکومت وفرمانروائی صرف وسیلہ وذریعہ ہے۔ مردان خدا کےلئے اگر اس وسیلہ سے کار خیر اور بزرگ مقاصد انجام نہ پائیں تو پھراس حکومت کی کوئی قدر وقیمت نہیں ہے۔ اسی لئے نہج البلاغہ میں ارشاد فرمایا: "اگر میرے اوپر حجت تمام نہ ہوگئی ہوتی تو میں اس کو ۔۔ حکومت وفرمانروائی کو ۔۔ چھوڑ دیتا۔ ظاہر سی بات ہے کہ حکومت کا حصول ایک وسیلہ ہے نہ کہ کوئی مقام معنوی ہے۔ اس لئے کہ اگر یہ مقام معنوی ہوتا تو کوئی نہ غصب کرسکتاتھا نہ حضرت علیؑ چھوڑ سکتےتھے۔ اب اگر حکومت اجرائے احکام الٰہی اور اسلام کے نظام عادلانہ کے برقراری کا ذریعہ بنے تو اس کی قدر وقیمت ہے اور حاکم ارجمند اور زیادہ معنویت کا حامل ہے۔ بعض حضرات جن کی نظروں میں دنیا سمائی ہوتی ہے وہ خیال کرتے ہیں کہ ریاست وحکومت فی نفسہ ائمہؑ کےلئے ایک شان اور مقام ومنزلت ہے۔ اگر دوسروں کے ہاتھ میں چلی گئی تو سب ستیاناس ہوجائے گا۔ حالانکہ روس کاوزیراعظم یا برطانوی وزیر اعظم، امریکہ کا صدر یہ سب حکومت

۱۔ عبد اللہ بن عباس بن عبد المطلب (۳ سال قبل از ہجرت پیدا ہوئے اور ۶۸ ھ میں وفات پائی) رسول خداؐ اور حضرت علیؑ کے چچا زاد بھائی تھے حضرت علیؑ سے تفسیر پڑھی تھی رئیس المفسرین اور حبر الامۃ لقب تھا۔ جمل، صفین، نہروان میں حضرت کے ساتھ تھے، سرداران میں سے تھے

۲۔ نہج البلاغہ خطبہ ۳۳

رکھتے ہیں اور کافر ہیں اور حکومت وسیاسی نفوذ رکھتے ہیں اور اس حکومت ونفوذ وسیاسی اقتدار کو اجرائے قوانین اور انسان دشمن سیاست کے ذریعہ اپنی کامیابی کا وسیلہ قرار دیتے ہیں۔

لیکن ائمہؑ اور فقہاء عادل کی ذمہ داری یہ ہے کہ حکومتی نظام کو احکام الٰہی کے اجرا اور اسلام کے عادلانہ نظام کی برقراری اور لوگوں کے فائدہ کے لئے استعمال کریں۔ ان کے لئے محض حکومت کرنا سوائے رنج وزحمت کے اور کچھ نہیں ہے آخر یہ کریں بھی کیا؟ ان کی ذمہ داری انجام وظیفہ ہے۔ ولایت فقیہ کا موضوع بھی ماموریت اور انجام وظیفہ ہے۔

حکومت کے مقاصد عالیہ

حضرت علیؑ نے اس بات کی تصریح فرمائی ہے کہ آپ نے کیوں حکومت اور فرمان دہی اور عہدہ دار حکومت ہونے اور حاکم ہونے کو قبول فرمایا، فرماتے ہیں: مقاصد عالیہ کے لئے حق کو ثابت کرنے کے لئے اور باطل کو ختم کرنے کے لئے، امامؑ کا فرمان اس طرح ہے: خدا یا تو جانتا ہے کہ منصب وحکومت حاصل کرنے کے لئے میں نے قیام نہیں کیا بلکہ میرا مقصد ظالموں کے پنجہ سے مظلوموں کو رہائی دلانا ہے جس چیز نے مجھے اس بات پر آمادہ کیا کہ لوگوں پر حکومت کرنے کو قبول کرلوں وہ یہ تھی کہ "خدا نے علماء سے عہد لیا تھا اور ان کا وظیفہ قرار دیا تھا کہ ظالموں کی پرخوری اور بہرہ مندی اور مظلوموں کی بھوک وستم دیدگی پر سکوت نہ کریں "[1] یا (دوسری جگہ) فرمایا ہے: "خداوندا تو خوب جانتا ہے کہ میں نے جو کچھ بھی کیا ہے نہ تو سیاسی قدرت حاصل کرنے کے لئے ہے اور نہ ہی ناچیز دنیا کے اموال کے حصول کے لئے ہے"

اس کے بعد بلا فاصلہ آپ اور آپ کے رفقاء کس لئے کوشش کرتے تھے؟ اس کا اظہار کرتے ہوئے فرماتے ہیں: "ہمارا مقصد صرف یہ تھا کہ تیرے دین کے روشن اصولوں کو پھر واپس لائیں۔

۱۔ نہج البلاغہ خطبہ ۳ (شقشقیہ)

تیرے ملکوں میں اصلاح کریں تاکہ تیرے مظلوم بندے امن وسکون سے رہ سکیں اور تیری معطل حدود کا اجرا کیا جاسکے۔

ان مقاصد کے ثبوت کے لئے لازمی صفات

جو حاکم حکومت کے ذریعہ جن مقاصد کاذکر امامؑ نے فرمایا ہے اسلام کے انہی عالی مقاصد کو اپنے اقتدار کے وسیلہ سے پورا کرنا چاہتا ہے اس کے لئے ضروری ہے کہ انہیں صفات کاحامل ہو جن کی طرف پہلے اشارہ کیا جاچکا ہے یعنی قوانین کا عالم ہو اور عادل ہو. اسی لئے امیر المؤمنینؑ نے اپنے فرامین کے بعد حکومت کے مقاصد کی تعیین کرتے ہوئے حاکم کے لازمی صفات کی طرف اشارہ فرمایا ہے: " پالنے والے میں پہلا وہ شخص ہوں جو تیری بارگاہ میں توبہ کرتا ہوں ۔۔ تیرے اس دین کو جو تیرے رسول (ص) کی زبان پر جاری ہوا ۔۔ سنا اور قبول کیا. رسول (ص) کے علاوہ کسی نے بھی نماز پڑھنے میں مجھ پر سبقت نہیں کی آپ لوگ اچھی طرح جانتے ہیں کہ جو شخص لوگوں کی عزت وآبرو، خون ومال پر ولایت رکھتا ہو اور احکام وقوانین جس کے ہاتھ میں ہوں اور جسے مسلمانوں کی رہبری حاصل ہو اور وہ ان پر حکومت وولایت حاصل کرلے اس کو بخیل نہیں ہوناچاہئے، تاکہ وہ مسلمانوں کے اموال میں حرص نہ کرے اور نہ اس کو جاہل ہوناچاہئے، مبادا وہ اپنی جہالت سے لوگوں کو گمراہ کردے اور سخت نہ ہوناچاہئے، مبادا لوگ اس کی سختی کی وجہ سے اس سے قطع تعلق کرلیں اور نہ اس کو حکومتوں سے ڈرنا چاہئے ورنہ ایک سے دوستی اور دوسری سے دشمنی کرلے گا اور قضاوت میں رشوت لینے والا نہ ہو ورنہ لوگوں کے حقوق پامال کردے گا اور حق کو حقدار تک نہ پہونچنے دے گا اسی طرح سنت کو معطل کرنے والا بھی نہ ہو ورنہ امت کو ہلاک وبرباد کردے گا [1]

۱۔ نہج البلاغہ خطبہ ۱۳۱

خوب توجہ فرمایئے کہ اس روایت کے مطالب دو موضوعات کے گرد گھوم رہے ہیں:۔ ایک علم دوسرے عدالت اور ان دونوں کو والی کے لئے ضروری خصلت قرار دیا گیا ہے۔ عبارت میں "ولا الجاهل فیضلهم بجهله" علم سے متعلق ہے۔ باقی عبارت عدالت سے متعلق ہے یعنی عدالت واقعی سے۔ عدالت واقعی کا مطلب یہ ہے کہ حکومتوں سے روابط، لوگوں سے معاشرت، لوگوں سے معاملات، داد رسی، قضا، آمدنی کی تقسیم وغیرہ میں حضرت علیؑ کی طرح عمل کرے۔ مالک اشترؓ [1] کے لئے جو طریقہ معین فرمایا ہے اور یہ در حقیقت تمام والیان وحکام کے لئے معین فرمایا ہے [2] چونکہ عمومی ہے لہذا فقہاء بھی اگر والی ہوجائیں تو اس کو اپنا دستور العمل بنائیں اور اس پر عمل کریں۔

ا۔ مالک بن حارث نخعی معروف بہ اشتر (۳۷ ھ ق) سپاہ اسلام کے افسروں میں سے تھے آپ کی شجاعت زبان زد تھی۔ جمل وصفین میں حضرت علیؑ کے شانہ بہ شانہ لڑے حضرتؑ نے مصر کی گورنری ان کو دی لیکن راستہ میں معاویہ نے زہر دلوا دیا اور شہید ہوگئے فرمان امام خطاب بہ مالک ہے جو عہد نامہ مالک اشتر کے نام سے موسوم ہے نہج البلاغہ میں نامہ ۵۳ ہے یہ بہت مشہور ہے۔

۲۔ نہج البلاغہ (نامہ) ۵۳

چوتھا حصّہ :

روایات سے ولایت فقیہ کا اثبات

فقہائے عادل رسولخدا (ص) کے جانشین ہیں

جن روایات کی دلالت میں کوئی اشکال نہیں ہے ان میں سے ایک روایت یہ ہے:

" قال امیرالمؤمنین (ع): قال رسول اللہ (ص): اللہم الرحم خلفائی (ثلاث مرات) قیل: یارسول اللہ (ص) ومن خلفائک؟ قال: الذین یاتون من بعدی، یروون حدیثی وسنتی فیعلمونہا الناس من بعدی " [1].

حضرت علیؑ نے فرمایا: رسولخدا (ص) نے (تین مرتبہ) ارشاد فرمایا: خداوندا! میرے خلفاء پر رحم فرما، پوچھا گیا: یارسول اللہ (ص) آپ کے خلفاء کون ہیں؟ فرمایا: وہ لوگ ہیں جو میرے بعد آئیں گے میری سنت اور میری حدیث کی روایت کریں گے پھر میرے بعد لوگوں کو اس کی تعلیم دیں گے.

۱۔ صاحب وسائل نے اس حدیث کو کتاب قضا " ابواب صفات قاضی" باب ۸ حدیث ۵۰ اور باب ۱۱ حدیث ۷ کو بطور مرسل نقل کیا ہے اور معانی الاخبار ومجالس میں دوسند کے ساتھ " جس میں بعض رجال باہم مشترک ہیں" نقل کیا ہے اور عیون میں تین ایسی سندوں کے ساتھ نقل کیا ہے جس کے تینوں رجال ایک دوسرے سے الگ اور تین الگ جگہوں کے رہنے والے تھے (مرو، نیشابور، بلخ) مؤلف

شیخ صدوقؒ نے [1] اس روایت کو معانی الاخبار [2] عیون اخبار الرضا [3] اور مجالس [4] میں پانچ طریقوں سے ۔ جو تقریبا چار طریقے ہوتے ہیں کیونکہ وہ طریقے بعض جہات سے مشترک ہیں ۔ نقل کیا ہے۔

جن مقامات پر یہ روایت "مسند" [5] ذکر ہوئی ہے ان میں سے ایک مقام پر " فیعلمونہا " ہے اور دیگر مقامات پر " فیعلمونہا الناس " آیا ہے [6] اور جہاں پر یہ روایت " مرسل " [7] آئی ہے وہاں پر صرف روایت ہے مگر جملہ " فیعلمونہا الناس من بعدی "نہیں ہے [8]

۱۔ محمد بن علی بن حسین بن موسی بن بابویہ قمی جن کی کنیت ابو جعفر تھی اور صدوق کے لقب سے مشہور تھے اور ابن بابویہ بھی یہی تھے (۳۸۱ھ ق) بزرگان علمائے امامیہ میں سے تھے مشایخ حدیث وفقہائے شیعہ میں سے تھے غیبت صغریٰ میں امام زمانہ (عج) کی دعا سے آپ پیدا ہوئے تھے آپ نے اپنے والد علی بن بابویہ اور محمد بن حسن بن ولید اور جعفر بن محمد قولویہ سے روایت کی ہے کہ شیخ مفید، ابن شاذان، غضائری، ابو جعفر دوریستی نے ان سے روایت کی ہے آپ کی تالیفات تقریبا ۳۰۰ ہیں مشہورترین یہ ہیں: من لایحضرہ الفقیہ، الخصال، التوحید، عیون اخبار الرضا، امالی، معانی الاخبار، علل الشرائع، کمال الدین۔

۲۔ معانی الاخبار صدوقؒ نے اس میں ان حدیثوں کو جمع کیا ہے جو کلمات واخبار معصومینؑ کی تفسیر میں وارد ہوئی ہیں۔

۳۔ ج ۲ ص ۳۷ باب ۳۱ حدیث ۹۴ عیون اخبار الرضا میں روایات اور امام رضاؑ کے حالات ہیں اس میں ۱۳۹ باب ہیں۔

۴۔ ص ۱۵۲ مجلس ۳۴ حدیث ۴ کتاب امالی معروف بہ مجالس یا عرض المجالس از تالیفات شیخ صدوقؒ اس کتاب میں ۵۷ مجالس ترتیب دی گئی ہیں۔

۵۔ مسند وہ روایت ہے جس کے تمام راوی معصومؑ تک سلسلہ سند میں مذکور ہوں۔

۶۔ مجالس میں ص ۱۵۲ پر مسند " یعلمونہا " ہے اور عیون اخبار الرضا میں مسند " یعلمونہا الناس " کے ساتھ آیا ہے۔

۷۔ مرسل وہ روایت ہے جس کے تمام یا بعض راوی سلسلہ سند میں ذکر نہ کئے گئے ہوں۔

۸۔ من لایحضرہ الفقیہ، ج ۴ ص ۳۰۲ باب النوادر حدیث ۹۵

ہم اس روایت کے سلسلہ میں دو فرض کی بنا پر گفتگو کرتے ہیں

فرض کیجئے روایت ایک ہی ہے. مگر جملہ "فیعلمونہا..." حدیث کے ذیل میں زیادہ ہوا ہے یا پھر جملہ مذکورہ تھا مگر ساقط ہوگیا ویسے سقوط جملہ (کا احتمال) واقع سے زیادہ قریب ہے، کیونکہ اگر اضافہ مانا جائے تو پھر یہ نہیں کہا جاسکتا کہ (راوی نے) غلطی سے یا بھولے سے اضافہ کردیا ہے جیسا کہ میں نے عرض کیا روایت کئی طریقوں سے وارد ہوئی ہے اور حدیث کے راوی بھی ایک دوسرے سے کافی فاصلہ پر رہا کرتے تھے. ایک بلخ کا رہنے والا تھا دوسرا نیشابور کا اور تیسرا کسی اور جگہ کا. اس لیے یہ نہیں ہوسکتا کہ یہ جملہ عمداً اضافہ کیا گیا ہو اور یہ بات بھی بہت بعید معلوم ہوتی ہے کہ چند ایسے لوگوں کے ذہن میں جو ایک دوسرے سے بہت دور رہتے ہوں اس جملہ کے اضافہ کے بارے میں خیال پیدا ہوا ہو. اس لئے اگر روایت ایک ہی ہے تو مجھے یقین ہے کہ جملہ " فیعلمونہا "کو جس سند کے ساتھ جناب صدوقؒ نے ذکر کیا ہے اس میں سے ساقط ہوگیا ہے اور نقل کرنے والوں کے قلم سے رہ گیا ہے یا پھر صدوقؒ ہی نے جملہ کو نقل نہیں کیا.

دوسرا فرض یہ ہے کہ دو حدیث ہوں ایک حدیث میں جملہ "فیعلمونہا..." نہ ہو اور دوسری میں ہو. اگر ہم یہ فرض کرلیں کہ یہ جملہ حدیث میں ہے تو جو لوگ صرف نقل حدیث کرتے ہیں اور اپنا فتویٰ نہیں دیتے وہ قطعا اس حدیث میں شامل نہیں ہیں اور نہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ: جو لوگ اصلا حدیث کو نہیں سمجھتے خواہ وہ محدثین میں سے ہوں اور " رب حامل فقه لیس بفقیه "[1] کے مصداق

۱۔ رسول خداؐ نے مسجد خیف میں ایک خطبہ میں فرمایا: فرب حامل فقه لیس بفقیه ورب حامل فقه الی من هو افقه منه (بہت سے فقہ کے حامل ایسے ہیں جو خود اس سے آگاہ نہیں ہیں اور بہت سے فقہ کے اٹھانے والے اس کو ایسے شخص تک پہونچاتے ہیں جو ان سے زیادہ فقہ کا جاننے والا ہوتا ہے). اصول کافی، ج ۲ ص ۲۵۸ کتاب الحجۃ، باب ما امر النبیؐ بالنصیحۃ لائمۃ المسلمین، حدیث ۱

ہیں اور ٹیپ ریکارڈر کی طرح اخبار وروایات کو لیتے ہیں اور لکھتے ہیں اور لوگوں تک پہونچاتے ہیں وہ خلیفہ ہیں اور علوم اسلامی کی تعلیم دیتے ہیں البتہ ان کی زحمتیں اسلام اور مسلمانوں کے لئے بہت قیمتی ہیں بلکہ ان میں بہت سے فقیہ اور صاحب رائے بھی تھے جیسے کلینیؒ [1] وشیخ صدوقؒ کے والد [2] یہ حضرات فقیہ بھی تھے اور احکام وعلوم اسلام لوگوں کو تعلیم بھی دیتے تھے. ہم جو کہتے ہیں کہ شیخ صدوقؒ اور شیخ مفیدؒ [3] میں فرق تھا اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ شیخ صدوقؒ میں فقاہت نہیں تھی یا ان کی فقاہت شیخ مفیدؒ سے کم تھی. شیخ صدوقؒ وہی ہیں جنہوں نے ایک نشست میں مذہب کے تمام اصول وفروع کی شرح کردی تھی [4] بلکہ ہمارا مطلب یہ ہے کہ شیخ مفیدؒ اور ان جیسے حضرات ان مجتہدوں میں سے ہیں جو روایات واخبار میں اپنے نظریات کو استعمال کرتے ہیں اور صدوقؒ ان فقہاء میں ہیں جو اپنے نظریات کو استعمال ہی نہیں کرتے یا بہت کم استعمال کرتے ہیں.

حدیث صرف ان (فقہاء) کو شامل ہے جو علوم اسلامی کو وسعت دیتے ہیں، احکام اسلام کو بیان کرتے ہیں، لوگوں کو اسلام کی تربیت دیتے ہیں ان کو تیار کرتے ہیں تاکہ وہ دوسروں کو تعلیم دیں (یہ فقہاء یہ

۱۔ محمد بن یعقوب بن اسحاق کلینی رازی (۳۲۸ یا ۳۲۹ ھ ق) معروف بہ ثقۃ الاسلام، شیعوں کے بزرگ ترین محدث اور اہل حدیث کے شیخ المشائخ شیعوں کی "کتب اربعہ" کے پہلے مؤلف ہیں تقریبا ۲۵ سال کی محنت کے بعد کتاب کافی کو تین حصوں میں اصول، فروع، روضہ میں جمع فرمایا.

۲۔ علی بن حسین بن موسی بن بابویہ (۳۲۹ ھ ق) فقیہ اور مذہب شیعہ کے گراں قدر محدث. بہت سی کتابوں کے مؤلف ہیں مثلا التوحید، الامامۃ، التبصرۃ من الحیرۃ، الصلوۃ، الاخوان والشرائع وغیرہ مشہور کتابیں ہیں.

۳۔ ابو عبداللہ محمد بن محمد بن نعمان (۳۳۶ یا ۳۳۸ - ۴۱۳ ھ ق) آپ کا لقب شیخ مفید وابن معلم تھا. شیعوں کے نامور فقہاء ومتکلمین ومحدثین میں شمار تھا. بغداد کی علمی قیادت آپ کے ہاتھ میں تھی. سید مرتضی علم الھدی، سید رضی، شیخ طوسی، نجاشی، وغیرہ آپ کے شاگردوں میں سے تھے تقریبا چھوٹی بڑی دو سو کتابیں آپ کی تصنیف ہیں. ان میں مشہورترین یہ ہیں. ارشاد، اختصاص، اوائل المقالات، امالی، مقنعۃ.

۴۔ الامالی او المجالس (مجلس) ۹۳ ص ۵۰۹ - ۵۲۰ . بحار الانوار ج ۱۰ ص ۳۹۳ - ۴۰۵ کتاب الاحتجاج، باب ۲۵.

کام اسی طرح کرتے ہیں) جس طرح رسول اکرم (ص) اور ائمہ معصومینؑ احکام اسلام کو نشر وبسط کرتے تھے اور حوزہ درس رکھتے تھے ان کے مدرسہ میں کئی ہزار لوگ علمی استفادہ کرتے تھے یہ اپنا وظیفہ سمجھتے تھے کہ لوگوں کو تعلیم دیں۔ " یعلمونہا الناس " کا یہی مطلب ہے کہ علوم اسلام کو لوگوں کے درمیان نشر وبسط دیں، احکام اسلام لوگوں تک پہونچائیں۔ اگر ہم اس بات کے قائل ہیں کہ اسلام ساری دنیا کے لئے ہے تو یہ چیز واضحات میں سے ہے کہ مسلمانوں کا خصوصا علمائے اسلام کا فریضہ ہے کہ اسلام واحکام اسلام میں وسعت پیدا کریں اور ساری دنیا کو پہنچوائیں۔

اور اگر ہم قائل ہوں کہ جملہ " یعلمونہا الناس " حدیث کے ذیل میں نہیں تھا تو پھر دیکھنا ہوگا کہ رسول خدا (ص) کے اس قول: " اللهم ارحم خلفائی ۔۔ الذین یاتون من بعدی یروون حدیثی وسنتی " کا کیا مطلب ہے؟ اس صورت میں بھی روایت ان راویوں کو ہرگز شامل نہیں ہے جو فقیہ نہیں ہیں۔ کیونکہ سنن الہی ۔۔ جو تمام احکام سے عبارت ہیں ۔۔ چونکہ پیغمبر اسلام پر وارد ہوئے ہیں اس لئے ان کو سنن رسول اللہ (ص) بھی کہا جاتا ہے۔ پس جو شخص سنن رسول خدا (ص) کو عام کرے اس کے لئے تمام احکام الہی کا جاننا ضروری ہے۔ وہ صحیح وغیر صحیح کی تشخیص کرسکتا ہو۔ اطلاق [1] وتقیید، عام [2] وخاص اور جمع عقلائی [3] کو جانتا ہو جو روایات تقیہ کے عنوان سے آئی ہوں ان کو

۱۔ مطلق، علم اصول کی اصطلاح میں وہ لفظ ہے جو اپنے معنی کے ہر فرد پر منطبق ہوسکے جیسے: مرد ہر مذکر انسان پر قابل انطباق ہے اور مقید اس لفظ کو کہتے ہیں جو مطلق نہ ہو جیسے: مرد دانشمند

۲۔ علم اصول کی اصطلاح میں عام اس لفظ کو کہتے ہیں جو اپنے معنی کے تمام افراد کو شامل ہو اور عام کا استفادہ ہر اس لفظ سے کیاجاتا ہے جو عموم کے لئے وضع ہو یا کلام میں خاص مقام سے یہ مطلب حاصل ہو جیسے: ہردانشمند کا احترام کرو اور خاص وہ لفظ ہے جو اپنے معنی کے بعض افراد پر دلالت کرے جیسے اس کے ساتھ ایسا لفظ ہو جو تخصیص پر دلالت کرے جیسے: عادل علماء کا احترام کرو۔

۳۔ جمع عقلائی، عقلمند اور اہل زبان حضرات کے طریقہ کو کہتے ہیں کہ جب دو کلام بظاہر متنافی ہوں تو ایسا طریقہ اختیار کریں جس سے کوئی کلام ساقط نہ ہو اور متکلم کی مراد معلوم ہوجائے مثلا ہرزناکار، مرد ہو یاعورت اس کو سو کوڑے مارو، اور شوہر = =

دوسرے سے تمیز دے سکتا ہو اور اس کے لئے جو میزان معین کیا گیا ہے اس کو بھی جانتا ہو. جو محدثین مرتبہ اجتہاد کو نہیں پہونچے ہیں اور فقط نقل حدیث کرتے ہیں ان امور کو نہیں جانتے اور رسول خدا (ص) کی واقعی سنت کی تمیز نہیں دے سکتے اور یہ رسول خدا (ص) کی نظر میں بے قیمت ہے اس لئے کہ مسلم ہے کہ آنحضرت (ص) یہ نہیں چاہتے تھے کہ صرف قال رسول اللہ (ص) یا عن رسول اللہ (ص) لوگوں میں رواج پائے خواہ وہ جھوٹ ہو اور آنحضرت (ص) نے نہ بھی فرمایا ہو، بلکہ آنحضرت (ص) کا مطلب تھا کہ سنت حقیقی وواقعی عام ہو اور اسلام کے حقیقی احکام لوگوں میں پھیلیں. (مثلا) " **من حفظ علی امتی اربعین حدیثا حشرہ اللہ فقیہا** "[1] اور دیگر روایات جو نشر احادیث کی تمجید میں وارد ہوئی ہیں[2] وہ بھی ان محدثین سے مربوط نہیں ہیں جو بالکل نہیں سمجھتے کہ حدیث یعنی چہ! یہ روایات ان اشخاص سے متعلق ہیں جو حدیث رسول اکرم (ص) کو اسلام کے حکم واقعی کے مطابق پہچان سکیں اور یہ چیز صرف مجتہد وفقیہ ہی کے لئے ممکن ہے جو تمام جوانب وقضایائے احکام کو تولے اور ان قوانین کے مطابق جو اس کے پاس ہیں اور اس میزان کے مطابق جو اسلام اور ائمہؑ نے معین کی ہے اسلام کے واقعی احکام کو حاصل کریں. یہ لوگ رسول خدا (ص) کے خلیفہ ہیں جو احکام اسلام کو نشر کرتے ہیں اور علوم اسلامی، لوگوں کو تعلیم کرتے ہیں اور پیغمبر اکرم (ص) نے ان کے حق میں دعا کی ہے " **اللہم ارحم خلفائی** ..."

= والی زانی عورت یا بیوی والے زانی مرد کو سنگسار کردو، یہ دونوں کلام بظاہر متنافی ہیں لیکن عقلا پہلے کو عام اور دوسرے کو خاص کہیں گے اور عام کا حکم خاص میں سرایت نہیں کرے گا یعنی خاص کو عام کے دائرہ شمول سے خارج کرکے دونوں پر عمل کریں گے

۱۔ اس مضمون کی روایات لفظوں کے اختلاف کے ساتھ شیعہ سنی کتابوں میں آئی ہیں. مثلا، خصال ج ۲ باب الاربعین، حدیث ۱۵۔ ۱۹. اختصاص ص ۲. بحار الانوار ج ۲ ص ۱۵۳۔ ۱۵۶.

۲۔ اصول کافی ج ۱ کتاب فضل العلم. باب روایت الکتب والحدیث، بحار الانوار ج ۲ باب ۱۶، ۲۰ و ۲۱.

اس لئے اس میں کوئی شک نہیں کہ روایت " اللہم ارحم خلفائی " ان راویان حدیث کو ہرگز شامل نہیں جو حکم کاتب میں ہیں. ایک کاتب لکھنے والا خلیفہ رسول (ص) نہیں ہوسکتا. خلفاء سے مراد فقہائے اسلام ہیں نشر وبسط احکام اور لوگوں کی تعلیم وتربیت فقہائے عادل سے متعلق ہے کیونکہ اگر عادل نہ ہوں گے تو ان قضات کی طرح ہوں گے جو اسلام کے خلاف روایات گھڑتے تھے جیسے سمرۃ بن جندب [1] جو حضرت علیؑ کے خلاف روایات کرتا تھا. اگر وہ لوگ فقیہ نہ ہوئے تو یہی نہ سمجھ پائیں گے کہ فقہ کیا ہے اور حکم اسلام کیا ہے؟ اور (یہ بھی) ممکن ہے کہ وہ ایسی روایت عام کردیں جو ظالموں کے عملہ، درباری ملاؤں، بادشاہوں کی تعریف میں وضع کی گئی ہو. جیسا کہ آپ دیکھ رہے ہیں دو ضعیف روایتوں کی خاطر کیا شور وغوغا مچا رکھا ہے اور کیسا جال بن رکھا ہے [2] اور ان کو قرآن

۱۔ ابوعبدالرحمان سمرۃ بن جندب بن ملال بن جریج نے (۵۸ ھ ق) رسول خداؐ سے بہت روایت کی ہیں. زیاد کے مرنے کے بعد کچھ دنوں تک بصرہ میں اس کا جانشین تھا یہاں تک کہ معاویہ نے اس کو معزول کردیا. طبری لکھتا ہے کہ سمرۃ جب بصرہ کا والی تھا تو اس نے آٹھ ہزار اشخاص کے قتل کا حکم دیا تھا. جب کوفہ آیا تو زیاد نے اس سے پوچھا: کیا تم کو یہ خوف نہیں ہے کہ کسی بے گناہ کو قتل کردیا ہو؟ اس نے کہا اگر اس سے زیادہ کو بھی قتل کیا ہوتا تو نہ ڈرتا. ابن ابی الحدید نے شرح نہج البلاغہ (ج ۴ ص ۷۳) میں لکھا ہے کہ معاویہ نے اس کو ایک لاکھ درہم پیش کئے کہ وہ روایت کردے کہ، "ومن الناس من یعجبک قولہ فی الحیاۃ الدنیا" (بقرہ / ۲۰۴) حضرت علیؑ کی شان میں نازل ہوئی ہے اور آیہ "ومن الناس من یشری نفسہ ابتغاء مرضات اللہ" (بقرہ / ۲۰۷) ابن ملجم کی شان میں آئی ہے لیکن سمرۃ نے کہا چار لاکھ دیجئے تب میں ایسی روایت وضع کروں گا پھر اسی پر معاملہ طے ہوگیا!!

۲۔ روایات کے درمیان بطور ندرت کبھی ایسی روایت مل جاتی ہے جو کہتی ہے. سلاطین وبادشاہ کی اطاعت واجب ہے ایسی روایات ظالموں کے مقابلہ میں خاموشی وسکوت کے لئے کچھ لوگوں کے لئے دستاویز بن جاتی ہیں حالانکہ یہ روایات سند کے اعتبار سے ضعیف اور دلالت کے اعتبار سے نارسا ہوتی ہیں. اثبات مطلب کے لئے یہاں پر دو واضح ترین روایتوں کو پیش کیا جاتا ہے: ایک جماعت نے ابو المفضل سے، انہوں نے جعفر بن محمد بن جعفر سے انہوں نے علی بن الحسن بن علی بن عمر بن علی بن الحسن سے انہوں نے حسین بن زید بن علی بن جعفر بن محمد سے اور انہوں نے اپنے آباء واجداد کے واسطہ سے رسول اکرمؐ سے روایت کی ہے کہ رسول خداؐ نے فرمایا: بادشاہ زمین پر خدا کا سایہ ہے، ہر مظلوم اس کی پناہ حاصل کرتا ہے جو بادشاہ عدل ==

کے مقابلہ میں پیش کررکھا ہے۔ اس قرآن کے مقابلہ میں جو بادشاہوں کے خلاف قیام کرنے کے بارے میں سخت موقف رکھتا ہے اور جناب موسی کو سلاطین کے خلاف اقدام کرنے پر آمادہ کرتا ہے [1] قرآن کے علاوہ بہت سی روایات میں ستمگروں اور ان لوگوں کے خلاف جو دین میں تصرف کرتے ہیں مبارزہ کرنے کا حکم دیا گیا ہے [2] کاہلوں نے ان سب کو چھوڑ کر صرف انہیں روایتوں کو ۔ جنہیں بادشاہوں کے واعظین نے ۔ شاید وضع کیا ہے اپنا مستند بنایا ہے کہ بادشاہوں سے ربط وضبط رکھنا چاہیۓ اور درباری بنناچاہیۓ! اگر یہ لوگ اہل روایت اور دین شناس ہوتے تو ان کثیر روایات پر عمل کرتے جو ظالموں کے خلاف آئی ہیں اور اگر (مان لیا جائے کہ) اہل روایت ہیں تو پھر عادل نہیں ہیں۔ چونکہ یہ لوگ عادل نہیں ہیں اور نہ گناہوں سے دور ہیں لہذا قرآن اور ان تمام روایات سے آنکھ بند کر لیتے ہیں اور صرف انہیں دو روایتوں سے چپکے رہتے ہیں۔ ان کا پیٹ ہے جو ان کو ان

= وانصاف کرے گا اس کو اس کا اجر ملے گا اور رعایا کا فریضہ ہے کہ اس کا شکر ادا کریں اور جو ظلم وستم کرے گا اس کا گناہ اس پر ہوگا اور رعایا کا فریضہ ہے کہ صبر کرے یہاں تک کہ امر خدا پہونچے۔ بحار الانوار ج ۷۲ ص ۳۵۴۔

دوسری روایت یہ ہے: محمد بن علی بن بشار نے علی بن ابراہیم القطان سے اور انہوں نے محمد بن عبداللہ الحضرمی سے انہوں نے احمد بن بکر سے انہوں نے محمد بن مصعب سے انہوں نے حماد بن سلمہ سے انہوں نے ثابت سے انہوں نے انس سے انہوں نے رسول خداؐ سے روایت کی ہے: بادشاہ کی اطاعت واجب ہے جس نے بادشاہ کی اطاعت نہ کی اس نے خدا کی اطاعت ترک کی اور نہی خدا میں داخل ہوگیا اور خدا کا ارشاد ہے کہ اپنے کو ہلاکت میں مت ڈالو حوالہ سابق ص ۳۶۸۔ اب دیکھئے پہلی روایت کے راویوں میں ابوالمفضل ہے وہ ضعیف ہے اور علی بن الحسن مجہول ہے، حسین بن زید غیر ثقہ ہے اور دوسری روایت کے راویوں میں علی بن ابراہیم اور محمد بن مصعب مجہول ہیں محمد بن عبداللہ اور احمد بن بکر اور حماد بن سلمہ اور ثابت وانس غیر ثقہ ہیں۔ نیز ان دونوں روایتوں کے مقابلہ میں خود بحار (ج ۷۲ ص ۳۳۵ ۔ ۳۸۵ ابواب ۸۱ ۔ ۸۴) میں اس سے کہیں زیادہ روایات ہیں جو ان دونوں کے مضمون کے خلاف ہیں۔

۱۔ سورہ اعراف / ۱۰۳ اور اس کے بعد، یونس / ۷۵ ۔ ۸۵ ۔ طہ / ۲۴ و ۴۳ ۔ مؤمنون / ۴۵ ۔ ۴۷ ۔ نازعات / ۱۷۔

۲۔ وسائل الشیعہ ج ۱۱، کتاب الجہاد (ابواب جہاد العدو) ابواب ۱، ۵، ۲۶، ۴۶، ۴۷ کتاب الامر بالمعروف والنہی عن المنکر، ابواب الامر والنہی وما یناسبہما، ابواب ۱، ۳، ۸۔

دونوں روایتوں سے چپکے رہنے پر آمادہ کرتا ہے نہ کہ علم یہ شکم وحب جاہ ہے جو انسان کو درباری بنا دیتا ہے نہ کہ روایت!

بہرحال علوم اسلامی کو وسعت دینا فقہائے عادل کا کام ہے تاکہ وہ احکام واقعی کو غیر واقعی سے اور ائمہؑ کی وہ روایات جو بطور تقیہ وارد ہوئی ہیں ان کو دوسری روایات سے تمیز دے سکے کیونکہ ہم کو معلوم ہے کہ ہمارے ائمہؑ کے حالات ایسے تھے کہ بعض اوقات حکم واقعی کو نہیں بیان کرسکتے تھے اور ستمگر حکام کے پنجوں میں اسیر تھے اور شدت تقیہ اور خوف میں زندگی بسر کرتے تھے. البتہ ان کا خوف مذہب کے لئے تھا اپنی ذات کے لئے نہیں تھا ۔ کہ اگر بعض مقامات پر تقیہ نہ کرتے تو ظالم حکام مذہب کو بیخ و بن سے اکھاڑ کر پھینک دیتے.

اب رہی حدیث تو ولایت فقیہ پر اس کی دلالت بغیر کسی شک کے واضح ہے اس لئے کہ خلافت کا مطلب ہر پہلو سے نبوت میں جانشینی کے ہیں اور جملہ " **اللهم ارحم خلفائی** "کی دلالت " **علی خلیفتی** " سے کم نہیں ہے. اس میں خلافت کے معنی وہی ہیں جو دوسرے میں ہیں اور جملہ " **الذین یاتون من بعدی ویروون حدیثی** " خلفاء کی معرف ہے نہ کہ معنی خلافت کی. اس لئے صدر اسلام میں خلافت کا معنی کوئی امر مجہول نہیں تھا جس کے بیان کی ضرورت ہوتی اور خود سائل نے بھی خلافت کا مطلب نہیں پوچھا تھا بلکہ اس کا مطلب اشخاص کو پہچاننا تھا اور رسول (ص) نے بھی اس صفت کے ساتھ تعارف کروایا. سب سے زیادہ تعجب اس پر ہے کہ کسی نے بھی " **علی خلیفتی** " یا " **الائمة خلفائی** " کا مطلب مسئلہ گوئی نہیں سمجھا بلکہ سب نے اس سے ائمہ کی خلافت وحکومت کے لئے استدلال کیا ہے لیکن جب یہ لوگ جملہ " **خلفائی** " پر پہونچتے ہیں تو توقف کرتے ہیں اور اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ ان لوگوں کا گمان یہ ہے کہ رسول خدا (ص) کی خلافت ایک مخصوص حد تک ہے یا مخصوص اشخاص کے لئے ہے. اور چونکہ سارے ائمہ خلیفہ ہیں لہذا ائمہ کے بعد علماء فرمانروا، حاکم اور خلیفہ نہیں ہوسکتے بلکہ (ان کی نظر میں) اسلام کو بے سرپرست ہونا چاہئے، احکام اسلام کو

معطل ہونا چاہیے، سرحدوں کو دشمنان دین کے قبضہ میں ہونا چاہیے اور تمام وہ کجروی جاری ہوجانی چاہیے جس سے اسلام بری ہے۔

محمد بن یحییٰ، عن احمد بن محمد، عن بن محبوب، عن علی بن ابی حمزة، قال: سمعت ابا الحسن موسی بن جعفر، علیہما السلام، یقول: اذا مات المؤمن، بکت علیه الملائکة وبقاع الارض التی کان یعبد اللّٰہ علیها، وابواب السماء التی کان یصعد فیها باعماله، وثلم فی الاسلام ثلمة لایسدها شی، لان المؤمنین الفقهاء حصون الاسلام کحصن سور المدینة لها [1]۔

بحذف الاسناد۔ ابو حمزہ کہتے ہیں: میں نے امام ابو الحسن موسیٰ بن جعفرؑ کو فرماتے ہوئے سنا: جب مؤمن مرتا ہے تو اس پر ملائکہ اور زمین کے وہ ٹکڑے جہاں وہ عبادت کیا کرتا تھا اور آسمانوں کے وہ دروازے جن سے اس کے اعمال اوپر لیجائے جاتے تھے (یہ سب کے سب) اس پر روتے ہیں اور اسلام (کے قلعہ) میں ایسا شگاف پڑجاتا ہے جس کو کوئی شی پر نہیں کرسکتی۔ کیونکہ فقہائے مومنین اسلام کے (اسی طرح) قلعے ہیں جیسے شہر کی شہر پناہ شہر کے لئے قلعہ ہوا کرتی ہے۔

اس روایت کا متن

کتاب کافی کے اسی باب میں ایک اور روایت ہے جس میں " **اذا مات المؤمن** " کے بجائے " **اذا مات المؤمن الفقیه** " آیا ہے [2] مگر جو روایت شروع میں ہم نقل کیا ہے فقیہ کا لفظ نہیں ہے البتہ آخر میں جو علت بیان کی گئی ہے اس میں یہ ہے " **لان المؤمنین الفقهاء** " اور اس سے پتہ چلتا ہے کہ صدر روایت سے کلمہ فقیہ لکھنے سے رہ گیا ہے خصوصاً " **ثلم فی الاسلام** " اور " **حصن** " وغیرہ جیسے الفاظ سے استفادہ ہوتا ہے کہ یہ فقہاء ہی کے لئے مناسب ہے۔

۱۔ اصول کافی ج ۱ ص ۳۸ کتاب فضل العلم "باب فقد العلماء" حدیث ۳

۲۔ اصول کافی ج ۱ ص ۳۸ کتاب فضل العلم "باب فقد العلماء" حدیث ۲

روایت کامفہوم

حدیث میں جو آیا ہے کہ فقہائے مؤمنین اسلام کے قلعے ہیں، یہ در حقیقت فقہاء کو مامور اور پابند بناتا ہے کہ یہ لوگ نگہبان رہیں. اسلام کے نظاموں اور احکام وعقائد کی نگہبانی کرتے رہیں. امام کے اس حکم میں تکلفات کاکوئی دخل نہیں ہے ایسا کوئی تکلف نہیں ہے جو ہم لوگ آپس میں کیا کرتے ہیں کہ میں آپ کو شریعتمدار کہوں اور آپ مجھے کہیں ۔ یعنی من ترا حاجی بگویم تو مرا حاجی بگو ۔ یا جیسے لفافہ کی پشت پر لکھتے ہیں حضرت مستطاب حجۃ الاسلام (یہاں یہ سب نہیں ہے بلکہ حکم واقعی ہے اسی لئے) اگر کوئی فقیہ گھر کے گوشہ تنہائی میں بیٹھ جائے اور کسی معاملے میں مداخلت نہ کرے، اسلامی قوانین کی حفاظت کرے نہ احکام اسلام کو نشر کرے نہ مسلمانوں کے اجتماعی امور میں مداخلت کرے اور نہ امور مسلمین کے بارے میں اہتمام کرے تو کیا اس کو حصن الاسلام کہا جاسکتا ہے؟ کیا وہ حافظ اسلام ہے؟ اگر کسی حکومت کا سربراہ صاحب منصب سے کہے: جاؤ فلاں علاقہ کی حفاظت کرو تو کیا اس کی ذمہ داری اس بات کی اجازت دیتی ہے کہ وہ اپنے گھر جاکر سو رہے اور دشمن اس علاقہ کو آکر تباہ کردے؟ یا اس کی ڈیوٹی یہ ہے کہ جس طرح بھی ممکن ہو اس علاقہ کی حفاظت میں جان توڑ کوشش کرے؟ اگر آپ کہئے کہ ہم اسلام کے بعض احکام کی حفاظت کرتے ہیں (اور یہی کافی ہے) تو میں آپ سے سوال کروں گا کیا آپ حدود جاری کرتے ہیں؟ اسلام کے جزائی احکام کا اجرا کرتے ہیں؟ نہیں تو آپ نے (قلعہ اسلام میں) یہاں پر شگاف ڈال دیا پس جب آپ نگہبانی کررہے تھے تو دیوار کے ایک حصہ کو گرادیا (دوسرا سوال) مسلمانوں کی سرحدوں اور وطن اسلامی کی تمام زمینوں کی حفاظت کرتے ہیں ؟ نہیں ہمارا کام تو صرف دعاگوئی ہے (لیجئے) دوسرے حصہ کو بھی خراب کردیا. (کیا آپ) مالداروں سے غریبوں کا حق لیکر ان کو پہونچاتے ہیں؟ کیونکہ آپ کا اسلامی فریضہ ہے کہ یہ کام کریں. جی نہیں یہ ہم سے مربوط نہیں ہے انشاء اللہ دوسرے لوگ آئیں گے اور انجام دیں گے

(لیجئے) یہ تیسری دیوار بھی گرادی۔ اب آپ مثل شاہ سلطان حسین اور اصفہان [1] کے مانند رہ گئے۔ آخر یہ کون سا قلعہ ہے جس کے حصہ کو جناب حصن الاسلام کے سامنے پیش کرتے ہیں وہ معذرت کرنے لگتے ہیں۔ کیا حصن کے یہی معنی ہیں؟

ائمہؑ نے جو فرمایا ہے: فقہاء اسلام کے قلعے ہیں یعنی ان کی ذمہ داری ہے کہ اسلام کی حفاظت کریں یعنی ایسے حالات پیدا کریں جس سے اسلام کی حفاظت کرسکیں اور یہ اہم ترین واجب ہے اور واجب مطلق ہے واجب مشروط نہیں [2] اور یہ ان مقامات میں سے ہے کہ فقہائے اسلام کو اس کے لئے کوشش میں رہنا چاہئے۔ حوزہ ہائے دینیہ کو اس کی فکر کرنی چاہئے اور اپنے آپ کو ہر اعتبار سے آمادہ وتیار رکھنا چاہئے تاکہ مکمل طریقہ سے اسلام کی نگہبانی کرسکیں جس طرح رسول خدا (ص) اور ائمہؑ حفاظت کیا کرتے تھے اور عقائد واحکام ونظام اسلام کا بجمیع معنی الکلمہ حفاظت کرتے تھے۔

(لیکن) ہم نے تمام جہات کو چھوڑکر صرف کچھ احکام کو لے لیا ہے انہیں کو بزرگوں سے لیکر مباحثہ کرتے ہیں بہت سے اسلامی احکام علوم غریبہ [3] کا جزء ہوکر رہ گئے ہیں اصل میں اسلام غریب الوطن ہے صرف اس کا نام باقی ہے اسلام کے تمام جزائی احکام بہترین جزائی قانون ہیں جو بشر کے لئے اتارے گئے ہیں مگر اس وقت ایک دم سے فراموش کردئے گئے ہیں اور اب تو صرف ان کا نام ہی نام

۱۔ مقصود حسین اول سے فرزند سلیمان اول (۱۱۳۵ ھ ق) سلسلہ صفویہ کا آخری بادشاہ ہے جو نہایت نالائق تھا یہ ۱۱۰۵ میں تخت نشین ہوا اس کے زمانے میں محمود افغان نے اصفہان پر لشکر کشی کی سلطان حسین نے اس خیال سے کہ وہ اصفہان سے صرف نظر کرلے محمود کو فرح آباد اور جلفا دیدیا لیکن محمود نے اصفہان پر حملہ کرکے اس کو اپنے قبضہ میں لے لیا اور سلطان کو قتل کردیا۔

۲۔ اگر واجب کا وجوب کسی شی سے مشروط نہ ہو تو واجب مطلق ہے جیسے وجوب نماز بہ نسبت وضو اور اگر کسی شی سے مشروط ہو تو اس کو واجب مشروط کہتے ہیں جیسے وجوب حج بہ نسبت استطاعت۔

۳۔ وہ علوم جو مافوق فطرت چھپی ہوئی طاقتوں سے بحث کریں یا اسرار آمیز بحث کریں جیسے سحر، جادو، جفر، تسخیر ارواح، تسخیر جن وغیرہ۔

باقی ہے [1] تمام وہ آیات جو جزائی احکام یا حدود پر دلالت کرتی ہیں ان کی صرف قرائت باقی ہے جو ہم تلاوت کرتے ہیں (مثلا) " **الزانية والزانی فاجلدوا کل واحد منهما ماة جلدة** " [2] اس آیت کی ہم صرف قرائت کرتے ہیں تاکہ ہماری قرائت اچھی ہوجائے اور ہم مخرج سے ادا کرسکیں اب رہی یہ بات کہ اس کی اجتماعی حقیقت کیا ہے؟ اسلامی معاشرہ کی کیا حالت ہے؟ فحشاء وفساد کس قدر رائج ہوچکے ہیں اور حکومتیں زناکاروں کی کس قدر حمایت وتائید کرتی ہیں اس کا ہم سے کوئی تعلق نہیں ہے ہمارا کام صرف اتنا ہے کہ ہم سمجھ لیں زانی اور زانیہ کی حد کیا ہے؟ لیکن حد کاجاری کرنا کس کی ذمہ داری ہے یہ ہم سے مربوط نہیں ہے۔

میں آپ سے پوچھتا ہوں کیا رسول خدا (ص) ایسے ہی تھے؟ قرآن پڑھ کر رکھ دیتے تھے حدود اور اجرائے قانون سے کوئی دلچسپی نہ رکھتے تھے؟ رسول (ص) کے بعد خلفاء کا کیا یہی طریقہ تھا کہ مسائل کو لوگوں کے ہاتھوں میں دے کر کہدیا کرتے تھے اب ہمارا تم سے کوئی واسطہ نہیں ہے؟ یا اس کے بر عکس معاملہ تھا، حدود معین تھے یہ حضرات کوڑے مارتے تھے، رجم کرتے تھے، عمر قید دیتے تھے شہر بدر کردیتے تھے؟ اسلام کے حدود ودیات کی طرف رجوع کیجئے تو پتہ چلے گا یہ سب اسلامی قانون تھا اسلام انہیں چیزوں کےلئے آیا تھا۔ اسلام اس لئے آیا تھا کہ معاشرہ کو منظم کرے۔ امامت اعتباری اور حکومت امور معاشرہ کے تنظیم کےلئے ہے۔

ہماری (شرعی) ذمہ داری ہے کہ اسلام کی حفاظت کریں یہ اہم ترین واجب ہے۔ نماز وروزہ سے بھی زیادہ اہم ہے یہی تکلیف وہ ہے جو واجب قرار دیتی ہے کہ اس کےلئے خون بہایاجائے اس لئے کہ کوئی خون امام حسینؑ کے خون سے زیادہ اہم نہیں ہے اور وہ اسلام کےلئے بہایا گیا اور یہ اسی قدر

۱۔ رسول خداؐ اور حضرت علیؑ کے اس قول کی طرف اشارہ ہے کہ: میری امت پر ایک ایسا زمانہ آئے گا جب صرف قرآن کی رسم اور اسلام کانام باقی رہے گا۔ بحار الانوار ج ۲ ص ۱۰۹ کتاب العلم، باب ۱۵ حدیث ۱۴۔ اور نہج البلاغہ حکمت ۳۶۱۔

۲۔ ہرزناکار مرد اور عورت کو سو کوڑے مارو۔ سورہ نور / ۲۔

وقیمت کی وجہ سے ہے جو اسلام کی ہے. ہمیں اس مطلب کو سمجھنا چاہیئے اور دوسروں کو تعلیم دینا چاہیئے (اے فقہاء!) آپ اس وقت اسلام کے خلفاء میں سے ہیں جب لوگوں کو اسلام کی تعلیم دیں اور یہ نہ کہیں کہ چھوڑو جب امام زمانہؑ آئیں گے (تو خود ہی سدھار پیدا کریں گے) کیا آپ کسی وقت کی نماز یہ کہکر چھوڑ دیتے ہیں کہ جب امام زمانہؑ آئیں گے تو پڑھیں گے؟ اسلام کی حفاظت نماز سے زیادہ واجب ہے حاکم خمین والی منطق پر عمل نہ کیجیئے وہ کہتا تھا گناہ خوب کرو تاکہ امام زمانہ (عج) آجائیں! اگر زیادہ گناہ نہ کروگے تو امام (عج) کاظہور نہ ہوگا! یہاں بیٹھ کر صرف مباحثہ نہ کیجیئے بلکہ تمام احکام اسلام کا مطالعہ کیجیئے، حقائق کو پھیلایئے کتابیں لکھیئے ان کو شائع کیجیئے یقینا اس کا اثر ہوگا میرا تجربہ ہے کہ تاثیر ہوتی ہے.

علی عن ابیه، عن النوفلی، عن السکونی، عن ابی عبدالله علیه السلام، قال قال رسول الله (ص): الفقهاء امناء الرسل مالم یدخلوا فی الدنیا. قیل یارسول الله (ص) وما دخولهم فی الدنیا؟ قال (ص): اتباع السلطان. فاذا فعلوا ذلک، فاحذروهم علی دینکم[1] رسول خدا (ص) نے فرمایا: فقہاء اس وقت تک امین اور مورد اعتماد ہیں جب تک۔ لذائذ ونارواثروت۔ دنیا میں داخل نہ ہوں. پوچھا گیا: دنیا میں وارد ہونے کا کیا مطلب ہے؟ فرمایا: بادشاہ کی پیروی. اگر علماء ایسا کرنے لگیں تو ان سے اپنے دین کے بارے میں حذر کرو.

اس روایت کی تحقیق طولانی بحث کی محتاج ہے (اس لئے) میں صرف جملہ "**الفقهاء امناء الرسل**" کے بارے میں گفتگو کروں گا جو ہمارے پیش نظر اور ولایت فقیہ سے مربوط ہے. پہلے تو یہ دیکھنا چاہیئے کہ انبیاء کے وظائف واختیارات اور ان کا مشغلہ کیا ہے تاکہ اس سے پتہ چلے جو فقہاء انبیاء کے مورد اعتماد اور امانت دار ہیں ان کے فرائض کیا ہیں؟

۱۔ اصول کافی ج ۱ ص ۵۸ کتاب فضل العلم، باب المستاکل بعلمه والمباهی به، حدیث ۵. یہ ان روایات میں سے ہے جس کو نراقی نے ذکر کیا ہے اور مرحوم نوری نے مستدرک الوسائل کے ابواب مایکتسب به، باب ۳۸ روایت ۸ میں راوندی کے ==

بعثت ابنیاء کا مقصد اور انبیاء کے فرائض

بنابر حکم عقل اور ضروریات ادیان مقصد بعثت اور کار انبیاء صرف مسئلہ گوئی اور بیان احکام نہیں تھا اور ایسا نہیں ہے کہ مسائل واحکام بذریعہ وحی رسول اکرم (ص) کو پہونچے ہوں اور آنحضرت (ص) وامیرالمؤمنینؑ ودیگر ائمہؑ مسئلہ گو رہے ہوں کہ خداوند عالم نے ان حضرات کو صرف اس لئے معین کیا ہو کہ مسائل واحکام کو کسی خیانت کے بغیر لوگوں سے بیان کردیں اور انہوں نے بھی اس امانت کو فقہاء کے حوالہ کردیا ہو کہ جو مسائل انبیاء سے حاصل کئے ہیں کسی خیانت کے بغیر لوگوں کو پہونچا دیں اور اس طرح " **الفقہاء امناء الرسل** " کا مطلب یہ ہو کہ فقہاء بیان مسائل میں امین ہیں (ایسا ہرگز نہیں ہے) بلکہ انبیاء کا اہم ترین فریضہ قوانین واحکام کو جاری کرکے ایک عادلانہ اجتماعی نظام قائم کرنا ہے جو یقینا بیان احکام ونشر تعلیم وعقائد الٰہی کے بغیر ناممکن ہے جیسا کہ یہ مطلب آیہ شریفہ سے واضح ہے: " **ولقد ارسلنا رسلنا بالبینات وانزلنا معھم الکتاب والمیزان لیقوم الناس بالقسط** "[1] (ہم نے یقینا اپنے پیغمبروں کو واضح وروشن معجزے دیکر بھیجا اور ان کے ساتھ کتاب اور (انصاف کی) ترازو نازل کی تا کہ لوگ انصاف پر قائم رہیں).
پس بطور کلی بعثتوں کا مقصد یہ ہے کہ لوگوں کو عادلانہ اجتماعی روابط کی بنیاد پر نظم وترتیب دیکر آدمیت کے قد وقامت کو سیدھا کردیں اور یہ چیز تشکیل حکومت واجرائے احکام کے ذریعہ ممکن ہے. خواہ خود نبیؐ کو توفیق تشکیل حکومت ہو جیسے رسول اکرم (ص) کو ہوئی اور خواہ اس کے بعد کے ماننے والوں کو تشکیل حکومت اور عادلانہ نظام اجتماعی کے برقرار کرنے کی توفیق حاصل ہو. خداوند عالم نے جو

== کتاب نوادر سے صحیح سند کے ساتھ امام ہفتمؑ سے نقل کیا ہے ونیز صفات قاضی کے ابواب میں (باب ۱۱ حدیث ۵) کے ضمن میں کتاب دعائم الاسلام کے حوالہ سے امام ششمؑ سے نقل کیا ہے اور کتاب کافی (ج ۱ ص ۳۹) میں اس طرح روایت ہے:
"عن ابی عبداللہؑ قال: العلماء امناء والاتقیاء حصون والانبیاء سادۃ" علماء امین ہیں پارسا لوگ قلعے ہیں اور انبیاء سردار ہیں

۱۔ سورہ حدید / ۲۵

خمس کے سلسلہ میں فرمایا ہے: " واعلموا انما غنمتم من شی فان للہ خمسه وللرسول ولذی القربیٰ "[1] (اور جان لو کہ جو کچھ مال تم کسب کرو اس کا پانچواں حصہ مخصوص خدااور رسول (ص) اور (رسول (ص) کے) قرابت داروں کےلئے ہے ۔ الخ) یازکات کےلئے جو فرمایا ہے: " خذ من اموالہم صدقۃ " [2] (تم ان کے مال کی زکات لو) یا خراج کےلئے دستور صادر فرمایا۔ ویسے حقیقت یہ ہے کہ رسول اکرم (ص) تو صرف احکام بیان کرنے کےلئے معین نہیں فرمایا بلکہ ان کے اجرا کی ذمہ داری کو بھی انہیں سے متعلق فرمایا۔ جس طرح ان کو لوگوں میں نشر کرنے پر مامور تھے اجرا کرنے پر بھی مامور تھے اور اس پر بھی مامور تھے کہ خمس وزکات وخراج جیسے ٹیکسوں کو وصول کرکے مسلمانوں کے نفع پہونچانے پر صرف کریں۔ ملتوں اور افراد کے درمیان عدالت کو وسعت دیں۔ اجرائے حدود کریں سرحدوں کی حفاظت کریں۔ ملک کی آزادی کو باقی رکھیں۔ حکومت اسلامی کے ٹیکسوں کو خورد برد سے بچائیں۔

خدا نے حضرت رسول (ص) کو جو سربراہ بنایا ہے اور ان کی اطاعت واجب قرار دی ہے کہ: " اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول واولی الامر منکم "[3] (خدا کی اطاعت کرو اور رسول (ص) کی اور جو تم میں سے صاحبان امر ہوں ان کی اطاعت کرو) اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ اگر رسول خدا (ص) کوئی مسئلہ بیان کریں تو ہم قبول کریں اور عمل کریں، کیونکہ احکام پر عمل کرنا خدا کی اطاعت ہے تمام عبادی وغیر عبادی کام جو احکام سے مربوط ہوں وہ خدا کی اطاعت ہے، رسول (ص) کی پیروی کا مطلب احکام پر عمل کرنا نہیں ہے اس کا مطلب دوسرا ہے. ہاں اطاعت رسول (ص) ایک اعتبار سے خدا کی اطاعت ہے اس لئے کہ خدا نے حکم دیا ہے کہ اس کے رسول (ص) کی اطاعت کرو.. البتہ

۱۔ سورہ انفال / ۴۱

۲۔ سورہ توبہ / ۱۰۵

۳۔ سورہ نساء / ۵۹

اگر رسول خدا (ص) جو سربراہ اور اسلامی معاشرہ کے رہبر ہیں وہ حکم دیں اور فرمائیں کہ اسامہ [1] کے لشکر کے ساتھ جنگ پر جاؤ تو کسی کو مخالفت کا حق نہیں ہے [2] یہ خدا کا حکم نہیں ہے بلکہ رسول (ص) کا حکم ہے. خدا نے حکومت وسپہ سالاری کا حق اپنے رسول (ص) کو دیا ہے اور آنحضرت (ص) بھی بنابر مصالح لشکر کا انتظام کرتے تھے، والی، حاکم وقاضی معین فرماتے تھے یا معزول کر دیتے تھے.

اجرائے قوانین، سپہ سالاری لشکر، معاشرہ کے انتظام، ملک کا دفاعی نظام، امور قضاوت وانصاف میں فقہاء پیغمبروں کے مورد اعتماد ہیں

اس لئے " الفقہاء امناء الرسل " (کا مطلب ہے) تمام وہ امور جو پیغمبروں سے متعلق ہیں اس کے انجام دینے کے ذمہ دار فقہائے عادل ہیں. اگرچہ عدالت امانت سے وسیع مفہوم رکھتی ہے اور ممکن ہے کہ کوئی امور مالی میں امین ہو لیکن عادل نہ ہو مگر امنائے رسل سے مراد صرف وہی حضرات ہیں جو کسی بھی امر میں خلاف ورزی نہ کریں اور پاک ومنزہ ہوں جیسا کہ خود حدیث کے ذیل میں ارشاد ہے: " مالم یدخلوا فی الدنیا " یعنی جب تک وہ دنیا طلبی میں مشغول نہ ہوں. پس اگر کوئی فقیہ مال دنیا کی جمع آوری میں مشغول ہو تو عادل نہیں ہے اور وہ رسول اکرم (ص) کا امین نہیں ہوسکتا اور نہ احکام اسلام کا اجرا کرنے والا ہوسکتا ہے صرف فقہائے عادل احکام اسلام کا اجرا کرسکتے ہیں اور اس کے نظام کو مستقر کرسکتے ہیں، حدود اور قصاص جاری کرسکتے ہیں سرحدوں اور مسلمانوں کی تمام اراضی کی حفاظت کرسکتے ہیں. مختصر یہ ہے کہ تمام قوانین کا اجرا جو حکومت سے مربوط ہو وہ فقہاء سے متعلق ہے

۱۔ اسامہ بن زید بن حارثہ (۵۴ ھ ق) زمانہ اسلام میں پیدا ہوئے ان کے ماں باپ رسول خداؐ کے آزاد کردہ تھے رسول خداؐ نے اپنی زندگی کے آخری سال میں (دسویں ہجری) اسامہ کو جبکہ ان کی عمر بیس سال سے زیادہ نہ تھی مہاجرین وانصار کے اس لشکر کا سردار معین کیا جو شام وروم کی طرف جانے کے لئے تیار کیا گیا تھا.

۱۔ اسامہ کے ساتھ لشکر بھیجتے وقت رسولؐ نے فرمایا تھا: اسامہ کے لشکر کو لیس کرو خدا ان لوگوں پر لعنت کرے جو اسامہ کے لشکر کے ساتھ نہ جائیں. الملل والنحل ص ۱۴ مقدمہ چہارم

خمس وزکات وصدقات وجزیہ وخراج کے لینے اور اس کو مصالح مسلمین میں صرف کرنے سے لیکر حدود وقصاص کے اجرا تک تمام چیزوں کو ڈائریکٹ حاکم کے تحت نظر ہوناچاہیۓ. ولی مقتول بھی اس کی نگرانی کے بغیر عمل نہیں کرسکتا. سرحدوں کی حفاظت اور شہروں کا نظم ونسق سب کو اسی کے زیر نظر ہوناچاہیۓ.

جس طرح رسول اکرم (ص) اجرائے احکام اور برقراری نظام اسلام پر مامور تھے اور خداوند عالم نے ان کو مسلمانوں کا سربراہ وحاکم قرار دیا تھا اور مسلمانوں پر ان کی اطاعت واجب قرار دی تھی اسی طرح فقہائے عادل کو بھی سربراہ وحاکم ہونا چاہیۓ اور اجرائے احکام کرنا چاہیۓ اور اسلام کے اجتماعی نظام کو برقرار رکھناچاہیۓ.

قانون کے مطابق حکومت

چونکہ اسلام کی حکومت (در حقیقت) قانون کی حکومت ہے اس لئے قانون دان حضرات بلکہ ان سے بھی بالاتر حضرات یعنی فقہاء کو اس کا انتظام کرناچاہیۓ. یہی لوگ تمام اجرائی اور اداری امور اور ملکی منصوبوں کی دیکھ بھال کرسکتے ہیں. فقہاء احکام الٰہی کے اجرا میں امین ہیں، ٹیکس لینے، حدود کی حفاظت کرنے، حدوں کے جاری کرنے میں امین ہیں. انہیں اسلامی قوانین کو معطل نہ چھوڑنا چاہیۓ اور نہ اجرا میں کسی قسم کی کمی یا زیادتی ہونی چاہیۓ. اگر فقیہ کسی زانی پر حد جاری کرنا چاہتا ہے تو اسی معین ومخصوص طریقہ سے لوگوں کے درمیان حد جاری کرے اور سو کوڑے مارے. نہ ایک کوڑا زیادہ مار سکتا ہے نہ اس کو برا بھلا کہہ سکتا ہے نہ طمانچہ مارسکتا ہے نہ ایک دن قید کرسکتا ہے اسی طرح اگر ٹیکس لیتا ہے تو اسلامی قانون کے مطابق عمل کرنا ہوگا. ایک پیسہ زیادہ نہیں لے سکتا اور نہ ایسے حالات پیدا کرسکتا ہے جس سے بیت المال میں ہرج ومرج پیدا ہوجائے اور اس سے ایک پیسہ ضائع ہوجائے. اگر نعوذ باللہ فقیہ خلاف اسلام کسی کام کا ارتکاب کرتا ہے تو وہ فاسق ہوجائے گا. خود بخود حکومت سے معزول ہوجائے گا. کیونکہ امانت داری سے ساقط ہوجائے گا.

حقیقی طور سے حاکم قانون ہے۔ سبھی قانون کی امان میں ہیں اسلام کی پناہ میں ہیں۔ مسلمان ہوں یا دوسرے لوگ قانون شرع کے اندر سب آزاد ہیں۔ یعنی جب وہ شرعی مقررات پر عمل کریں تو کسی کو حق نہیں کہ اس سے کہے یہاں بیٹھو یا وہاں جاؤ۔ یہ سب فضول ہے وہ لوگ آزاد ہیں اور عادل حکومت اسلامی ایسی ہی ہوتی ہے۔ آج کل کی حکومتوں کی طرح نہیں ہے کہ لوگوں کی آزادی اور امن وامان کو سلب کرلے (جیسے کہ آج کل) ہر شخص اپنی جگہ کانپ رہا ہے کہ حکومت کے کارندے کب گھر میں گھس کر کوئی کام انجام دے ڈالیں۔ جیسے معاویہ اور اس کی مانند حکومتوں میں لوگوں سے امن سلب کرلیا گیا تھا کوئی اپنے کو مامون نہیں سمجھتا تھا۔ محض تہمت اور احتمال پر لوگوں کو قتل کردیا جاتا تھا۔ ملک بدر کردیا جاتا تھا۔ قید کردیا جاتا تھا اور قید بھی طولانی مدت کےلئے ہوتی تھی کیونکہ وہ حکومت اسلامی نہیں تھی۔ لیکن جب حکومت اسلامی ہوگی تو ہر شخص قانون کے زیر سایہ کامل امن وسکون کے ساتھ زندگی بسر کر سکے گا۔ کسی بھی حاکم کو حق نہ ہوگا کہ خلاف قانون اور شرع مطہر کے قانون کے خلاف کوئی قدم اٹھاسکے۔

پس امین کامطلب یہ ہے کہ اسلام نے جن امور کو مقرر کیا ہے ان سب کو فقہاء امانت کے ساتھ اجرا کریں نہ یہ کہ صرف مسئلہ بتایا کریں۔ کیا امامؑ صرف مسئلہ گو تھے اور فقط قانون بیان کرتےتھے؟ کیا انبیاء کرامؑ صرف مسئلہ گو تھے کہ فقہاء مسئلہ گوئی میں ان کے امین ہوں؟ ویسے مسئلہ گوئی اور قوانین کا بیان بھی فقہاء کا ایک فریضہ ہے۔ اسلام قانون کی طرف نظر "آلی" رکھتا ہے یعنی اس کو معاشرہ کے اندر تحقق عدالت کا وسیلہ سمجھتا ہے اس کو عقائد واخلاق وتہذیب انسان کے اصلاح کا ذریعہ سمجھتا ہے۔ قانون تو محض عادلانہ نظم اجتماعی کے برقرار رکھنے اور اجراء کرنے اور مہذب انسان پروان چڑھانے کےلئے ہوتا ہے۔ انبیاء کا اہم ترین فریضہ اجرائے احکام تھا اور حکومت کا انتظام اور اس کی دیکھ بھال کرنا تھا۔

حضرت امام رضاؑ کی روایت میں ہے: اگر لوگوں کے لئے ایک امام وقیم اور محافظ وامین معین نہ کیا گیا تو ملت کا خاتمہ ہوجائے گا... حضرت بطور کلیہ فرماتے ہیں: لوگوں کے لئے ایک امام قیم وامین کا ہونا ضروری ہے اور اس روایت میں فرمایاہے: فقہاء رسولوں کے امین ہیں اس صغریٰ وکبریٰ [1] سے نتیجہ نکلتا ہے کہ فقہاء کو سربراہ ملت ہونا چاہیے تاکہ وہ اسلام کو مٹنے نہ دیں اور احکام کو معطل نہ ہونے دیں. چونکہ جن ملکوں میں مسلمان آباد تھے فقہائے عادل کی وہاں حکومت نہ تھی اور نہ ان کی ولایت وہاں برقرار ہوسکی اس لئے اسلام وہاں مٹ گیا اسلام کے احکام معطل ہوگئے اور امام رضاؑ کی بات سچ ثابت ہوگئی. تجربہ نے اس کی صحت کو سب پر ثابت کردیا.

کیا اسلام مندرس نہیں ہوا؟ آج کل جو اسلامی ملکوں میں احکام اسلام کا اجرا نہیں ہوتا، حدود جاری نہیں کئے جاتے، اسلامی احکام کی حفاظت نہیں کی جاتی، نظام اسلام رفتہ رفتہ ختم ہوچکا ہے. ہرج ومرج وآزاد روی رائج ہوچکی ہے کیا اسلام مندرس نہیں ہوا؟ کیا اسلام بس وہی ہے جو کتابوں میں لکھا جائے؛ مثلا کافی میں لکھا جائے اور اس کو کنارے پر رکھ دیا جائے؟ اگر خارج میں احکام کا اجرا نہ ہو، حدود جاری نہ ہوں، چور اپنی سزا کو نہ پہونچے، ظالم وستمگر اپنے کیفر کردار کو نہ پہونچیں اور ہم صرف قانون کو لیکر چوم کر ایک طرف رکھ دیں، قرآن کو چوم کر طاق پر رکھ دیں اور اس کی حفاظت کریں، شب ہائے جمعہ کو یاسین پڑھیں تو اس سے اسلام محفوظ ہوجائے گا؟

چونکہ ہم میں سے بہت سے لوگوں نے یہ سوچا بھی نہیں کہ ملت اسلام کا حکومت اسلامی کے ساتھ ادارہ ہونا چاہیے اس لئے اب نوبت یہ آگئی ہے کہ نظم اسلامی ملکوں میں باقی کیا رہتا اس کی جگہ

۱۔ صغریٰ وکبریٰ کی ترتیب سے امامؑ کی مراد یہ دو جملے ہیں: "فقہاء امنائے رسل ہیں" "لوگوں کے لئے امام قیم حافظ وامین لازم ہے" یعنی اس علم کے بعد کے فقہاء انبیاء کے امین ہیں اور لوگوں کی رہبری کے لئے ایک امین شخص کا ہونا ضروری ہے ان (دونوں جملوں) سے یہ نتیجہ نکلتا ہے: فقہاء کو تمام امور اپنے ہاتھ میں لینا چاہئیں

ظالمانہ اور فاسد کنندہ قوانین آگئے، بلکہ خود ہمارے علماء کے ذہن میں بھی اسلامی پروگرام کہنہ ہوگئے اور اس طرح کہ جب گفتگو ہوتی ہے تو " الفقہاء امناء الرسل " کا مطلب یہ بیان کیا جاتا ہے کہ فقہاء مسئلہ گوئی میں امین ہیں۔ آیات قرآن کو بغیر سنے ہوئے لیتے ہیں اور ان تمام روایات کی تاویل کرتے ہیں جن کی دلالت اس بات پر ہے کہ زمانہ غیبت میں علماء " والی " ہیں۔ تاویل یہ کرتے ہیں کہ اس سے مراد مسئلہ گوئی ہے! کیا امانت داری یہی ہے؟ کیا امین کے لئے یہ ضروری نہیں ہے کہ احکام اسلام کو معطل نہ ہونے دے؟ اور مفسدوں کو بغیر سزا نہ رہنے دے؟ اور ٹیکس وملکی آمدنی میں ہرج ومرج وخورد برد نہ ہونے دے اور ناجائز تصرفات نہ ہونے دے؟ بدیہی ہے کہ ان چیزوں کے لئے ایک امین کی ضرورت ہے اور فقہاء کا فریضہ ہے کہ امانت داری کریں تب وہ امین وعادل ہوں گے۔

منصب قضا کس سے متعلق ہے؟

عن محمدبن یحیی، عن محمدبن احمد، عن یعقوب بن یزید، عن یحیی بن مبارک، عن عبداللہ بن جبلة، عن ابی جمیلة، عن اسحاق ابن عمار، عن ابی عبداللہ (ع) قال قال امیرالمؤمنین، صلوات اللہ علیه، لشریح: یاشریح قد جلست مجلسا لایجلسه (ماجلسه) الا نبی او وصی نبی او شقی [1].

بحذف الاسناد ۔ حضرت علیؑ نے شریح سے فرمایا: اے شریح ! تم ایسی جگہ پر بیٹھے ہو جہاں پر سوائے نبی یا وصی نبی یا شقی کے کوئی نہیں بیٹھتا ۔ یا نہیں بیٹھا ۔ اور شریح چونکہ نہ نبی تھا نہ وصی نبی اس لئے شقی تھا جو مسند قضاوت پر بیٹھا۔ شریح وہ شخص ہے جو تقریبا ۵۰ ۔ ۶۰ سال تک منصب قضاوت پر کوفہ میں فائز رہا اور ایسا عالم تھا جس نے معاویہ سے قربت حاصل ہونے کی وجہ سے بڑی غلط باتیں کہیں اور غلط فتاوی جاری کئے اور حکومت اسلامی سے بغاوت کی۔ حضرت علیؑ بھی

۱۔ وسائل الشیعہ ج ۱۸ ص ۶، ۷ کتاب القضاء، باب ۳ حدیث ۲۔

اپنی حکومت کے دوران اس کو معزول نہ کر سکے۔ بیہودہ اور پست قسم کے لوگوں نے اس کو نکالنے نہ دیا اور چونکہ شیخین نے اس کو نصب کیا تھا لہذا جب بھی حضرت ہٹانا چاہتے تھے لوگ کہتے تھے آپ شیخین کے خلاف عمل نہ کیجئے! اس کو حضرت علیؑ کی عادلانہ حکومت پر تحمیل کرتے تھے۔ البتہ حضرت علیؑ شریح [1] کی نگرانی کرتے تھے اور قانون عدالت کے خلاف کوئی کام نہیں کرنے دیتے تھے۔

داد رسی فقیہ عادل کا حق ہے

روایت سے ثابت ہوتا ہے کہ قضاوت (دادرسی) کا منصب رسول خدا (ص) یا ان کے وصی سے متعلق ہے اور حسب الحکم ائمہؑ، فقہاء عادل منصب قضا کا استحقاق رکھتے ہیں اور قضاوت کا عہدہ فقہائے عادل کا منصب ہے اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔ البتہ مسئلہ ولایت [2] اختلافی ہے۔ مرحوم نراقی [3] اور متاخرین میں مرحوم نائینی [4] امامؑ کے تمام اعتباری مناصب وشئون کو فقیہ کے لئے ثابت

۱۔ ابو امیہ شریح بن حارث کندی (متوفی ۷۸ ھ ق) یہ اصلا یمن سے تھا اور ظہور اسلام سے پہلے پیدا ہوا تھا رسول خداؐ کو نہیں دیکھا تھا اسی لئے صحابہ میں شمار نہیں کیا جاتا۔ عمر، عثمان، حضرت علیؑ اور معاویہ کے دور میں کوفہ کا قاضی تھا۔ واقعہ عاشورا میں ابن زیاد کا ساتھی تھا اور لوگوں کو امام حسینؑ کے خلاف ابھارتا تھا۔

۲۔ ولایت سے مراد یہاں پر حق حکومت ہے یعنی جان ومال پر ولایت۔

۳۔ احمد بن محمد مہدی ابن ابی ذر نراقی (متوفی ۱۲۴۵ ھ ق) فقیہ ومحدث ورجالی وریاضی دان واستاد در فنون وعلوم عقلی تھے زہد وتقویٰ میں مشہور تھے زیادہ تر علوم اپنے باپ ملا مہدی نراقی سے حاصل کئے۔ سید مہدی بحرالعلوم اور شیخ جعفر کاشف الغطاء کے بھی شاگرد تھے شیخ انصاری، سید محمد شفیع جابلقی کے استاد تھے معراج السعادۃ، مفتاح الاحکام، عوائد الایام منہاج الاصول، مستند الشیعہ، دیوان شعر فارسی آپ کے آثار میں سے ہیں۔

۴۔ میرزا حسین (یا محمد حسین) بن عبدالرحیم نائینی نجفی (۱۲۷۳ - ۱۳۵۵ ھ ق) فقیہ، اصولی، حکیم، شیعوں کے بڑے مراجع میں سے تھے ابتدائی تعلیم نائین میں حاصل کی اور اصفہان وسامراء میں ختم کی۔ ایران میں قانونی بادشاہت کے اعلان کے بعد تنزیہ الملۃ وتنبیہ الامہ نامی کتاب تحریر فرمائی جس پر آخوند خراسانی کی تقریظ تھی اس کو شائع کیا شیخ محمد تقی شیرازی شاگرد آخوند ==

مانتے ہیں [1] مگر بعض علماء نہیں مانتے. لیکن منصب قضاوت کے فقیہ عادل سے متعلق ہونے میں کوئی اشکال نہیں کرتا. یہ مسئلہ تقریبا واضحات میں سے ہے.

چونکہ فقہاء مقام نبوت پر فائز نہیں ہیں اور اس میں بھی شک نہیں ہے کہ وہ شقی بھی نہیں ہیں لہٰذا بدیہی طور پر ہم کو ماننا پڑے گا کہ یہ حضرات رسول خدا (ص) کے اوصیاء ہیں یعنی جانشین ہیں. اب چونکہ غالبا وصی نبیؐ کا مطلب براہ راست یعنی بلافصل نائب لیا جاتا ہے اس لئے علماء نے اس قسم کی روایات سے تمسک نہیں کیا ورنہ حقیقت یہی ہے کہ وصی نبیؐ کا مفہوم بہت وسیع ہے یہ فقہاء کو بھی شامل ہے. ہاں وصی بلافصل حضرت امیرؑ ہیں اور ان کے بعد ائمہ معصومینؑ ہیں اور لوگوں کے امور انہیں پر محول ہیں اور یہ تو تصور بھی نہ کرنا چاہئے کہ منصب حکومت یا قضاوت ائمہؑ کے لئے شانی تھا. حکومت تو ان کے لئے محض اس لئے اہمیت رکھتی تھی کہ وہ عدل قائم کر سکیں، لوگوں کے درمیان عدالت اجتماعی پیدا کر سکیں. لیکن ائمہؑ کے مقامات روحانی تو ادراک بشر سے مافوق ہیں. ان کا نصب وجعل سے کوئی ربط نہیں. چنانچہ اگر (بالغرض) رسول خدا (ص) حضرت علیؑ کو وصی نہ بھی قرار دیتے جب بھی حضرت علیؑ کا مقام معنوی محفوظ تھا. یہ مقام حکومت ومنصب نہیں ہے جو انسان کوشان اور معنوی منزلت عطا کر سکے، بلکہ یہ خود وہ منزلت ومقام معنوی ہے جو انسان کو حکومت اور مناصب اجتماعی کے لائق بناتا ہے.

بہرحال ہم روایت سے یہی سمجھتے ہیں کہ فقہاء رسول (ص) کے دوسرے نمبر کے اوصیاء ہیں اور رسول خدا (ص) کی طرف سے جو امور ائمہؑ کو واگذار کئے گئے تھے وہ سب فقہاء کے لئے ثابت ہیں اور ان کو رسول خدا (ص) کے تمام امور انجام دینا چاہئیں جیسے حضرت امیرؑ نے انجام دئے ہیں.

= = کے مرنے کے بعد مرجعیت کا انحصار مرحوم نائینی اور آقا اصفہانی میں تھا. آپ کی تالیفات میں رسالہ در لباس مشکوک، رسالہ در احکام خلل نماز، رسالہ در نفی ضرر اور حواشی برعروہ ہے.

۱۔ عوائد الایام ص ۱۸۷۔ ۱۸۸. منیۃ الطالب فی حاشیۃ المکاسب ج ۲ ص ۳۲۵۔ ۳۲۷.

دوسری روایت جو ہمارے مقصد کے ادلہ یا مؤیدات میں سے ہے اور سند ودلالت کے اعتبار سے پہلی روایت سے بہتر ہے وہ از طریق کلینیؒ نقل ہوئی ہے۔ اس طریق سے ضعیف ہے [1] لیکن صدوق نے روایت کو سلیمان بن خالد کے [2] واسطہ سے نقل کیا ہے جو صحیح ہے اور معتبر ہے [3] وہ روایت اس طرح ہے:

وعن عدة من اصحابنا، عن سهل بن زياد، عن محمد ابن عيسى عن ابى عبدالله المؤمن، عن ابن مسكان، عن سليمان ابن خالد، عن ابى عبدالله (ع) قال: اتقوا الحكومة، فان الحكومة انما هى الامام العالم بالقضاء العادل فى المسلمين، لنبى (كنبى) او وصى نبى [4].

امام نے فرمایا: قضاوت کرنے سے بچو، کیونکہ قضاوت کرنا اس امام کا حق ہے جو قضا کے قوانین کا عالم ہو اور مسلمانوں کے درمیاں عادل ہو (یہ قضاوت) پیغمبر (ص) کے لئے ہے یا وصی پیغمبر کے لئے۔

آپ نے دیکھا جو حکومت کرنا چاہتا ہو اس کو، اولاً امام ہونا چاہئے۔ یہاں پر امام کے لغوی معنی مراد ہیں یعنی سربراہ، اصطلاحی معنی مراد نہیں ہیں اسی لئے نبی کو بھی امام کہا ہے اگر امام کے اصطلاحی معنی

۱۔ کلینی کے طریق میں سہیل بن زیاد یا سہل بن زیاد اور ابوعبداللہ المؤمن ہے۔ ابو عبداللہ واقفی ہے اور حدیث میں اختلاط پیدا کرتا ہے اور سہل کی توثیق میں بھی اختلاف ہے۔

۲۔ سلیمان بن خالد بن دہقان بن نافلہ، قاری ومحدث وفقیہ اور صادقینؑ کے اصحاب اور معتمدین میں سے ہے۔

۳۔ صحیح روایت وہ ہے جس کے تمام راوی امامی، عادل اور موثق ہوں اور صدوق کے طریق میں جیسا کہ مشیخہ فقیہ میں ہے۔ یہ لوگ ہیں: والد صدوق از سعد بن عبداللہ اور انہوں نے ابراہیم بن ہاشم سے انہوں نے محمد بن ابی عمیر سے انہوں نے ہشام بن سالم سے اور یہ سب امامی ومورد وثوق ہیں البتہ ان میں ابراہیم بن ہاشم توثیق خاص نہیں رکھتے لیکن چونکہ مشہور امامی راویوں میں سے ہیں اس لئے ان کی توثیق محل شک نہیں ہے۔

۴۔ ورواہ الصدوق باسنادہ عن سلیمان بن خالد۔

وسائل الشیعہ ج۱۸ ص ۷، کتاب القضاء، باب۳، حدیث۳۔ من لا یحضرہ الفقیہ ج۳ ص۴، ابواب القضایا والاحکام، باب۳ حدیث۱

مراد ہوتے تو عالم اور عادل کی قید زاید ہوجائے گی (کیونکہ امام تو عادل وعالم ہوتا ہی ہے اگر غیر عالم یا غیر عادل ہے تو امام ہی نہیں ہوسکتا)

دوسری شرط یہ ہے کہ (قوانین) قضا کا عالم ہو. اگر امام ہو لیکن قضا کا علم نہ رکھتا ہو یعنی اسلام کے قوانین اور عدالتی قوانین کو نہیں جانتا تو حق قضاوت نہیں رکھتا.

تیسری شرط یہ ہے کہ عادل ہو. پس قضاوت کا حق اس شخص کو ہے جو ان تینوں شرطوں ـ سربراہ، عالم اور عـــادل ـ کا حامل ہو. اس کے بعد فرمایا: یہ شرائط نبی یا وصی نبی کے علاوہ کسی پر منطبق نہیں ہوتیں.

میں پہلے عرض کرچکا ہوں کہ منصب قضا فقیہ عادل کے لئے ہے اور یہ موضوع ضروریات فقہ میں سے ہے اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے. اب ہم کو یہ دیکھنا ہے کہ قضاوت کی شرائط فقیہ میں موجود ہیں کہ نہیں. یہ بات واضح ہے کہ فقیہ سے مراد ہر فقیہ نہیں ہے بلکہ فقیہ عادل ہے. فقیہ طبعا عالم بہ قضا ہے. کیونکہ فقیہ کا اطلاق اس شخص پر ہوتا ہے جو محض عالم بہ قوانین اسلام ہی نہ ہو بلکہ عقائد وقوانین ونظام واخلاق کا عالم ہو. یعنی بجمیع معنی الکلمہ دین شناس ہو. فقیہ اگر عادل ہوا تو دوشرط کا حامل ہوا. ایک شرط اور ہے کہ سربراہ بھی ہو اور میں عرض کرچکا کہ فقیہ عادل ـ بحسب تعیین امام ـ مقام امامت وریاست کا قضاوت کے لئے حامل ہے. اس وقت امامؑ نے حصر فرمایا: یہ شروط نبی یا وصی نبی کے علاوہ کسی پر منطبق نہیں ہوتیں. فقہاء چونکہ نبی نہیں ہیں لہذا وصی نبی یعنی ان کے جانشین ہیں. بنابر این وہ مجہول اس معلوم سے پتہ چل جاتا ہے کہ فقیہ وصی رسول (ص) ہے اور زمانہ غیبت میں امام المسلمین ورئیس الملۃ ہوتا ہے. لہذا اسی کو قاضی ہونا چاہئے. اس کے علاوہ کسی کو حق قضاوت نہیں ہے.

امور اجتماعی میں کس کی طرف رجوع کریں؟

تیسری روایت ایک توقیع [1] ہے جس سے استدلال کیا جاتا ہے. میں کیفیت استدلال کو عرض کرتا ہوں:

کتاب اکمال الدین واتمام النعمۃ [2] میں ہے: " **عن محمدبن محمدبن عصام، عن محمدبن یعقوب، عن اسحاق بن یعقوب، قال: سالت محمدبن عثمان العمری ان یوصل لی کتابا قد سالت فیه عن مسائل اشکلت علی. فورد التوقیع بخط مولانا صاحب الزمان (عج): اما ما سالت عنه، ارشدک اللہ وثبتک (الی ان قال) واما الحوادث الواقعة، فارجعوا فیها الی رواۃ حدیثنا. فانهم حجتی علیکم، وانا حجۃ اللہ. واما محمدبن عثمان العمری، فرضی اللہ عنه وعن ابیه، فانه ثقتی وکتابه کتابی** " [3].

اسحاق بن یعقوب، [4] حضرت ولی عصر (عج) کو ایک نامہ لکھ کر ان مشکلات کے بارے میں سوالات کرتے ہیں جو ان کو پیش آئی تھیں اور امام زمانہؑ کے نمائندہ جناب محمد بن عثمان عمری اس

۱۔ توقیع کے معنی لغت میں نامہ کے اوپر نشان لگانے کے ہیں کسی فرمان یا نامہ پر نشان لگانے یا بادشاہ کے دستخط کرنے کو بھی توقیع کہتے ہیں معصومینؑ کے ہر نامہ کو خاص کردہ نامے جو امام زمانہؑ کی طرف سے صادر ہوں اور نواب اربعہ میں سے کسی ایک نے اس کو حضرت حجت (عج) تک پہونچایا ہو وہ حدیث وتاریخ کی کتابوں میں توقیعات کے نام سے مشہور ہیں۔

۲۔ اکمال الدین اور اتمام النعمۃ یہ کتاب کمال الدین اور تمام النعمۃ کے نام سے مشہور ہے. یہ شیخ صدوق کی تالیف ہے (متوفی ۳۸۱ھ ق) اور امام زمانہ (عج) اور ان سے مربوط مسائل، اس میں تحریر کئے گئے ہیں۔

۳۔ کمال الدین ج ۲ ص ۴۸۴ باب التوقیعات، حدیث ۴

۴۔ اسحاق بن یعقوب کلینی نے خود ہی تصریح کی ہے کہ محمد بن عثمان عمری کے واسطہ سے کچھ مشکل مسائل امام عصر (عج) کو پیش کئے گئے تھے اور حضرت کی طرف سے اس کا جواب آیا تھا. توقیع مبارک میں جو جواب آیا تھا اس کی عبارتیں ایسی تھیں: اما ما سئلت عنه ارشدک اللہ وثبتک من امر المنکرین لی من اہل بیتنا وبنی عمنا السلام علیکم یا اسحاق بن یعقوب وعلی من اتبع الهدیٰ اس قسم کے خطاب کو جو امامؑ کی طرف سے ہے اس شخص کی نبالت شان وجلالت قدر پر عمل کیا گیا ہے۔

نامہ کو حضرتؑ تک پہونچا دیتے ہیں. نامہ کا جواب امام زمانہ (عج) کی تحریر کے ساتھ آتا ہے کہ ...
حوادث اور پیش آنے والے واقعات کے سلسلہ میں ہماری حدیث کے راویوں کی طرف رجوع کرو کیونکہ وہ لوگ ہماری طرف سے تم پر حجت ہیں اور میں خدا کی حجت ہوں.

اس روایت میں جو لفظ " **حوادث واقعه** " ہے اس سے مراد مسائل اور احکام شرعیہ نہیں ہیں. اسحاق بن یعقوب بھی ان جدید مسائل کے بارے میں نہیں پوچھنا چاہتے جو شیعوں کو در پیش ہوں گے کیونکہ یہ بات مذہب شیعہ کے واضحات میں سے ہے اور متواتر روایات موجود ہیں کہ مسائل میں فقہاء کی طرف رجوع کیا کریں [1] بلکہ خود حضرات ائمہ معصومینؑ کے زمانہ میں بھی فقہاء کی طرف لوگ رجوع کیا کرتے تھے اور ان سے مسائل پوچھا کرتے تھے. اس لئے جو شخص حضرت حجت سلام اللہ علیہ کے زمانہ میں ہو اور نواب اربعہ [2] سے روابط رکھتا ہو اور امام زمانہؑ کو نامہ لکھتا ہو اور جواب حاصل کرتا ہو اسے اتنا تو جاننا چاہئے کہ مسائل کو جاننے کے لئے کس اشخاص کی طرف رجوع کرنا چاہئے.

" **حوادث واقعه** " سے مراد وہ اجتماعی پریشانیاں اور مصیبتیں ہیں جو مسلمانوں اور لوگوں کو پیش آئی ہیں. پوچھنے والے نے بطور کلی اور سربستہ سوال کیا کہ اب ہماری رسائی آپ تک تو ہوتی نہیں

۱۔ صاحب وسائل نے ان روایات کو جو فقہاء کی طرف رجوع کرنے پر مشتمل ہیں وسائل الشیعہ میں مخصوصا کتاب القضاء " ابواب صفات القاضی " باب ۱۱ میں مختلف الفاظ کے ساتھ نقل کیا ہے.

۲۔ نواب اربعہ سے مراد وہ چار مخصوص آدمی ہیں جو غیبت صغریٰ (۲۶۰ سے ۳۲۹ ھ ق تک) امام زمانہؑ اور شیعوں کے درمیان واسطہ تھے اور وہ یہ ہیں: ۱)۔ ابو عمر عثمان بن سعید بن عمرو العمری، یہ امام دہم ویازدہمؑ کے اصحاب اور معتمد تھے امام عسکریؑ نے ان کو حضرت حجت کے نائب کی حیثیت سے متعارف کروایا تھا. ۲)۔ ابو جعفر محمد بن عثمان بن سعید، یہ امام عسکریؑ کے بھی نائب تھے اور ان کے باپ عثمان بن سعید نے ان کو امام زمانہؑ کے نائبین میں شمار کیا ہے. سن ۳۰۴ یا ۳۰۵ ھ میں وفات پائی اور باپ کے پہلو میں بغداد میں دفن ہوئے ۳)۔ ابوالقاسم حسین بن روح نوبختی، ان کو محمد بن عثمان نے بعنوان اپنے جانشین کے متعارف کروایا کہ یہ میرے بعد نائب امام ہیں ۴)۔ ابوالحسن علی بن محمد سمری، ان کو ابن روح نے امام کے وکیل کی حیثیت سے متعارف کروایا. سمری نے نیمہ شعبان سال ۳۲۸ یا ۳۲۹ میں وفات پائی یہ حضرت کے آخری نائب تھے

لہذا ان اجتماعی پریشانیوں میں ہم کیا کریں ہمارا فریضہ کیا ہے؟ اور (یا یہ ہوسکتا ہے کہ) حوادث کا ذکر کیا ہو اور پوچھا ہو کہ ان حوادث میں کس شخص کی طرف رجوع کریں. جو چیز نظر میں آئی ہے وہ یہ کہ بطور کلی سوال کیا ہو اور حضرت نے اسی سوال کے مطابق جواب دیا ہو کہ ان حوادث ومشکلات میں ہماری حدیثوں کے راویوں کی طرف رجوع کیا کرو. یعنی فقہاء کی طرف رجوع کرو کیونکہ وہ لوگ تمہارے اوپر میری طرف سے حجت ہیں اور میں تم لوگوں پر خدا کی طرف سے حجت ہوں.

حجت خدا یعنی کیا؟ آپ حجت خدا سے کیا سمجھتے ہیں؟ یعنی خبر واحد [1] حجت ہے اس کا کیا مطلب؟ اور اگر زرارہ [2] روایت نقل کریں تو حجت ہے؟ حضرت امام زمانؑ زرارہ کی طرح ہیں کہ اگر وہ حضرت رسول (ص) سے کوئی خبر نقل کریں تو اس کو قبول کرنا چاہئے اور اس پر عمل کریں؟ اور یہ جو کہا جاتا ہے "ولی امر" حجت خدا ہے تو کیا مسائل شرعیہ میں حجت ہے کہ ہمارے لئے مسئلہ بیان کرے؟ اگر رسول خدا (ص) نے فرمایا تھا کہ میں جارہا ہوں اور حضرت علیؑ تمہارے اوپر میری حجت ہیں تو (کیا) آپ یہ سمجھتے ہیں کہ حضرت (ص) تو چلے گئے اب سارے کام معطل ہوگئے ہیں اب صرف مسئلہ گوئی رہ گئی ہے وہ بھی حضرت علیؑ سے متعلق ہے یا آپ یہ سمجھتے کہ جس طرح رسول اکرم (ص) حجت ہیں اور تمام لوگوں کے مرجع ہیں اور خدا نے رسول (ص) کو اس لئے معین کیا ہے

۱۔ خبر واحد وہ ہے جو تواتر تک نہ پہونچے یعنی نقل کرنے والوں کی تعداد اس حد تک نہ پہونچے جو نوعا مفید قطع ویقین ہو. خبر واحد کے نقل کرنے والے اگر مورد اعتماد ہوں تو اس کو "معتبر" کہتے ہیں اور احکام شرعی میں ان سے استناد کیا جاسکتا ہے. خبر واحد کی حجیت سے مراد یہ ہے کہ اس کے موجب پر عمل کرنا واجب ہے اور اگر اس کی کوئی اصل نہ ہو تو اس پر عمل کرنے والا معذور ہوتا ہے.

۲۔ عبدربہ بن اعین شیبانی کوفی ملقب بہ زرارہ (متوفی ۱۵۰ ھ) صادقینؑ کے بزرگ ترین اصحاب میں سے تھے یہ شیخ اہل حدیث اور فقہائے اصحاب میں شمار ہوتے تھے تمام علمائے رجال نے ان کی توثیق کی ہے اور ان کو اصحاب اجماع میں شمار کیا ہے امام صادقؑ سے متعدد روایات ان کے بارے میں آئی ہیں جن سے پتہ چلتا ہے حضرتؑ ان کو محترم سمجھتے تھے الاستطاعہ اور الجبر، دو کتابیں ان کی طرف منسوب ہیں.

کہ تمام امور میں لوگ ان کی طرف رجوع کریں اسی طرح فقہاء بھی تمام امور کے مسئول اور لوگوں کے مرجع عام ہیں ؟

حجت اللہ وہ شخص ہے جس کو خدا نے امور انجام دینے کے لئے معین کیا ہے اور اس کے تمام کاموں کو، افعال واقوال کو مسلمانوں پر حجت بنایا ہے. اگر کسی نے اس کی مخالفت کی تو اس کے خلاف۔ اور اقامہ برہان ودعویٰ۔ احتجاج کیا جائے گا. اگر اس نے حکم دیا کہ فلاں کام انجام دو (مثلاً) حدود کو اس طرح جاری کرو. غنائم، زکات، صدقات کو فلاں مصارف میں خرچ کرو اور آپ نے خلاف ورزی کی تو خدا قیامت میں آپ پر احتجاج کرے گا. اگر حجت موجود ہونے کے باوجود حل وفصل امور کے لئے ظالموں کی عدالت میں رجوع کیا تو قیامت کے دن خدا تم پر احتجاج کرے گا کہ میں نے تمہارے لئے حجت قرار دیا تھا پھر تم نے ظالموں کی طرف اور ستمگاروں کی عدالت کی طرف کیوں رجوع کیا؟ خدا حضرت علیؑ کے وجود کی وجہ سے بیعت نہ کرنے والوں اور کج روی کرنے والوں سے احتجاج کرے گا. حاملان خلافت، معاویہ، خلفائے بنی عباس و بنی امیہ اور جن لوگوں نے ان کے کہنے پر عمل کیا ہے سبھی سے احتجاج ہو گا کہ تم نے زمام مسلمین کو بطور غاصبانہ اپنے ہاتھوں میں کیوں لیا؟ تم میں تو لیاقت تھی نہیں، مقام حکومت وخلافت کو تم نے کیوں غصب کیا؟

خداوند عالم حکام جور سے اور ہر اس حکومت سے جو اسلامی معیاروں کے خلاف عمل کرے گی، سوال کرے گا کہ تم نے کیوں ظلم کیا؟ کیوں مسلمانوں کے اموال کو برباد کیا؟ کیوں جشن چند ہزار سالہ [1] برپا کیا؟

۱۔ محمد رضا پہلوی نے سن ۱۳۵۰ ش کے موسم خزاں میں حکومت شاہنشاہی کا ڈھائی ہزار سالہ جشن ایران کے " پرس پولیس " میں منعقد کیا. اس جشن میں ۶۹ ملکوں سے ۲۰ بادشاہ وامیر عرب، ۵ ملکہ، ۲۱ شاہزادے، ۱۶ صدر، ۳ وزیر اعظم، ۴ صدر کے معاون، ۲ وزیر خارجہ شریک ہوئے تھے یہ جشن ایک ہفتہ رہا. اس میں دو کروڑ ڈالرز سے زیادہ کا خرچ آیا مگر اخبارات میں اس کا خرچ صرف سرکاری طور سے ۱۳۳ ملین تومان ہی دکھایا گیا. مہمانوں کے لئے پذیرائی کا انتظام تین عظیم خیموں اور پچاس دیگر بڑے ==

کیوں لوگوں کے اموال کو تاجگذاری اور اس قسم کے جشن میں صرف کیا [1] اگر وہ کہے زمانہ کے حالات کی وجہ سے میں عدالت نہیں کرسکتا تھا یا (یہ کہے) کہ میں ایسے دربار، محل وعمارت کے بغیر زندگی نہیں گزار سکتا. تاجگذاری اس لئے کی کہ ملک کی ترقی کا اور اپنا تعارف کروا سکوں تو اس سے کہا جائے گا وہ بھی ۔ یعنی حضرت علیؑ کی طرف اشارہ ہے ۔ حاکم تھے، مسلمانوں پر اور وسیع اسلامی سرزمین پر حاکم تھے تم اسلام، مسلمانوں اور اسلامی شہروں کا شرف زیادہ چاہتے یا وہ ؟ تمہاری مملکت زیادہ ہے یاان کی؟ تمہاری حکومت تو ان کی حکومت کاایک جزء تھی ان کی حکومت میں عـــراق، مصر

= = خیموں میں کیاگیا تھا جو وہیں پر لگائے گئے تھے جشن کی جگہ تک تہران وشیراز سے چھ ہزار میل تک بڑے موٹے تاروں سے بجلی لائی گئی تھی اس جشن میں جو شاہانہ غذا دی گئی تھی اس کی تفصیل یہ ہے: بٹیر کے انڈے اور ایک مخصوص قسم کی مچھلی کا پیٹ چاک کرکے انڈے کی تھیلی نکال کر غذا تیار کرتے ہیں، کیکڑا، بکرے کاکباب گلرمتے کےساتھ، بھنے ہوئے مور جن کے اندر قاز کا جگر بھرا ہوا تھا. ان کھانوں کےبعد مٹھائی کی جگہ شہتوت کی طرح کا ایک فرانسیسی تازہ پھل، شیرہ انجیر کے ساتھ اور ایک شہتوت فرانسیسی مخصوص تھا. فرانسیسی ۱۵۹ نفری آدمیوں کی کھیپ جس میں باورچی سے لیکر تمام خادم وغیرہ بھی تھے جشن کے برگزاری کے دن سے دس دن پہلے سے تہران آچکی تھی تاکہ مہمانوں کی پذیرائی کا انتظام کرسکیں، پیرس کے مشہور رسٹورنٹ (ماکزیم) نے غذاؤں اور مشروبات کے ساتھ ۲۵ ہزار بوتل اپنی مخصوص شراب، مہمانوں کےلئے بھیجی تھی، ڈھائی ہزار سالہ جشن کے دنوں میں ۴۰۰ نامہ نگار، فوٹوگرافر، مووی بنانے والے ساری دنیا سے تخت جمشید آئے ہوئے تھے اور ایک ملین سے زیادہ الفاظ فون کے ذریعہ ساری دنیا میں پہونچائے گئے. امریکی ٹیلیویژن N B C نے مراسم جشن کو سٹلائٹ کے ذریعہ کروڑوں امریکیوں کے دیکھنے کےلئے نشر کیا.

تاریخ ۲۵ سالہ ایران، غلام رضا نجاتی ج ۱ ص ۳۴۸ ۔ ۳۵۱. شکست شاہانہ، ماروین زونیس، ترجمہ عباس مخبر ص ۱۲۳ کےبعد

۱۔ محمد رضا پہلوی نے آبان ۱۳۴۶ ش میں رسم تاج پوشی کے سلسلہ میں ایک جشن عظیم، بے اندازہ رقم خرچ کرکے انجام دیا. یہ جشن ایک ماہ تک جاری رہا. اس جشن کےلئے تہران کی سڑکوں کو سات سو ٹن آہن وفولاد سے تین سو کلومیٹر تک بہت موٹے تاروں کے ذریعہ لاکھوں بجلی کے ٹیوب، فلور مرکزی بلبوں سنٹ اور پلاسٹک والمونیم کے بنے ہوئے بورڈوں سے مزین کیاگیا تھا. بادشاہ اور ملکہ کے تاج کو فرانس کے مشہور جواہرساز " پرآریل " نے سونے اور سفید سونے سے بنایا تھا اور گراں قیمت جواہر اس میں استعمال کئے گئے تھے

حجاز، ایران سب ہی تھا اس کے باوجود ان کا دارالامارۃ مسجد تھی اور دکۃ القضا مسجد کے گوشہ میں ایک جگہ تھی مسجد سے لشکر تیار ہوتا تھا اور مسجد سے حرکت کرتا تھا نمازی حضرات جنگ کےلئے جایا کرتے تھے. تم نے خود دیکھا ہوگا یہ کیونکر ترقی کرتے تھے اور کیا کام انجام دیتے تھے [۱]؟

آج فقہائے اسلام لوگوں پر اسی طرح حجت ہیں جس طرح حضرت رسول (ص) حجت خدا تھے اور تمام امور آپ کے سپرد تھے اور جو بھی خلاف ورزی کرتا تھا اس پر احتجاج کیا جاتا تھا. فقہاء امامؑ کی طرف سے لوگوں پر حجت ہیں. تمام امور اور تمام مسلمانوں کے امور ان کےلئے واگزار کئے گئے ہیں (مثلا) حکومت کے امور، مسلمین کی ترقی، عوائد عمومی کالینا اور ان کے مصارف میں خرچ کرنا (لہذا) جو بھی خلاف ورزی کرے گا خدا اس پر احتجاج کرے گا. میں نے جو روایت پیش کی ہے اس کی دلالت میں کوئی اشکال نہیں ہے البتہ اس کی سند قدرے محل تامل ہے [۲] اور اگر دلیل نہ بھی ہو تو ذکر کئے گئے مطالب کی مؤید بہرحال ہے.

قرآن مجید کی بعض آیات

ایک اور روایت جو ہماری بحث کے مؤیدات میں سے ہے وہ مقبولہ عمر بن حنظلہ ہے [۳] چونکہ اس حدیث میں آیت سے تمسک کیا گیا ہے اس لئے ضروری ہے کہ پہلے وہ آیت اور اس کے قبل والی آیات سے بحث کی جائے تاکہ ایک حد تک اس کے معنی معلوم ہوجائیں پھر روایت سے بحث کی جائے:

۱۔ تاریخ طبری ج ۳، ۴؛ الفتوح، ابن اعثم؛ تاریخ فتوحات اسلامی یورپ میں، شکیب ارسلان.

۲۔ سند میں تامل کی وجہ، اسحاق بن یعقوب ہے جس کے بارے میں کوئی خاص توثیق نہیں آئی ہے.

۳۔ مقبولہ وہ حدیث ہے جس کی سند کی صحت وعدم صحت کی طرف توجہ کئے بغیر علمائے فقہ وحدیث نے اس کے مضمون کو قبول کیا ہو اور اس کے مطابق عمل کیا ہو جیسے عمر بن حنظلہ کی مقبولہ.

اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم " ان اللہ یامرکم ان تؤدوا الامانات الی اهلها واذا حکمتم بین الناس ان تحکموا بالعدل، ان اللہ نعمّا یعظکم به، ان اللہ کان سمیعا بصیرا۔ یاایها الذین آمنوا اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول واولی الامر منکم، فان تنازعتم فی شی فردوه الی اللہ والرسول ان کنتم تؤمنون باللہ والیوم الآخر ذلک خیر واحسن تاویلا [1]"

(اے ایمان والو) خدا تمہیں حکم دیتا ہے کہ لوگوں کی امانتیں ان کی حوالے کردو اور جب لوگوں کے باہمی جھگڑوں کا فیصلہ کرنے لگو تو انصاف سے فیصلہ کرو. خدا تم کو اس کی کیا ہی اچھی نصیحت کرتا ہے اس میں تو شک نہیں کہ خدا (سب کی) سنتا ہے اور (سب کچھ) دیکھتا ہے. اے ایمان والو ! خدا کی اطاعت کرو اور رسول وصاحبان امر کی اطاعت کرو اور اگر تم کسی بات میں جھگڑا کرو تو اس میں خدا ورسول کی طرف رجوع کرو بشرطیکہ تم خدا اور آخرت پر ایمان رکھتے ہو تمہارے حق میں بہتر ہے اور انجام کی راہ سے بہت اچھا ہے)

خداوند عالم نے حکم دیا ہے کہ امانتوں کو ان کے اہل کو واپس کرو. کچھ لوگوں کا عقیدہ ہے کہ امانت سے مراد خلقی (مال مردم) اور امانت خالقی (احکام شرعی) مراد ہیں اور امانت الٰہی کے واپس کرنے کا مطلب احکام اسلام کا اجرا اسی طرح کرنا ہے کہ جس طرح وہ ہیں، [2] کچھ اور لوگوں کا خیال ہے کہ امانت سے مراد امامت ہے [3] روایت میں بھی ہے کہ اس آیت سے ہم ۔ یعنی ائمہؑ ۔ مراد ہیں [4] کہ خداوند عالم نے حضرات والیان امر ۔ رسول خدا (ص) اور ائمہؑ ۔ کو حکم دیا ہے کہ ولایت وامامت کو اس کے اہل کے حوالہ کریں، یعنی رسول اکرم (ص) ولایت کو حضرت علیؑ کے اور حضرت علیؑ

۱۔ سورہ نساء / ۵۸ ۔ ۵۹ ۲۔ مجمع البیان سورہ نساء ذیل آیت ۵۸

۳۔ مجمع البیان سورہ نساء ذیل آیت ۵۸ وتفسیر در المنثور اسی آیت کے ضمن میں

۴۔ اصول کافی ج ۲ ص ۲۲ ۔ ۲۴ کتاب الحجۃ ، باب ان الامام علیہ السلام یعرف الامام الذی یکون من بعدہ ... ونیز تفسیر مجمع البیان وتفسیر برہان وتفسیر نور الثقلین ، ذیل آیت مذکورہ

اپنے بعد والے ولی، امام حسنؑ، کو واگزار کریں اور یہ سلسلہ یونہی جاری رہے۔

آیت کے ذیل میں ہے: "**واذا حکمتم بین الناس ان تحکموا بالعدل**" جب تم حاکم ہوجاؤ تو پایہ عدل پر حکومت کرو۔ یہ ان لوگوں سے خطاب ہے جو زمام امور کو اپنے ہاتھ میں لیکر حکومت کرتے ہیں، قضات مراد نہیں ہیں، کیونکہ قاضی صرف قضاوت کرتا ہے نہ کہ حکومت بجمیع معنائے کلمہ۔ قاضی صرف ایک جہت سے حاکم ہے اور حکم کرتا ہے کیونکہ وہ صرف حکم قضائی جاری کرتا ہے نہ کہ حکم اجرائی۔ جیسے کہ قرون اخیرہ میں جو طرز حکومت جاری ہے حکومت کے تین شعبوں میں سے ایک عدلیہ ہوتی ہے۔ یہ پوری حکومت کرنے والے نہیں ہوتے پوری حکومت نام ہے مجموعی طور پر عدلیہ، مجریہ اور مقننہ کا۔ عدلیہ تو حکومت کا صرف ایک شعبہ ہے اور حکومتی کاموں میں سے ایک کام ہے۔ اس لئے ہم کو قائل ہونا چاہیئے کہ آیہ مبارکہ "**واذا حکمتم**" مسائل حکومت میں ظہور رکھتی ہے اور قاضی وتمام حکومت کرنے والوں کو شامل ہے۔ جب یہ طے ہوگیا کہ تمام امور دینی امانت الٰہی سے عبارت ہیں اور اس امانت کو اس کے اہل کو واپس کردینا چاہیئے تو ان میں سے ایک حکومت بھی ہے۔ بنابر آیہ شریفہ حکومت کے ہر امر کو میزان عدالت یعنی قانون اسلام وحکم شرع کے مطابق ہونا چاہیئے تو پھر قاضی کو باطل حکم نہ کرنا چاہیئے یعنی غیر اسلامی ناجائز قانون کے مطابق حکم نہیں دینا چاہیئے اور نہ نظام عدالت اور وہ قانون جس پر اپنے حکم کو مستند کرتا ہے ان میں سے کوئی بھی غیر اسلامی (باطل) نہ ہونا چاہیئے ۔ پارلیمنٹ میں قانون بنانے والے مثلا ملک کی پارلیمنٹ میں حکومتی ٹیکس کے لئے کسانوں پر ان کی عمومی جائداد کے سلسلہ میں، مبنی برانصاف ٹیکس لگائیں ایسا نہ ہو کہ وہ لوگ پس جائیں اور ٹیکس کی زیادتی ان کی تباہی اور جائداد کی بربادی کا سبب اور کھیتی باڑی کے خراب ہونے کا ذریعہ بن جائے۔ قانون کا اجرا کرنے والے اگر اجرائی قانون کا نفاذ کرنا چاہتے ہیں مثلا حدود جاری کرنا چاہتے ہیں تو قانون سے ایک کوڑا بھی زیادہ نہ ماریں، اہانت نہ کریں۔ حضرت علیؑ نے دو چوروں کے ہاتھ

کاٹ دینے کے بعد ان کے ساتھ ایسا محبت کا برتاؤ کیا اور ان کا علاج کیا کہ وہ لوگ حضرت کے مداحوں میں ہوگئے[1] یا جس وقت حضرت علیؑ نے سنا کہ معاویہ کے غارتگر لشکر نے اہل ذمہ کی ایک عورت کے پیر سے اس کی خلخال (جھانجھ) چھین لی تو آپؑ کو اتنا صدمہ ہوا اور دل اتنا زخمی ہوا کہ فرمایا: اگر اس واقعے سے متاثر ہوکر انسان مرجائے تو قابل سرزنش نہیں ہوگا[2] لیکن اس رحم دلی کے باوجود ایک دن تلوار اٹھانے پر مجبور ہوتے ہیں اور فسادیوں کو نیست ونابود کرنے میں کوتاہی نہیں کرتے۔ یہ ہے عدالت کا مطلب۔ حاکم عادل رسول خدا (ص) تھے۔ اگر آنحضرت (ص) حکم دیتے تھے کہ فلاں جگہ پر قبضہ کرلو، فلاں گھر کو آگ لگا دو، فلاں گروہ جو اسلام و مسلمانوں اور قوموں کے لئے نقصان دہ ہے اس کو ختم کر دو، تو یہ سب حکم مبنی بر انصاف ہوتے تھے۔ اگر ان مواقع پر حضرت رسول (ص) اس قسم کے احکام جاری نہ کرتے تو وہ خلاف عدل ہوتا۔ کیونکہ ایسی صورت میں اسلام، مسلمانوں اور معاشرہ بشری کا لحاظ نہ فرمایا ہوتا۔ جو بھی شخص مسلمانوں اور انسانی معاشرے پر حاکم ہو اس کو جہات عمومی اور اجتماعی مفادات کو پیش نظر رکھنا چاہیے۔ جہات خصوصی اور عواطف شخصی سے چشم پوشی کرنی چاہیے۔ اسی لئے اسلام نے معاشرے کے مصالح کے پیش نظر بہت سے افراد کو فانی

۱۔ فروع کافی ج ۷ ص ۲۶۴۔ کتاب الحدود، باب النوادر، حدیث ۲۲۔ وسائل الشیعہ ج ۱۸ ص ۵۲۸۔ کتاب الحدود، ابواب حد السرقہ، باب ۳۰، حدیث ۱۔ بحار الانوار ج ۴۰ ص ۲۸۱۔ تاریخ امیر المؤمنینؑ، باب ۹۷، حدیث ۴۴۔

۲۔ ولقد بلغنی ان الرجل منہم کان یدخل علی المراۃ المسلمۃ والاخری المعاہدۃ، فینتزع حجلہا وقلبہا وقلائدھا ورعثہا ما تمتنع منہ الا بالاسترجاع والاسترحام، ثم انصرفوا وافرین ما نال رجلا منہم کلم ولا اریق لہم دم فلو ان امرا مسلما مات من بعد ہذا اسفا، ماکان بہ ملوما بل کان بہ عندی جدیرا۔ (اور مجھے تو یہ اطلاع بھی ملی ہے کہ اس جماعت کا ایک آدمی مسلمان اور ذمی عورتوں کے گھروں میں گھس جاتا تھا اور ہاتھوں سے کنگن، اور گلوبند اور گوشوارے اور ہار اتار لیتا تھا۔ اور ان کے پاس اس سے حفاظت کا کوئی ذریعہ نظر نہیں آتا تھا سوائے اس کے کہ انا للہ وانا الیہ راجعون کہتے ہوئے اور گڑگڑاتے ہوتے رحم کی بھیک مانگ کر صبر سے کام لیں وہ نعرے پھندے کامیاب ہوکر لوٹ گئے نہ کسی کو زخم آیا نہ خون بہا۔ اب اگر کوئی مسلمان ان سانحات کے بعد رنج سے مرجائے تو اسے ملامت نہیں کی جاسکتی، بلکہ میرے نزدیک ایسا ہی ہونا چاہیے۔) نہج البلاغہ، خطبہ ۲۷۔

کردیا ہے. بہت سے افراد کو انسانی مصالح کے پیش نظر ختم کردیا ہے. بہت سے گروہوں کو ان کے مفسدہ انگیز ہونے اور معاشرے کےلئے مضر ہونے کی وجہ سے ان کی جڑیں کاٹ دیں. یہودان بنی قریظہ چونکہ اچھے لوگ نہ تھے، اس جماعت نے مسلمانوں میں فساد پھیلا دیاتھا اور اسلام وحکومت اسلامی کو ضرر پہونچاتے تھے لہذا رسول خدا (ص) نے ان کو قتل کرنے کا حکم دیدیا [1] اصولا یہ دونوں صفتیں مؤمن کی ہیں کہ : ۱)۔ عدالت کی جگہ پر بڑی جرات کے ساتھ عدالت کا اجراء کرے کسی قسم کی مہربانی، محبت، نرم دلی کا اظہار نہ کرے اور ۲)۔ مہربانی کی جگہ بہت ہی محبت وشفقت ومہربانی سے پیش آئے. معاشرے کےلئے " پناہ گاہ " ہو. مسلمان وغیر مسلمان حکومت کے زیر سایہ امن وآرام سے زندگی بسر کریں کوئی خوف محسوس نہ کریں اور آج کل جو لوگ حکام سے ڈرتے ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ حکومت از روئے قوانین وقواعد نہیں ہے بلکہ خود سر لوگوں کی ہے، لیکن حکومت اسلامی جو حضرت علیؑ جیسے شخص کے ہاتھ میں اس حکومت میں صرف خائن، ظالم، تعدی کرنے والے، تجاوز کرنے والے ۔۔ چور، اچکے، بدمعاش ۔۔ جیسے لوگوں کےلئے تو خوف ہے، لیکن عام طور سے پبلک کو کسی قسم کا نہ خوف ہوتا ہے نہ ڈر نہ پریشانی.

دوسری آیت میں ارشاد ہوتا ہے: " **یاایہا الذین آمنوا اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول واولی الامر منکم ۔۔۔ الخ** "

۱۔ بنی قریظہ یہودیوں کا ایک قبیلہ تھا جو مدینہ میں رہتا تھا. انہوں نے رسول خداؐ سے پیمان دوستی باندھا تھا، لیکن جنگ احزاب (خندق) کے موقع پر پیمان شکنی کی اور مسلمانوں کے خلاف قریش وغطفان سے مل گئے. ان سے عہد وپیمان کرلیا اور مدینہ کو غیر محفوظ کردیا. جنگ میں کامیابی کےبعد رسول خداؐ نے بنی قریظہ کا محاصرہ کرلیا. ان لوگوں نے کہا ہم سعد کو حکم بنانے پر تیار ہیں یہ جو فیصلہ کردیں ہم کو قبول ہے. سعد بن معاذ نے حکم دیا مردوں کو قتل کردیا جائے، عورتوں اور بچوں کو اسیر کرلیا جائے اور ان کے اموال کو مسلمانوں میں تقسیم کردیا جائے

سیرہ ابن ہشام ج ۳ ۴۰۳ ص ۲۳۳، ۲۴۶. تاریخ طبری ج ۲ ص ۲۴۵.

روایت میں ہے کہ پہلی آیت (ان تؤدوا الامانات الی اھلھا) کا تعلق ائمہ معصومینؑ سے ہے اور عدالت کا حکم دینے والی آیت (واذا حکتم بین الناس) امراء سے متعلق ہے۔ یہ آیت (اطیعوا اللّٰہ) تمام مسلمانوں سے متعلق ہے [1] ان کو حکم دیا گیا ہے کہ احکام الٰہی میں خدا کی اور رسول (ص) "واولی الامر" یعنی ائمہؑ کی اطاعت کریں۔ ان کی تعلیمات کی پیروی کریں۔ ان کے حکومتی احکام کی اطاعت کریں۔ میں نے کہا: کیا اوامر خدا کی اطاعت، رسول خدا (ص) کی اطاعت کے علاوہ ہے؟ تمام عبادیات وغیر عبادیات (احکام شرع الٰہی) اوامر خدا ہی تو ہیں، نماز کے بارے میں رسول خدا (ص) کا کوئی حکم نہیں ہے اگر آنحضرت (ص) لوگوں کو نماز کے لئے آمادہ کرتے ہیں تو حکم خدا ہی کا تو اجرا ہے۔ ہم بھی جو نماز پڑھتے ہیں امر خدا کی اطاعت کرتے ہیں۔

(البتہ) رسول (ص) کی اطاعت " طاعة اللّٰہ " سے الگ ہے۔ اوامر رسول (ص) کا مطلب یہ ہے کہ جو حکم خود آنحضرت (ص) کی طرف سے صادر ہو اور امر حکومتی ہو مثلاً حضور فرمادیں: اسامہ کے لشکر کے ساتھ کوچ کرو، سرحدوں کی اس طرح حفاظت کرو، ٹیکسوں کو کہاں سے جمع کرو، لوگوں سے کس طرح برتاؤ کرو ... یہ سب احکام رسول (ص) ہیں۔ خدا نے ہم کو پابند بنایا ہے کہ رسول (ص) کی اطاعت کریں جس طرح ہم مامور ہیں کہ اولوا الامر کی اطاعت کریں۔ ہمارے مذہب کے بدیہیات میں سے ہے کہ اس سے ائمہؑ مراد ہیں۔ اولوا الامر کی اطاعت بھی اوامر حکومتی ہیں غیر اطاعت خدا ہے۔ ہاں اس اعتبار سے کہ چونکہ خدا نے رسول واولوا الامر کی اطاعت کا حکم دیا ہے لہذا ان کی اطاعت در حقیقت خدا کی اطاعت ہے۔

اسی آیت کے ذیل میں ہے: " فان تنازعتم فی شی فردوہ الی اللّٰہ والرسول ان کنتم تؤمنون باللّٰہ والیوم الاخر ذلک خیر واحسن تاویلا " (اگر کسی چیز میں آپس میں اختلاف ہو تو خدا

۱۔ اصول کافی ج ۱ ص ۲۷۶ کتاب الحجہ، باب ان الامامؑ یعرف الامام الذی یکون من بعدہ ... حدیث ۱۔ تفسیر برہان ج ۱ ص ۳۷۹، ۳۸۶ ذیل آیات ۳۴ و ۱۔

ورسول (ص) کی طرف رجوع کریں.)

لوگوں میں نزاع دو قسم کا ہوتا ہے: ایک قسم یہ کہ، دو گروہوں یا دو شخصوں کے درمیان کسی بات پر اختلاف ہوتا ہے مثلا ایک کادعویٰ ہے فلاں میرا مقروض ہے اور دوسرا منکر ہے اور موضوع کےلئے ضروری ہے کہ شرعی یا عرفی طور سے ثابت کیا جائے. اس قسم کے اختلافات میں قاضی کی طرف رجوع کرنا چاہیئے .قاضی موضوع کی تحقیق کرکے فیصلہ کرے گا. اس قسم کے اختلافات کو دیوانی مقدمات کہا جاتا ہے.

دوسری قسم یہ ہے کہ آپس میں کوئی اختلاف نہیں ہے بلکہ مسئلہ ظلم کا ہے مثلا کسی بدمعاش نے کسی کا مال لےلیا یا لوگوں کا مال کھالیا، یا چور کسی کے گھر سے مال چرا لے گیا. ان مقامات پر مرجع اور مسئول قاضی نہیں ہے بلکہ عدالت ہے ان موارد پر " جو فوجداری مقدمات کہے جاتے ہیں نہ کہ حقوقی " کبھی جزائی اور حقوقی دونوں جمع ہوجاتے ہیں. شروع میں معاملہ مدعی العموم کا (عدالت) ہوتا ہے جو احکام وقوانین کا محافظ ہے اور اس کا شمار معاشرے کا دفاع کرنے والوں میں ہوتا ہے یہ کام شروع کرتا ہے اور پھر آخر میں قاضی تحقیق کرکے حکم صادر کرتا ہے. لیکن یہ سارے احکام ۔ خواہ دیوانی ہوں یا فوجداری ۔ حکام کے ایک دوسرے گروہ کے ذریعہ ۔ جن کو قوہ مجریہ کہا جاتاہے ۔ اجرا کئے جاتے ہیں.

قرآن کا کہنا ہے: " واذا تنازعتم "جس امر میں بھی تمہارے درمیان نزاع ہو احکام خدا میں مرجع اور اجرا میں بھی رسول (ص) ہی ہیں. رسول خدا (ص) احکام کو خدا سے لیکر اجراء کریں گے اب اگر موضوع اختلافی ہوا تو آنحضرت (ص) بعنوان قاضی مداخلت کریں گے اور فیصلہ کریں گے اور اگر دوسرے قسم کے جھگڑے ہوں گے مثلا حق کشی وغیرہ جب بھی مرجع رسول (ص) ہی ہوں گے کیونکہ آپ (ص) ہی حکومت اسلامی کے سربراہ ہیں اس لئے آپ (ص) کی ذمہ داری ہے فیصلہ

کریں خواہ کسی کو بھیج کر حق لیں اور پھر مالک کو دیں. یہ بات یاد رکھنے کی ہے کہ جن امور میں مرجع رسول (ص) ہیں انہیں میں ائمہؑ بھی مرجع ہیں اور ائمہؑ کی اطاعت بھی رسول (ص) کی اطاعت ہے.

بحث کا خلاصہ: پہلی آیت " **اذا حکمتم بین الناس** "اور دوسری آیت " **اطیعوا اللّٰہ واطیعوا الرسول** "اور آیت " **فان تنازعتم فی شی** "اعم از حکومت وقضاوت ہے صرف قضاوت کے لئے مخصوص نہیں، قطع نظر اس بات سے کہ بعض آیات کا ظہور حکومت میں اجرائی مفہوم رکھتا ہے.

بعد والی آیت میں ارشاد ہے: " **الم تر الی الذین یزعمون انہم آمنوا بما انزل الیک وما انزل من قبلک یریدون ان یتحاکموا الی الطاغوت وقد امروا ان یکفروا بہ** ..." ۔ اے رسول (ص) ۔ کیا تم نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جن کا گمان یہ ہے کہ وہ ان چیزوں پر بھی ایمان لائے ہیں جو تم پر نازل کی گئیں اور ان پر بھی جو تم سے پہلے والوں پر نازل کی گئی تھیں کہ وہ طاغوت ۔ ناجائز طاقتوں ۔ کے پاس داد خواہی کرنا چاہتے ہیں حالانکہ ان کو حکم دیا گیاہے کہ طاغوت کا انکار کریں.

اگر ہم یہ نہ بھی کہیں کہ " طاغوت "سے مراد حکومت جور اور بطور کلی غیر اسلامی حکومتیں ہیں جنہوں نے حکومت الٰہی کے مقابلہ میں سرکشی کرکے حکومت وسلطنت قائم کرلی ہے، تب بھی اتنا تو ماننا ہی پڑے گا کہ قضات وحکام سے اعم ہے اور چونکہ انصاف کے لئے اور احقاق حق اور ظالم کو سزا دینے کے لئے غالبا قضات کی طرف رجوع کرنا پڑتا ہے اور پھر حکم قضائی کو مجریان ۔ جن کو عام طور سے حکومت کرنے والے پہچانتے ہیں ۔ اجرا کرتے ہیں اور حکومت ہائے جور خواہ وہ قضات ہوں یا مجریان یا دوسری اقسام یہ سب طاغوت ہیں کیونکہ حکم خدا سے سرکشی کرکے اپنے حسب منشاء قوانین بناتے ہیں اور قضات انہیں کے مطابق حکم کرتے ہیں اور خدا نے حکم دیا ہے کہ ان کا انکار کرو یعنی ان کی، ان کے اوامر کی اور ان کے احکام کی مخالفت کرو. واضح ہے کہ جو لوگ طاغوت کا انکار کرنا چاہتے ہیں یعنی ناجائز حکومت کے احکام کی نافرمانی کرتے ہیں ان کے فرائض اور ان کی ذمہ داریاں بہت سخت ہیں جس کے لئے مقدور بھر کوشش کرنی چاہئے.

عمر بن حنظلہ کی مقبولہ

اب میں عمر بن حنظلہ [1] کی مقبولہ کی تحقیق کرنا چاہتا ہوں تاکہ پتہ چلے وہ کیا کہتی ہے اور اس کا کیا مقصد ہے؟

" محمدبن یعقوب، عن محمدبن یحیی، عن محمدبن الحسین، عن محمدبن عیسی، عن صفوان بن یحیی، عن داودبن الحصین، عن عمربن حنظله قال: سالت ابا عبدالله (ع) عن رجلین من اصحابنا بینهما منازعة فی دین او میراث فتحاکما الی السلطان والی القضاة، ایحل ذلک؟ قال: من تحاکم الیهم، فی حق او باطل، فانما تحاکم الی الطاغوت وما یحکم له، فانما یاخذه سحتا وان کان حقا ثابتا له؛ لانه اخذه بحکم الطاغوت وما امر الله ان یکفر به. قال الله تعالیٰ: " یریدون ان یتحاکموا الی الطاغوت وقد امروا ان یکفروا به ." قلت: فکیف یصنعان؟ قال: ینظران من کان منکم ممن قد روی حدیثنا ونظر فی حلالنا وحرامنا وعرف احکامنا... فلیرضوا به حکما. فانی قد جعلته علیکم حاکما... [2] "

عمر بن حنظلہ کہتے ہیں: میں نے امام جعفر صادقؑ سے اپنے دو دوستوں کے بارے میں پوچھا کہ ان دونوں میں قرض یا میراث کے بارے میں نزاع تھا انہوں نے اس سلسلہ میں قضات سے رابطہ قائم کیا تھا. حضور کیا فرماتے ہیں، کیا یہ جائز ہے؟ امامؑ نے فرمایا: حق یا ناحق نزاع کے بارے میں ان لوگوں کی طرف رجوع کرنا در حقیقت طاغوت ـ یعنی قدرت حاکمہ ناروا ـ کی طرف رجوع کرنا ہے اور

۱۔ ابو صحز، عمر بن حنظلہ عجلی کوفی شیخ طوسی وبرقی نے ان کو اصحاب امامین باقر وصادقؑ سے شمار کیا ہے. یہ خود بہت مشہور راوی ہیں. بزرگان اصحاب مثلا زرارہ، ہشام بن سالم، عبداللہ بن بکیر وعبداللہ بن مسکان، وصفوان بن یحییٰ ... نے ان سے روایت کی ہے. یہ چیز خود ان کی وثاقت کے لئے کافی ہے اس کے علاوہ یزید بن خلیفہ کی روایت ان کی مدح پر دلالت کرتی ہے.

۲۔ اصول کافی ج ۱ ص ۸۶ کتاب فضل العلم، باب اختلاف الحدیث، حدیث ۱۰. وسائل الشیعہ ج ۱۸ کتاب الواب صفات القاضی، باب ۱۱، حدیث ۱.

جو کچھ بھی اس کے حکم سے لے گا وہ در حقیقت بطور حرام لے گا، چاہے اس نے جو کچھ لیا ہے وہ حقیقت میں اس کا حق رہا ہو لیکن چونکہ طاغوت کے حکم پر اور اس طاقت کی بناپر لیا ہے جس کے بارے میں حکم خدا ہے کہ اس کا کفر کیاجائے: " **یریدون ان یتحاکموا الی الطاغوت وقد امروا ان یکفروا به** " (لہذا وہ حرام ہوگا) راوی کہتا ہے: میں نے پوچھا: پھر وہ لوگ کیا کریں؟ امامؑ نے فرمایا: ان کو دیکھنا چاہئے اگر تم میں سے کوئی ایسا شخص موجود ہے جو ہماری روایات کا راوی ہو، ہمارے حلال وحرام پر نظر رکھتا ہو اور ہمارے احکام وقوانین کو پہچانتا ہو ... تو اس کو بعنوان قاضی ومنصف قبول کرلیں اس لئے کہ ہم نے اس کو تم لوگوں پر حاکم قرار دیا ہے۔

روایت کے صدر وذیل اور امامؑ کا آیت سے استشہاد کرنا (ان سب) سے ظاہر ہوتا ہے موضوع سوال ایک امر کلی تھا اور امامؑ نے بھی تکلیف کلی ہی کو بیان فرمایا ہے۔ (یعنی) راوی پوچھتا ہے: کیا دیوانی اور فوجداری مقدموں کے حل کے لئے قضات اور اجرائی حکام (دونوں) کی طرف رجوع کیا جاسکتا ہے ؟ (گویا) بطور کلی حکومتی قضات کی طرف رجوع اس لئے کیا جائے کہ حق ثابت ہوسکے اور جھگڑے کا فیصلہ اور سزا معین ہوسکے اور اجرائی حکام کی طرف رجوع اس لئے کیا جائے تاکہ مخالف کو قبول فیصلہ کے لئے مجبور کیا جاسکے یا دیوانی وفوجداری حکم کا نفاذ کیا جاسکے۔ اس لئے اس روایت میں امامؑ سے سوال کیا جاتا ہے کہ کیا بادشاہوں اور حکومتوں اور قاضیوں کی طرف رجوع کرسکتے ہیں؟

حکومتوں سے فیصلے چاہنا حرام ہے

حضرتؑ نے جواب میں فرمایا: ناجائز حکومتوں کی طرف رجوع کرنا خواہ امور اجرائی کے بارے میں ہو یا امور قضائی کے بارے میں ہو حرام ہے۔ امامؑ حکم دیتے ہیں کہ مسلمانوں کو اپنے امور میں بادشاہوں اور حکام جور اور ان قاضیوں کی طرف رجوع نہ کرنا چاہئے جو ان بادشاہوں کے عمال میں سے ہوں۔ چاہے ان کا حق ثابت ہو اور وہ صرف احقاق حق اور اس کے لینے کے لئے اقدام کرنا چاہتے ہوں۔

اگر مسلمان کے لڑکے کو قتل کردیا گیا ہو، یا اس کے گھر کو لوٹ لیا گیا ہو، پھر بھی اسے حق نہیں ہے کہ داد رسی کے لئے حکام جور کی طرف رجوع کرے۔ اسی طرح اگر کسی کو قرض دیا ہے اور گواہ بھی زندہ ہے اور گواہی کے لئے تیار ہے پھر بھی ظالم عمال کی طرف رجوع کرنا جائز نہیں ہے اور اگر ایسے مواقع پر ان لوگوں کی طرف رجوع کیا تو طاغوت کی طرف مراجعت لازم آئے گا اور اگر ان حکومتوں کے ذریعہ اپنا ثابت شدہ حق حاصل کرنے میں کامیاب ہوگیا تب بھی اس نے حرام چیز لی ہے اس پر تصرف کرنے کا حق نہیں رکھتا۔ انتہاء یہ ہے کہ بعض فقہاء نے عین شخصی [1] کے بارے میں بھی فرمایا ہے مثلاً کسی نے آپ کی عبا چھین لی اور آپ نے حکام جور کے ذریعہ اس کو واپس لیا تو اس میں بھی آپ کو حق تصرف نہیں ہے [2] پس اگر ہم عین شخصی کے بارے میں نہ بھی قائل ہوں تو عین کلی کے بارے میں کوئی شک ہرگز نہیں ہے۔ مثلاً کسی کا قرض تھا اور اسے اپنا حق طلب کرنے کے لئے اس کے علاوہ جس کو خدا نے معین کیا تھا اپنا مرجع اور اپنے قرض وصول کرنے کا وسیلہ بنایا اور قرض وصول ہوگیا تو اس قرض پر تصرف نہیں کرسکتا۔ میزان شرع کا تقاضا یہی ہے۔

اسلام کا سیاسی حکم

یہ اسلام کا ایک سیاسی حکم ہے جس کی وجہ سے مسلمان ناروا حکومتوں اور ان کے معین کردہ قاضیوں سے اجتناب کریں گے تو ظالم اور غیر اسلامی عدالتیں خود بخود بند ہوجائیں گی۔ یہ لمبی چوڑی تشکیلات عدالتی جس میں لوگوں کو زحمتوں کے علاوہ کچھ نہیں ملتا فطری طور سے بند ہوجائیں گی۔ ائمہ معصومینؑ اور جو لوگ ان کی طرف سے حق حکومت وقضاوت رکھتے ہیں ان کی طرف رجوع کا راستہ

۱۔ اگر کوئی مدعیٰ علیہ پر حکم کلی کا دعویٰ کرے اور مورد مطالبہ معین و مشخص نہ ہو تو اس کو "عین کلی" کہا جاتا ہے اور اگر معین و مشخص ہو تو "عین شخصی" کہا جاتا ہے۔

۲۔ محقق سبزواریؒ، کفایۃ الاحکام میں اس احتمال کے قائل ہوئے ہیں۔ القضاء، محقق آشتیانی، ص ۲۲

کھل جائے گا۔ ائمہؑ کا اصلی مقصد یہ تھا کہ سلاطین اور ان کے عمال جو قضات ہیں وہ مرجع امور نہ ہونے پائیں اور نہ ہی لوگ ان کے پیچھے لگیں اس لئے ملت مسلمہ کو بتادیا کہ یہ لوگ مرجع نہیں ہیں اور خدا نے حکم دیا ہے کہ لوگوں کو چاہئے کہ بادشاہوں اور حکام جور کی مخالفت کریں۔ اگر آپ ان کا انکار کریں اور ان کو نااہل وظالم سمجھیں تو پھر ان کی طرف رجوع نہ کریں۔

علمائے اسلام کی طرف رجوع کریں

بنابر این ملت اسلام کی ذمہ داری کیا ہے؟ حوادث اور منازعات میں کیا کریں، کس کی طرف رجوع کریں؟ معصومؑ نے فرمایا: اختلافات کی صورت میں ہمارے ان راویان حدیث کی طرف رجوع کریں جو حلال وحرام خدا کو قواعد کے مطابق جانتے ہوں اور ہمارے احکام کو عقلی وشرعی میزان کے مطابق پہچانتے ہوں۔ امامؑ نے کسی طرح کا ابہام نہیں رکھا کہ کوئی یہ نہ کہہ سکے کہ راویان حدیث سے مراد محدثین ہیں اور وہی مرجع اور حاکم ہیں کیونکہ تمام مراتب کو ذکر کرکے مقید کردیا کہ حلال وحرام پر قواعد کے مطابق نظر رکھتا ہو اور احکام کی معرفت رکھتا ہو، قواعد وموازین اس کے ہاتھوں میں ہوں تا کہ جو روایات از روئے تقیہ وارد ہوئی ہیں یا کسی اور جہت سے وارد ہوئی ہیں اور خلاف واقع ہیں انہیں پہچان سکے اور یہ واضح ہے کہ احکام کی معرفت اور حدیث کی شناخت نقل حدیث سے مختلف ہے۔

حکومت کے لئے علماء معین کئے گئے ہیں

ارشاد معصومؑ ہے: " فانی قد جعلته علیکم حاکما " (جس شخص کے اندر ایسی شرائط ہوں اس کو میں نے تم لوگوں پر حاکم ۔ وفرماں روا۔ قراردیاہے) اور جس شخص میں یہ شرائط ہوں وہ میری طرف سے مسلمانوں کے قضائی امور اور حکومتی امور کے لئے معین کیا گیا ہے۔ مسلمانوں کو حق نہیں ہے

کہ اس کے علاوہ کسی اور کی طرف رجوع کریں۔ اس لئے اگر کوئی بدمعاش تمہارا مال کھالے تو اس کی شکایت ان لوگوں سے کرو جن کو اجرائے امور کے لئے امامؑ نے معین کیا ہے اسی طرح اگر کسی سے قرض کے بارے میں جھگڑا ہے اور اس کے اثبات کی ضرورت ہے تو اس سلسلہ میں اس قاضی کی طرف رجوع کرو جس کو امامؑ نے معین کیا ہے۔ دوسرے کی طرف رجوع نہیں کرسکتے۔ یہ تمام مسلمانوں کا فریضہ ہے نہ یہ کہ عمر بن حنظلہ اس مشکل میں گرفتار تھے اور (صرف) ان کی یہ ذمہ داری تھی۔

امامؑ کا یہ حکم کلی اور عمومی ہے جیسے حضرت علیؑ اپنے دور حکومت ظاہری میں خود حاکم تھے اور والی وقاضی معین فرمایا کرتے تھے اور تمام مسلمانوں کی ذمہ داری تھی کہ اطاعت کریں۔ اسی طرح امام جعفر صادقؑ بھی ولی مطلق ہیں اور تمام علماء، فقہاء اور دنیا کے لوگوں پر آپؑ کی حکومت تھی۔ آپؑ بھی اپنی زندگی میں اور مرنے کے بعد کے لئے بھی قاضی اور حاکم معین کرسکتے تھے اور آپؑ نے یہی کام کیا بھی اور منصب حکومت کو فقہاء کے لئے قرار دے دیا اور " حاکما " سے تعبیر فرما دیا تاکہ کسی کو یہ خیال نہ ہو کہ صرف قضاوت فقہاء کے سپرد فرمایا ہے دیگر امور حکومتی سے علماء وفقہاء کو کوئی ربط نہیں ہے۔

نیز صدر وذیل روایت اور اس آیت سے جو حدیث میں مذکور ہے استفادہ ہوتا ہے کہ موضوع فقط قاضی کا معین کرنا نہیں ہے کہ امامؑ نے صرف قاضی معین کیا ہے اور مسلمانوں کے دیگر امور میں ان کی کوئی تکلیف معین نہیں کی ہے تاکہ یہ کہا جائے کہ ایک سوال جو ظالم حکومتوں سے داد خواہی سے متعلق ہے وہ بلاجواب رہ گیا۔

یہ روایت واضحات میں سے ہے اور اس کی سند ودلالت میں کوئی وسوسہ نہیں ہے [1] اور اس میں

۱۔ سند میں خدشہ صرف عمر بن حنظلہ کی وجہ سے تھا مگر ان کی توثیق کے لئے ص ۱۴۶ کے حاشیہ پر لکھا جاچکا ہے اور دلالت واشکالات کی بحث مفصل طور سے متن میں آچکی ہے۔

کوئی شک نہیں ہے کہ امامؑ نے فقہاء کو حکومت وقضاوت کے لئے معین کیا ہے تمام مسلمانوں پر لازم ہے کہ حکم امامؑ کی اطاعت کریں.

مزید وضاحت کے لئے میں دوسری روایات کو بطور موید پیش کرتا ہوں. لیجئے ابو خدیجہ [1] کی روایت.

" محمدبن حسن باسنادہ، عن محمدبن علی بن محبوب، عن احمدبن محمد، عن حسین بن سعید، عن ابی الجہم، عن ابی خدیجة، قال بعثنی ابوعبداللہ (ع) الی احد من اصحابنا فقال: قل لہم: ایاکم، اذا وقعت بینکم الخصومة او تداری فی شی من الاخذ والعطاء ان تحاکموا الی احد من ہؤلاء الفساق. اجعلوا بینکم رجلا قد عرف حلالنا وحرامنا، فانی قد جعلتہ علیکم قاضیا. وایاکم ان یخاصم بعضکم بعضا الی السلطان الجائر. [2] "

ابوخدیجہ ۔ امام جعفر صادقؑ کے ایک معتمد صحابی ۔ کہتے ہیں: حضرت صادقؑ نے مجھے اپنے دوستوں میں سے ایک کے پاس بھیجا کہ میں ان لوگوں سے کہہ دوں: اگر تمہارے درمیان کوئی دشمنی اور نزاع ہوجائے یا لین دین میں کوئی اختلاف ہوجائے تو خبردار ان فاسقوں میں سے کسی ایک کو بھی حکم نہ بنانا (بلکہ) اپنے میں سے کسی ایسے شخص کو حکم بنالینا جو ہمارے حلال وحرام کو پہچانتا ہو کیونکہ میں نے اس کو تمہارے اوپر قاضی بنایا ہے. خبردار تم میں سے کوئی ایک دوسرے کے خلاف ظالم بادشاہ کے پاس اس کی شکایت نہ لے جائے.

روایت میں " تداری " سے مراد اختلاف دیوانی ہے یعنی اختلاف دیوانی اور نزاعات دعاوی میں ان فساق کی طرف رجوع نہ کرنا. اس کے بعد جو فرمایا ہے کہ میں نے تمہارے لئے قاضی معین کردیا ہے اس سے پتہ چلتا ہے کہ " فساق " سے مراد قاضیوں کی وہ غلط کار جماعت ہے جو امرائے وقت اور

۱۔ سالم بن مکرم بن عبداللہ کناسی، مکنی بہ ابوخدیجہ وابو سلمہ، امام صادقؑ وامام کاظمؑ کے اصحاب میں سے تھے اور انہوں نے دونوں سے روایت کی ہے ابن قولویہ اور علی بن فضال نے ان کی توثیق کی ہے اور نجاشی نے ان کو ثقہ کہا ہے.

۲۔ وسائل الشیعہ ج ۱۸ ص ۱۰۰ کتاب القضاء، ابواب صفات القاضی، باب ۱۱، حدیث ٦.

ناجائز حکومت کی طرف سے معین تھی اور منصب قضاوت پر فائز تھی۔ حدیث کے آخر میں ارشاد ہے:
" وایاکم ان یخاصم بعضکم بعضا الی السلطان الجائر " مخاصمات میں بھی ظالم بادشاہ یعنی ناجائز حکام کی طرف رجوع نہ کرو۔ یعنی جو چیزیں امور اجرائی سے متعلق ہیں ان میں بھی ان کی طرف رجوع نہ کرو۔ اگرچہ سلطان جائر بطور کلی ناجائز اور ظالم حکومت کے بھی معنی میں ہے اور ہر غیر اسلامی حکومت کرنے والوں کو شامل ہے اور حکومت کے تینوں شعبوں عدلیہ، مقننہ اور مجریہ کو شامل ہے، لیکن اس سے پہلے چونکہ ظالم جج کی طرف رجوع کرنے سے روکا جاچکا ہے اس لئے یہ مجریان سے متعلق ہے کیونکہ آخری جملہ یقینا مطلب سابق کی تکرار نہیں ہے اس لئے کہ پہلے ہی قاضی فاسق کی طرف رجوع کرنا تحقیق اور اقامہ بینہ وغیرہ میں ممنوع کردیا گیا ہے اور امامؑ کی طرف سے قاضی معین ہوچکے ہیں۔ اس لئے اب بادشاہوں کی طرف رجوع کرنے سے روکا جارہا ہے اور اس سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ قضا اور چیز ہے اور سلاطین کی طرف رجوع الگ چیز ہے یہ دو الگ باتیں ہیں۔ عمر بن حنظلہ کی روایت میں ہے کہ بادشاہوں اور قضات سے داد خواہی نہ کرو۔ اس سے دونوں باتوں کی طرف اشارہ ہے۔ البتہ اس روایت میں صرف نصب قاضی کےلئے کہا ہے اور عمر بن حنظلہ کی روایت میں حاکم مجری اور قاضی دونوں کو معین کیا ہے۔

کیا علماء منصب حکومت سے معزول ہیں؟

اب یہ دیکھنا ہے کہ اس روایت کے مطابق جب امامؑ نے منصب قضاوت کو فقہاء کےلئے قرار دیا ہے اور بنابر روایت عمر بن حنظلہ ریاست وقضاوت دونوں کو فقہاء کےلئے قرار دیا ہے تو کیا امامؑ کے دنیا سے رحلت کرجانے کےبعد فقہاء خود بخود اپنے عہدے سے الگ ہوجائیں گے؟ اور اسی طرح تمام وہ قضات وامراء جن کو ائمہؑ نے معین کیا تھا ان کے جانے کےبعد خود بخود منصب ریاست وقضاوت سے معزول ہوجائیں گے یا نہیں؟

اس بات سے قطع نظر کرتے ہوئے کہ " امامؑ کی وضع وولایت دوسروں سے فرق رکھتی ہے اور بنابر مذہب شیعہ، ائمہؑ کے تمام اوامر واحکام ان کی زندگی میں جس طرح واجب الاتباع ہیں مرنے کے بعد بھی اسی طرح لازم الاتباع ہیں " ہم کو یہ دیکھنا ہے کہ تعیین مناصب دنیا میں جو لوگوں کے لئے ہوتے ہیں آخر وہ کس طرح کے ہوتے ہیں۔

دنیاوی اقتدار میں خواہ شاہی ہو یا جمہوری ہو یا کوئی دوسری صورت ہو، اگر صدر یا بادشاہ وقت مرجائے یا حالات دگرگوں ہوجائیں اور سربراہ بدل جائے تو دوسرے عہدیدار، اور منصبدار، فوج کے سپہ سالار وغیرہ نہیں بدلا کرتے۔ مثلا فوج کے سپہ سالار کا عہدہ خود بخود اس سے نہیں چھن جائے گا۔ سفیر اپنی سفارت سے معزول نہیں ہوجائے گا، گورنر، ڈپٹی کمشنر، تحصیلدار وغیرہ اپنی جگہ سے الگ نہیں ہوتے، نیاحاکم یا نئی حکومت ان کو معزول کرسکتی ہے لیکن یہ مناصب خود بخود معزول نہیں ہوتے۔ البتہ بعض چیزیں خود بخود ہوجاتی ہیں (ان کو ختم کرنے کی ضرورت نہیں ہوا کرتی) جیسے اجازہ حسبیہ [1] یا وکالت جو فقیہ کسی کو دیتا ہے کہ فلاں شہر میں امور انجام دے۔ تو اگر فقیہ فوت ہوجائے تو یہ بھی ختم ہوجاتی ہیں۔ لیکن بالفرض اگر فقیہ کسی صغیر پر قیم معین کردے یا کسی موقوفہ پر متولی معین کردے تو فقیہ کے مرنے کے بعد بھی یہ مناصب باقی رہتے ہیں۔

۱۔ امور حسبیہ وہ پسندیدہ امور ہیں جن کو شرع چاہتی ہے کہ وہ معاشرہ میں وجود میں آئیں اور ایک یا چند نفر کے انجام دینے سے دوسروں کے عہدے سے ساقط ہوجاتا ہے۔ اس کے مصادیق میں امر بالمعروف ونہی عن المنکر، دفاع اور قضاوت کو شمار کیا جاسکتا ہے۔ ان امور کی انجام دہی زمان غیبت میں فقیہ عادل سے متعلق ہے اور وہ اس عہدے پر دوسرے کو بھی معین کرسکتا ہے۔

علماء کا منصب ہمیشہ محفوظ ہے

اسی طرح ائمہ نے علماء کے لئے جو ریاست وقضاوت کا عہدہ معین فرمایا ہے وہ ہمیشہ محفوظ رہے گا. امامؑ جو ہر جہت کی طرف متوجہ رہتے ہیں اور جن کے کام میں کسی قسم کی غفلت کی گنجائش نہیں ہوتی وہ اس بات کی طرف متوجہ تھے کہ دنیا کی حکومتوں میں سربراہ کے مرجانے کے بعد اشخاص کے منصب محفوظ رہتے ہیں. اگر حضرتؑ کا نظریہ یہ ہوتا کہ ان کے مرنے کے بعد فقہاء کا منصب قضاوت وحق ریاست ختم ہوجائے گا تو لوگوں کو یہ ضرور بتاجاتے کہ جب تک میں ہوں اسی وقت تک فقہاء کا یہ منصب ہے. میرے بعد یہ لوگ اپنے منصب سے معزول ہوجائیں گے. اس لئے فقہائے اسلام اس روایت کی بناپر امامؑ کی طرف سے مقام حکومت وقضاوت پر منصوب ہیں اور یہ منصب فقہاء کے لئے ہمیشہ محفوظ ہے. اب رہا یہ احتمال کہ ہوسکتا ہے بعد کے امامؑ نے اس حکم کو توڑ دیا ہو اور فقہاء کو اس منصب سے معزول کردیا ہو تو یہ بالکل بیہودہ بات ہے کیونکہ امامؑ نے فرمایا ہے: اپنا حق لینے کے لئے بادشاہوں اور ان کے قاضیوں کی طرف رجوع نہ کیا کرو، کیونکہ ان کی طرف رجوع کرنا طاغوت کی طرف رجوع کرنا ہے. اس کے بعد آیہ شریفہ سے تمسک فرمایا ہے کہ خدا نے حکم دیا ہے کہ طاغوت کا انکار کرو اس کے بعد لوگوں کے لئے قاضی وحاکم معین فرمایا ہے. اب اگر بعد والا امامؑ اس منصب کو ختم کردے اور دوسرا قاضی وحاکم بھی معین نہ کرے تو مسلمانوں کی ذمہ داری کیا ہوگی؟ وہ لوگ اختلافات وتنازعات کی صورت میں کیا کریں؟ کیا فساق وظالمین کی طرف رجوع کریں جو رجوع بہ طاغوت اور برخلاف حکم خدا ہے؟ یا ہاتھ پر ہاتھ رکھے بیٹھے رہیں تاکہ لوگوں کے حقوق پامال ہوجائیں (یہ ممکن نہیں ہے) البتہ یہ ہوسکتا ہے کہ اگر امامؑ ایک شہر کے لئے قاضی معین کردے تو اس کے مرنے کے بعد دوسرا امامؑ اس قاضی کو معزول کرسکتا ہے اور اس کی جگہ دوسرے کو نامزد کرسکتا ہے. لیکن یہ نہیں ہوسکتا کہ معین شدہ مناصب کو بطور کلی ختم کردے. یہ مطلب بہت واضح ہے.

اب میں ایک ایسی روایت ذکر کرنے لگا ہوں جو ہمارے مطلب کی مؤید ہے. اگر ہماری دلیل انہیں روایات میں سے کسی ایک پر منحصر ہوتی تو ہم اپنا مطلب ثابت نہیں کرسکتے تھے لیکن اصول مطلب گذر گیا اور پہلے جن روایات کو ہم نے ذکر کیا ہے ان کی دلالت مکمل ہے.

صحیحہ قداح

" علی بن ابراهیم، عن ابیه، عن حماد بن عیسی، عن القداح (عبداللّٰہ بن میمون [1]) عن ابی عبداللّٰہ (ع) قال، قال رسول اللّٰہ (ص) من سلک طریقا یطلب فیه علماً، سلک اللّٰہ به طریقا الی الجنة. وان الملائکة لتضع اجنحتها لطالب العلم رضا به. وانه یستغفر لطالب العلم من فی السماء ومن فی الارض حتی الحوت فی البحر. وفضل العالم علی العابد کفضل القمر علی سایر النجوم لیلة البدر. وان العلماء ورثة الانبیاء. ان الانبیاء لم یورثوا دینارا ولادرهما، ولکن ورثوا العلم. فمن اخذ منه، اخذ بحظ وافر [2]"

امام صادقؑ قول رسول (ص) کو نقل کرتے ہیں: جو طلب علم کے لئے راستہ چلے گا خدا اس کے لئے جنت کا راستہ کھول دے گا اور ملائکہ خدا کی خوشنودی (یاطالب علم) کی خوشنودی کے لئے اس کے پیروں کے نیچے اپنے بال وپر بچھا دیں گے. زمین وآسمان کے رہنے والے یہاں تک کی سمندر کی مچھلیاں بھی طالب علم کے لئے استغفار کرتی ہیں. عالم کی عابد پر برتری ایسی ہے جیسی چودھویں رات کو چاند کی روشنی کی برتری ستاروں کی روشنی پر ہوتی ہے اور یقینا علماء انبیاء کے وارث ہیں. انبیاء درہم ودینار میراث میں نہیں چھوڑتے، بلکہ علم کو میراث میں چھوڑا کرتے ہیں. بنابریں جس نے علم سے فائدہ حاصل کیا اس نے بہت بڑا اور شایان شان فائدہ حاصل کیا.

۱۔ عبداللہ بن میمون بن الاسور القداح، صادقینؑ کے اصحاب میں سے تھے نجاشی اور علامہ نے ان کو ثقات میں شمار کیا ہے.

۲۔ اصول کافی ج ۱ ص ۴۲ کتاب فضل العلم، باب ثواب العالم والمتعلم، حدیث ۱

اس حدیث کے تمام رجال ثقہ ہیں یہاں تک کہ پدر علی بن ابراہیم (بھی ثقہ ہیں [۱]) یعنی ابراہیم بن ہاشم [۲] بزرگان ثقات میں سے ہیں (یعنی نقل حدیث میں معتمدترین شخص ہیں) نہ یہ کہ صرف ثقہ تھے یہی روایت مضمون میں تھوڑے سے اختلاف کے ساتھ دوسری سند کے ساتھ بھی منقول ہے مگر وہ ضعیف ہے یعنی ابوالبختری تک تو سند صحیح ہے مگر خود ابوالبختری [۳] ضعیف ہے. ابو البختری کی روایت یہ ہے:

" عن محمدبن یحیی، عن احمدبن محمدبن عیسی، عن محمدبن خالد، عن ابی البختری، عن ابی عبداللّٰہ (ع)، قال: ان العلماء ورثۃ الانبیاء. وذاک ان الانبیاء لم یورثوا درھما ولادینارا، وانما اورثوا احادیث من احادیثھم. فمن اخذ بشی منھا، فقد اخذ حظا وافرا. فانظروا علمکم ھذا عمن تاخذونہ. فان فینا، اھل البیت، فی کل خلف عدولا، ینفون عنہ تحریف الغالین وانتحال المبطلین وتاویل الجاھلین [۴]"

۱۔ علی بن ابراہیم بن ہاشم قمی، یہ تیسری صدی ہجری کے آخر اور چوتھی صدی ہجری کے اوائل میں تھے محدث، مفسر، فقیہ اور مشائخ کلینی میں سے تھے آپ کی تالیفات بہت ہیں ان میں سے چند یہ ہیں: مناقب، قرب الاسناد، شرائع، مغازی، انبیاء، تفسیر قرآن. قم میں مدفون ہیں.

۲۔ ابراہیم بن ہاشم قمی، امام جوادؑ کے اصحاب میں سے تھے انہوں نے اصحاب ائمہ سے بہت سی روایات نقل کی ہیں کہاجاتا ہے کہ آپ پہلے وہ شخص ہیں جنہوں نے کوفیوں کی حدیثوں کو قم میں عام کیا. آپ کی تالیفات میں کتاب نوادر اور قضایائے امیرالمؤمنینؑ ہیں.

۳۔ وہب بن وہب بن کثیر بن عبداللہ معروف بہ ابو البختری (۲۰۰ ھ ق) امام صادقؑ کے راویوں میں سے ہیں اور ہشام بن عروہ سے بھی روایت کرتے ہیں. بغداد میں رہتے تھے اپنی حدیثوں میں متہم ہیں. علمائے اہل سنت ان میں سے احمد بن حنبل ان کو جاعل اور کذاب شمار کرتے ہیں. علمائے امامیہ میں سے شیخ طوسی نے ان کو عامی المذہب اور ضعیف کہا ہے. ابن غضائری نے ان کے بارے میں کہا ہے یہ عامی اور کذاب ہے. امام جعفر صادقؑ سے روایات نقل کی ہیں جو مورد وثوق ہیں.

۴۔ اصول کافی ج ۱ ص ۳۹ کتاب فضل العلم، باب صفۃ العلم وفضلہ وفضل العلماء، حدیث ۲.

امام صادقؑ فرماتے ہیں: علماء انبیاء کے وارث ہیں اس لئے کہ انبیاء درہم ودینار کا وارث نہیں بناتے، بلکہ اپنی حدیثوں کا وارث بناتے ہیں. بنابریں جس نے بھی ان کی حدیثوں سے فائدہ حاصل کیا در حقیقت بہت بڑا فائدہ حاصل کیا لہذا دیکھو کہ تم اپنا علم کس سے حاصل کرتے ہو کیونکہ ہم اہل بیت رسول (ص) کی ہر نسل میں ایسے عادل افراد رہتے ہیں جو مبالغہ کرنے والوں کی تحریف، باطل پرستوں کی غلط نسبتوں، جاہلوں کی تاویلوں کی نفی کرتے رہتے ہیں.

روایت کی تحقیق

اس روایت کو یہاں پر نقل کرنے سے ہمارا مقصد یہ ہے " **العلماء ورثۃ الانبیاء** " کا جملہ جو اس حدیث میں آیا ہے اس کا مطلب معلوم ہوجائے. مرحوم نراقی نے بھی اس روایت سے تمسک کیا ہے [1] یہاں پر چند امور پر بحث ہے:

۱. علماء سے کون افراد مراد ہیں ؟ علمائے امت مراد ہیں؟ یا ائمہ معصومینؑ مراد ہیں ؟ بعض اہل علم نے احتمال ظاہر کیا ہے کہ اس سے ائمہ معصومینؑ مراد ہیں ؟ [2] لیکن بظاہر اس سے علمائے امت مراد ہیں اور خود حدیث حکایت کرتی ہے کہ ائمہؑ مراد نہیں ہیں کیونکہ جو فضائل ومناقب ائمہؑ کے لئے آئے ہیں وہ اس کے علاوہ ہیں. یہ جملے کہ انبیاء نے اپنی میراث حدیثوں کو قرار دیا ہے جس نے بھی اس کو حاصل کیا حصہ وافر حاصل کیا... ائمہؑ کی تعریف میں ہو ہی نہیں سکتے. یہ جملے اس بات کے گواہ ہیں کہ اس سے مراد علمائے امت ہیں. اسی طرح ابو البختری والی روایت میں جملہ " **العلماء ورثۃ الانبیاء** " کے بعد فرمایا ہے: " **فانظروا علمکم هذا عمن تاخذونه** " کہ بظاہر فرمانا چاہتے ہیں علماء انبیاء کے وارث ہیں مگر یہ ضرور دیکھنا چاہئے کہ یہ اپنے علوم کس شخص سے حاصل کرتے ہیں تاکہ انبیاء کی وراثت کے قابل ہوسکیں. یہ کہنا کہ مراد یہ ہے: ائمہؑ انبیاءؑ کے وارث ہیں (لہذا) لوگوں

---

۱. عوائد الایام ص ۱۸۶ " فی تحدید ولایۃ الحاکم " حدیث ۱

۲. بلغۃ الفقیہ ج ۳ ص ۲۲۶

کو ائمہؑ سے علم حاصل کرنا چاہئے خلاف ظاہر ہے۔ ائمہؑ کے بارے میں وارد شدہ روایات کو جو بھی پڑھے گا اور حضرت رسول (ص) کی نظر میں ائمہؑ کی اہمیت کو جانتا ہوگا وہ سمجھ لے گا کہ اس روایت میں علماء سے مراد ائمہؑ نہیں ہیں بلکہ علمائے امت ہیں چنانچہ اس قسم کے مناقب علماء کے لئے بہت سی روایات میں وارد ہیں جیسے " **علماء امتی کسائر انبیاء قبلی** " (میری امت کے علماء مجھ سے پہلے والے باقی انبیاء کی طرح ہیں) و " **علماء امتی کانبیاء بنی اسرائیل**[۱] " (میری امت کے علماء بنی اسرائیل کے انبیاء کے مانند ہیں) بہرحال واضح ہے کہ علمائے امت مراد ہیں۔

۲۔ ممکن ہے کہا جائے کہ تنہا جملہ " **العلماء ورثة الانبیاء** " سے جس مطلب کو ثابت کرنا چاہتے ہیں ۔ یعنی ولایت فقیہ ۔ اس کو ثابت نہ کرسکیں گے اس لئے کہ انبیاء ایک جہت نبوت رکھتے ہیں اور وہ یہ ہے کہ مبدء اعلیٰ سے ذریعہ وحی یا الہام یا دوسری کیفیت کے واسطہ سے علم حاصل کرتے ہیں، لیکن یہ حیثیت مؤمنین اور لوگوں پر مقتضی ولایت نہیں ہے اور اگر خدا امامت وولایت کی حیثیت ان کے لئے قرار نہ دے تو قہری طور سے وہ اس حیثیت کے حامل نہیں ہوں گے فقط نبی رہیں گے۔ اب اگر تبلیغ پر بھی مامور ہوئے تو جو چیزیں ان کے پاس ہیں ان کو لوگوں تک پہونچانا ضروری ہوگا۔ روایات میں نبی اور رسول میں فرق رکھا گیا ہے۔ رسول مامور بر تبلیغ ہوتا ہے لیکن نبی صرف مطالب کو حاصل کرتا ہے[۲] اور چونکہ حیثیت نبوت وحیثیت ولایت میں فرق ہے اور حدیث " **العلماء ورثة الانبیاء** " میں وصف عنوانی[۳] انبیاء مراد تھے اور علماء کو اسی وصف عنوانی کے اعتبار سے بمنزلہ انبیاء قرار دیا گیا ہے اور یہ وصف ولایت کا اقتضاء نہیں کرتا۔ اس لئے اس جملہ سے علماء کے لئے

۱۔ بحار الانوار ج ۲ ص ۲۲ کتاب العلم باب ۸ حدیث ۶۷

۲۔ اصول کافی ج ۱ ص ۲۴۵۔ ۲۴۶ کتاب الحجۃ، باب طبقات الانبیاء والرسل والائمہ، حدیث ۱

۳۔ وصف عنوانی ایک صفت ہے جو اجزائے قضیہ کے کسی جزء کی جگہ آتی ہے۔ مقصد یہ ہے کہ حدیث صرف صفت نبوت کی طرف ناظر ہے یعنی علماء وارثان انبیاء ہیں اور انبیاء وہ حضرات ہیں جو دینی مطالب کو منبع وحی سے لیتے ہیں، اس لئے یہ ثابت نہیں کرتی کہ ولایت وامامت کی ذمہ داری جو بعض انبیاء کے سر تھی وہ انبیاء کے وارثوں کے لئے بھی ہے۔

استفادہ ولایت نہیں کیا جاسکتا. ہاں اگر حدیث میں ہوتا کہ علماء بمنزلہ حضرت موسیٰ یا حضرت عیسیٰ ہیں تب ہم سمجھ سکتے تھے کہ جس طرح جناب موسیٰ اور جناب عیسیٰ تمام جہات کے اور تمام حیثیات کے۔ ان میں سے ایک ولایت بھی ہے۔ حامل ہیں علماء بھی ولایت کے حامل ہیں لیکن اس طرح نہیں ہے اور علماء کو بمنزلہ شخص نہیں قرار دیا گیا. اس لئے اس جملہ سے استفادہ ولایت نہیں کرسکتے.

اس اشکال کا جواب اس طرح دیا جاسکتا ہے کہ روایات وظواہر الفاظ سمجھنے کا معیار عرف عام اور لوگوں کا فہم عام ہے. تجزیہ اور علمی تحلیل نہیں ہے اور ہم بھی عرف کے تابع ہیں. اگر کوئی فقیہ روایات سمجھنے میں دقائق علمی کو استعمال کرتا ہے تو بہت سے مطالب کو نہیں سمجھ پائے گا. لہذا اگر ہم " العلماء ورثۃ الانبیاء " کو عرف کے سامنے پیش کریں تو کیا ان کے ذہن میں آئے گا کہ انبیاء کا وصف عنوانی مراد ہے؟ اور صرف اسی وصف عنوانی پر مطلب کی تنزیل کی جائے گی؟ یا اس جملہ کو اشخاص کے لئے علامت قرار دیا جائے گا؟ یعنی اگر عام لوگوں سے پوچھا جائے فلاں فقیہ بمنزلہ موسیٰ وعیسیٰ ہے یا نہیں ؟ تو اس روایت کے مطابق عرف جواب دے گا: ہاں کیونکہ موسیٰ وعیسیٰ نبیوں میں سے ہیں یا اگر پوچھا جائے فقیہ رسول خدا (ص) کا وارث ہے یہ نہیں ؟ تو عرف کہے گا: ہاں کیونکہ رسول (ص) انبیاء میں سے ہیں.

اس لئے ہم " انبیاء " کو بطور وصف عنوانی مراد نہیں لے سکتے بالخصوص جبکہ وہ صیغہ جمع کے ساتھ ہے. اگر لفظ مفرد ہوتا تو پھر بھی احتمال کی گنجائش تھی، لیکن جب فرمایا: " انبیاء " اور جمع کا لفظ استعمال کیا یعنی کل فرد من الانبیاء [1] نہ یہ کہ کل فرد من الانبیاء بما ھم انبیاء کہ اس طرح نظر وصف عنوانی پر ہوتی اور یہ وصف عنوانی کو دیگر اوصاف سے جدا کردیتا اور کہتا فقیہ بمنزلہ نبی ہے نہ کہ بمنزلہ رسول اور نہ بمنزلہ ولی. یہ تجزیہ و تحلیل روایات میں خلاف عرف وخلاف عقلاء ہے.

۱۔ کل فرد من الانبیاء یعنی ہر ایک نبی اپنے تمام مراتب اور ان مسئولیتوں کے ساتھ جو اس کی گردن پر ہیں اور کل فرد من الانبیاء بما ہم من الانبیاء کا مطلب یہ ہے کہ ہر نبی تنہا از این نظر کہ نبی ہے اور بغیر اس کالحاظ کئے ہوئے اس کے ذمہ امامت وولایت بھی ہے یا نہیں ہے۔

۳۔ بالفرض ہم مان لیں کہ تنزیل وصف عنوانی میں ہوئی ہے اور علماء بمنزلہ انبیاء بما ہم انبیاء ہیں تو جس حکم کو خدا نے اس تنزیل کے مطابق نبی کے لئے ثابت فرمایا ہے اس کا حکم علماء کے لئے بھی ثابت تسلیم کریں۔ مثلا اگر کہاجائے فلاں شخص بمنزلہ عادل ہے اس کے بعد کہاجائے عادل کا اکرام واجب ہے تو اس حکم اور تنزیل سے یہ بات سمجھ میں آئے گی کہ فلاں شخص کا اکرام واجب ہے۔ بنابر این ہم آیت " **النبی اولیٰ بالمؤمنین من انفسہم** "[1] (نبی تو مؤمنین سے خود ان کی جانوں سے بھی بڑھکر حق رکھتے ہیں) سے علماء کے لئے منصب ولایت ثابت کرسکتے ہیں اس طرح کہ اولویت سے مراد ولایت وامارت ہے جیسا کہ مجمع البحرین [2] میں خود اسی آیت کے ذیل میں امام باقرؑ کی روایت ہے: یہ آیت دربارہ امارت (حکومت وولایت) نازل ہوئی ہے [3] بنابرین جو ولایت وامارت نبیؐ، مؤمنین پر رکھتا ہے وہی ولایت وامارت علماء کے لئے بھی ثابت ہے اس لئے کہ آیت میں حکم وصف عنوانی پر آیا ہے اور روایت میں بھی تنزیل وصف عنوانی پر کیا گیا ہے۔

اس کے علاوہ ان آیات سے بھی استدلال کیا جاسکتا ہے جن سے رسول خدا (ص) کے لئے احکام ثابت کئے گئے ہیں جیسے " **اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول واولی الامر منکم** "اس طرح کہ ہم کہتے ہیں عرف کی نظر میں رسول اور نبی میں کوئی فرق نہیں ہے۔ اگرچہ بعض روایات میں نزول وحی کی کیفیت کے اعتبار سے نبی اور رسول میں فرق کیا گیاہے [4] لیکن عرف اور عقلاء کی نظر میں دونوں کے ایک ہی معنی ہیں۔ عرف کی نظر میں نبی وہ شخص ہے جو خدا کی طرف سے خبر دے اور رسول وہ ہے کہ خدا اس سے جو کچھ بھی کہے وہ لوگوں تک پہونچا دے۔

۱۔ احزاب / ۶ ۲۔ مجمع البحرین ومطلع النیرین فی غریب القرآن والحدیث، اس کتاب میں قرآن اور شیعہ روایات کے الفاظ کی شرح کی گئی ہے۔ فخرالدین بن محمد علی بن احمد بن طریح نجفی معروف بہ شیخ فخرالدین طریحی (متوفی ۱۰۸۵ھ) موصوف نے اپنی کتاب میں صحاح، قاموس، نہایہ وغیرہ جیسی مشہور کتب لغت سے استفادہ کیا ہے۔

۳۔ مجمع البحرین ج ۱ ص ۴۵۷۔

۴۔ اصول کافی ج ۱ ص ۷۔۱۷۶ کتاب الحجہ، باب الفرق بین الرسول والنبی والمحدث۔

۴۔ ممکن ہے کہ یہ کہاجائے: رسول خدا (ص) کے انتقال کے بعد جو احکام ان کی جگہ پر لائے گئے وہی ایک قسم کی "میراث" ہیں۔ اگرچہ اصطلاحا ان کو میراث نہیں کہا جاتا۔ اور جو لوگ ان احکام کو حاصل کرتے ہیں وہی وارث رسول (ص) ہیں، لیکن آنحضرت (ص) جو تمام لوگوں پر ولایت رکھتے تھے یہ منصب ولایت کہاں سے معلوم کہ قابل ارث ہے اور میراث میں تقسیم ہوتا ہے؟ جو چیز قابل ارث ہے شاید وہ احکام واحادیث ہی ہوں اور خود اس روایت میں بھی ہے کہ انبیاء علم کو میراث میں چھوڑ کرجاتے ہیں۔ اسی طرح ابو البختری کی روایت میں ہے: انبیاء اپنی حدیثوں کا وارث بناتے ہیں۔ پس ثابت ہوا کہ احادیث کو میراث میں چھوڑا ہے، ولایت قابل ارث ومیراث نہیں ہے۔

یہ اشکال بھی صحیح نہیں ہے اس لئے کہ ولایت وامارت امور اعتباری وعقلائی میں سے ہے لہذا اس میں عقلاء کی طرف رجوع کرنا چاہئے اور یہ دیکھنا چاہئے کہ عقلاء ولایت وحکومت کے انتقال کو ایک شخص سے دوسرے کی طرف بعنوان میراث اعتبار کرتے ہیں کہ نہیں کرتے؟ مثلا اگر دنیا کے عقلمندوں سے پوچھا جائے کہ فلاں سلطنت کا وارث کون ہے؟ تو کیا وہ لوگ جواب میں یہ کہیں گے کہ منصب قابل میراث نہیں ہوا کرتا یا جواب دیں گے فلاں وارث تخت وتاج ہے؟ اصولا یہ جملہ "وارث تخت وتاج" مشہور جملوں میں سے ہے۔ اسی طرح شک نہیں ہے کہ امر ولایت بھی عقلاء کی نظر میں اموال کی طرح مثل ارث ہے جو ایک شخص سے دوسرے کی طرف منتقل ہوتا ہے اگر کوئی آیہ شریفہ "**النبی اولیٰ بالمؤمنین من انفسہم**" کو دیکھے اور اس روایت "**العلماء ورثۃ الانبیاء**" کو دیکھے تو وہ سمجھ لے گا کہ یہی امور اعتباریہ مراد ہیں جن کو عقلاء قابل انتقال سمجھتے ہیں۔

اگر یہ عبارت "**العلماء ورثۃ الانبیاء**" ائمہؑ کے بارے میں آئی ہوتی جیسا کہ روایت میں ہے کہ ائمہؑ تمام امور میں رسولخدا (ص) کے وارث ہیں [1] تو اس میں کسی کو شک نہ ہوتا کہ ائمہؑ تمام

۱۔ اصول کافی ج ۱ ص ۳۲۱۔ ۳۴۳ کتاب الحجۃ، باب ان الائمۃ ورثۃ الانبیاء یرث بعضہم بعضا العلم، الی باب ما عندالائمۃ من سلاح رسول اللہؐ ومقامہ

امور میں رسول (ص) کے وارث ہیں اور کوئی بھی نہ کہتا کہ اس سے مراد فقط مسائل شرعیہ اور علم کی وراثت مراد ہے. لہذا اگر ہمارے پاس صرف " **العلماء ورثة الانبیاء** " والا جملہ ہوتا اور روایت کے آغاز واختتام سے قطع نظر کرلیتے تب بھی یہی بات سمجھ میں آتی کہ رسول خدا (ص) کے انتقال کے بعد ان کے تمام شئون قابل انتقال ہیں ان میں لوگوں پر حکومت شامل ہے جو رسول (ص) کے بعد ائمہؑ کے لئے ہے. اسی طرح فقہاء کے لئے بھی ثابت ہے البتہ جو چیزیں دلیل سے خارج ہوجائیں ان کی بات الگ ہے ہم بھی ان چیزوں کو الگ کرتے ہیں جو دلیل سے خارج ہوجاتی ہیں.

سب سے بہتر اور معقول اعتراض یہ رہ جاتا ہے کہ " **العلماء ورثة الانبیاء** " والا جملہ ایسے جملوں کے درمیان آیا ہے جو اس بات کے لئے قرینہ بن سکتے ہیں کہ میراث سے مراد احادیث ہی ہیں کیونکہ صحیحہ قداح میں ہے: " **ان الانبیاء لم یورثوا دینارا ولادرهما ولکن ورثوا العلم** " اور ابو البختری کی روایت میں " **لم یورثوا درهما ولادینارا** " کے بعد آیا ہے: " **انما اورثوا احادیث من احادیثهم** " اور یہ عبارت قرینہ ہے کہ انبیاء کی میراث حدیثیں ہوتی ہیں. اس کے علاوہ کوئی اور چیز ایسی باقی نہیں رہتی جو میراث ہو خصوصا جملہ کے شروع میں " **انما** " ہے جو حصر پر دلالت کرتا ہے.

مگر یہ اعتراض بھی ناقص ہے اس لئے کہ اگر یہ مان لیاجائے کہ رسول اکرم (ص) حدیثوں کے علاوہ کسی اور چیز کو بعنوان میراث چھوڑ کر نہیں گئے تو یہ برخلاف ضرورت مذہب شیعہ ہے. اس لئے کہ رسول (ص) نے کئی چیزوں کو اپنی جگہ پر چھوڑا ہے جو بعنوان میراث حاصل کی گئی ہیں اور یقینی طور سے رسول (ص) امت پر ولایت رکھتے تھے. آنحضرت (ص) کے بعد امر ولایت امیرالمؤمنینؑ کو منتقل ہوا اسی طرح یکے بعد دیگرے تمام ائمہؑ کو منتقل ہوتا رہا اور یہاں پر کلمہ " **انما** " یقینا حصر کے لئے نہیں ہے، بلکہ اصلا معلوم نہیں ہے کہ " **انما** " کی دلالت حصر پر ہوتی ہے. اس کے علاوہ صحیحہ قداح میں لفظ " **انما** " نہیں آیا صرف ابو البختری کی روایت میں آیا ہے مگر میں پہلے ہی عرض کرچکا کہ وہ روایت سند کے اعتبار سے ضعیف ہے.

اب میں صحیحہ کے جملوں سے بحث کرتا ہوں کے دیکھوں اس کے جملے اس بات پر قرینہ بنتے ہیں کہ نہیں کہ کیا میراث انبیاء صرف احادیث ہوتی ہیں؟

" من سلک طریقا یطلب فیه علما سلک اللہ به طریقا الی الجنة " یہ جملہ علماء کی تعریف میں آیا ہے مگر یہ خیال نہ کیجئے گا کہ اس سے ہر عالم کی تعریف کی گئی ہے اور علماء چاہے جیسے ہوں یہ تعریف ان کے بارے میں ہے۔ آپ کافی میں فرائض علماء بیان کرنے والی روایت کو پڑھئے [1] تاکہ معلوم ہوجائے کہ جو بھی چند کلمہ درس پڑھ لے وہ علماء اور ورثہ انبیاء میں نہیں شمار ہوتا بلکہ ان کی ذمہ داریاں ہیں اور اس وقت کام مشکل ہوجاتا ہے۔

" وان الملائکة لتضع اجنحتها لطالب العلم رضا به " وضع اجنحہ کا مطلب اہل کو معلوم ہے [2] یہاں اس کا مقام بحث نہیں ہے یہ عمل برائے احترام ہے یا خفض جناح وتواضع (مراد) ہے۔

" وانه یستغفر لطالب العلم من فی السماء ومن فی الارض حتی الحوت فی البحر " یہ جملہ ایک مفصل بحث کا محتاج ہے جو فعلا ہمارے موضوع سے خارج ہے۔

" وفضل العالم علی العابد کفضل القمر علی سائر النجوم لیلة البدر " اس جملہ کا بھی مفہوم معلوم ہے۔

" وان العلماء ورثة الانبیاء " آغاز روایت سے یہاں تک علماء کی تعریف اور ان کے فضائل واوصاف کا بیان ہے اور ان کے فضائل میں سے ایک یہ ہے کہ وہ انبیاء کے وارث ہیں اور انبیاء کا وارث ہونا ان کے لئے اس وقت باعث فضیلت ہے جب وہ انبیاء کی طرح لوگوں پر ولایت (حکومت) رکھتے ہوں اور واجب الاطاعہ ہوں۔

اور جو روایت کے ذیل میں ہے: " ان الانبیاء لم یورثوا دینارا ولادرهما " اس کا مطلب یہ

۱۔ اصول کافی ج ۱ ص ۴۲، ۴۵ کتاب فضل العلم، باب فقہ العلماء۔

۲۔ اربعین امام خمینیؒ ص ۴۱۴ - ۴۱۶ حدیث ۲۶۔

نہیں ہے کہ انبیاء کا ورثہ علم اور حدیث کے علاوہ کچھ اور ہوتا ہی نہیں، بلکہ اس کا مقصد یہ ہے کہ انبیاء باوجودیکہ ولی امر ہوتے ہیں لوگوں پر حکومت کرتے ہیں پھر بھی وہ رجال الٰہی ہوتے ہیں افراد مادی نہیں ہوتے کہ زخارف دنیوی اور مال ودولت کے جمع کرنے میں لگ جائیں، بلکہ انبیاء کی حکومت کا طریقہ دنیاوی بادشاہوں کی حکومت وسلطنت کے برخلاف ہوتا ہے دنیاوی بادشاہ سرمایہ سمیٹتے اور مال اندوزی کرتے ہیں مگر رسول اکرم (ص) بہت سادہ تھے اپنے مقام ومنصب سے مادی زندگی کے نفع کے لئے کچھ نہیں کیا تاکہ اس دولت کو اپنے بعد کے لئے چھوڑ جاتے، بلکہ جو چیز آپ (ص) چھوڑ گئے وہ علم تھا کہ جو اشرف امور ہے خصوصا وہ علم جو خدا کی طرف سے ہو. روایت میں جو خاص علم کا ذکر ہے وہ شاید اسی وجہ سے ہو. بنابریں یہ نہیں کہا جاسکتا کہ چونکہ اس روایت میں اوصاف علماء بیان کئے گئے ہیں اور اس میں وراثت علم کا ذکر ہے مگر وراثت مال کا ذکر نہیں ہے اس لئے اس سے ثابت ہوتا ہے کہ علماء صرف علم اور حدیث کے وارث ہوتے ہیں.

بعض مقامات پر اس حدیث کے ذیل میں " ما ترکناہ صدقۃ " بھی آیا ہے جو حدیث کا جزء نہیں ہے. محض سیاسی نکتہ نظر سے حدیث میں اضافہ کردیا گیا ہے. کیونکہ یہ حدیث اہل سنت کی فقہ میں بھی آئی ہے [1].

زیادہ سے زیادہ جو بات یہاں کہی جاسکتی ہے وہ یہ ہے کہ اس احتمال کے بعد یہ جملے قرینہ ہوسکتے ہیں کہ ہم " العلماء ورثۃ الانبیاء " کے اطلاق سے تمسک نہیں کرسکتے اور نہ یہ کہہ سکتے ہیں کہ جو چیزیں انبیاء کے لئے ثابت ہیں وہ سب علماء کے لئے ثابت ہیں. مگر ایسا بھی نہیں ہے کہ ان جملوں کے قرینہ ہونے کا احتمال سبب بن جائے کہ آپ یہ کہیں: روایت کا ظہور اس میں ہے کہ علماء صرف علم

---

۱. یہ حدیث. بخاری ج ۱ ص ۲۵ کتاب العلم، باب العلم قبل القول والعمل... سنن الدارمی ج ۱ ص ۱۱۰ باب فی فضل العلم والعالم، حدیث ۳۴۲. سنن ابی داود ج ۴ ص ۵۷ کتاب العلم، باب الحث علی طلب العلم، حدیث ۳۶۴۱ و... بدون اضافہ ماترکناہ صدقہ اور مسند امام احمد بن حنبل ج ۱ ص ۱۰ پر جملہ فوق کے اضافہ کے ساتھ آیا ہے.

انبیاء کے وارث ہوں گے اور اس کے بعد اس روایت اور ان روایات میں ۔۔ جن کو ہم نے پہلے ذکر کیا ہے اور ہمارے مطلب پر دلالت کرتی ہیں ۔۔ تعارض ہونے لگے اور یہ روایت ان تمام روایات کو ختم کردے ایسا بھی نہیں ہوسکتا کیونکہ اس روایت سے ایسی کسی چیز کا استفادہ نہیں ہورہا ہے۔

نص کے ذریعہ ولایت فقیہ کا اثبات

اور اگر بالفرض یہ کہاجائے کہ روایت سے پتہ چلتا ہے کہ رسول خدا (ص) نے علم کے علاوہ میراث میں اور کچھ نہیں چھوڑا اور ولایت وخلافت بھی ارثی چیز نہیں ہے اور اگر رسول خدا (ص) فرماتے: " علی وارثی " تب بھی اس سے حضرت علیؑ کی خلافت (بلافصل) ثابت نہ ہوتی تو ایسی صورت میں ہم مجبور ہیں کہ حضرت علیؑ اور دیگر ائمہؑ کی خلافت کےلئے نص کا سہارا لیں اور کہیں کہ رسول خدا (ص) نے حضرت علیؑ کو خلافت کےلئے معین ومنصوب فرمایا ہے اور پھر اسی مطلب کو ولایت فقیہ کےلئے بھی کہیں کیونکہ اس روایت کی بناپر جس کا پہلے ذکر ہوچکا ہے فقہاء رسول خدا (ص) کی طرف سے خلافت وحکومت کےلئے منصوب ہیں اس طرح سے اس روایت اور ان روایات کے درمیان جو نصب پر دلالت کرتی ہیں جمع کرسکتے ہیں۔

فقہ رضوی سے مؤید

فاضل نراقی نے عوائد [1] میں فقہ رضوی [2] سے ایک روایت نقل کی ہے جس کا مضمون یہ ہے:

۱۔ عوائد الایام من مہمات ادلہ الاحکام، تالیف ملا احمد بن مہدی بن ابی ذر نراقی کاشانی (۱۲۴۵ ھ ق) یہ کتاب احکام شرعی کے استنباط کے قواعد پر مشتمل ہے اور اس میں ۸۸ قاعدے تحریر کئے گئے ہیں۔

۲۔ فقہ الرضا یا فقہ رضوی یہ احکام فقہی کے ایک مجموعہ کا نام ہے جس کو بعض علماء اسلام نے امام رضاؑ کی طرف منسوب کیا ہے لیکن بعض دیگر علمائے کرام اس نسبت کے بارے میں مشکوک ہیں۔ مقدمہ کتاب الفقہ المنسوب الی الرضاؑ، شائع کردہ امام رضاؑ عالمی کانگرس ۱۴۰۶ ھ۔

"منزلة الفقيه فی هذا الوقت کمنزلة الانبیاء فی بنی اسرائیل "[1] (فقیہ کا مرتبہ اس زمانہ میں وہی ہے جو انبیاء بنی اسرائیل کا تھا) البتہ یہ نہیں کہا جاسکتا کہ " فقہ رضوی " امام رضا سے صادر ہوئی ہے البتہ بعنوان مؤید اس سے تمسک کیا جاسکتا ہے۔

یہ جان لینا چاہیۓ کہ انبیاۓ بنی اسرائیل سے مراد حضرت موسیٰ کے زمانہ والے فقہاء نہیں ہیں (ہوسکتا ہے کسی اعتبار سے ان کو انبیاء کہا جاتا ہو) حضرت موسیٰ کے زمانہ میں جتنے بھی فقہاء تھے وہ سب جناب موسیٰ کے تابع تھے اور انہیں کی اتباع میں سارے امور انجام دیا کرتے تھے اور شاید جس وقت حضرت موسیٰ ان کو تبلیغ کےلئے بھیجتے تھے ان کا ایک ولی بھی معین کردیتے تھے۔ البتہ ہم کو دقیق طرح سے ان کے حالات نہیں معلوم۔ ہاں یہ ضرور معلوم ہے کہ حضرت موسیٰ بنی اسرائیل کے انبیاء میں سے تھے اور تمام وہ چیزیں جو حضرت رسول (ص) کےلئے ہیں حضرت موسیٰ کےلئے بھی تھیں۔ بس دونوں کے مرتبہ ومقام ومنزلت میں فرق تھا۔ اس لئے روایت میں جو عموم منزلت ہے [2] اس سے ہم یہ ضرور سمجھتے ہیں کہ حضرت موسیٰ کو لوگوں پر جو ولایت وحکومت حاصل تھی وہی ولایت وحکومت فقہاء کےلئے بھی ثابت ہے۔

دیگر مؤیدات

جامع الاخبار [3] میں بھی رسول اکرم (ص) سے یہ روایت ہے: "افتخر یوم القیامة بعلماء امتی

۱۔ عوائد الایام ص ۱۸۶ حدیث ۷۔

۲۔ عموم منزلت سے مراد یہ کہ حدیث مذکور کا اطلاق یہ سمجھاتا ہے کہ فقہاء کی منزلت ہر اعتبار سے بنی اسرائیل کے انبیاء جیسی ہے اور اس عمومیت میں کسی بھی جگہ امامت ہو یا معاشرے کا نظام چلانا، اس کی تخصیص نہیں ہے۔

۳۔ یہ کتاب شیخ صدوق کے نام سے مشہور ہے لیکن در حقیقت یہ محمد بن محمد بن علی کی تالیف ہے جو چھٹی صدی ہجری میں زندہ تھے مگر بطور تعیین معلوم نہیں ہے۔ الذریعہ ج ۵ ص ۳۳۔۳۷

وعلماء امتی کسائر انبیاء قبلی "[1] (قیامت کے دن میں اپنی امت کے علماء پر فخر ومباہات کروں گا اور میری امت کے علماء مجھ سے پہلے والے دیگر انبیاء کی طرح ہیں) یہ روایت بھی ہمارے مطلب کے مؤیدات میں سے ہے.

مستدرک [2] نے ایک روایت غرر [3] سے اس مضمون کی نقل کی ہے: " العلماء حکام علی الناس "[4] (علماء لوگوں پر حاکم ہیں) کسی روایت میں " حکماء " بھی آیا ہے، لیکن شاید یہ صحیح نہ ہو. عرض کیا گیا کہ خود غرر میں " حکام علی الناس " آیا ہے. اگر اس کی سند معتبر ہو [5] تو اس کی دلالت واضح ہے اور ہمارے مطلب کے مؤیدات میں سے ہے اور بھی روایات ہیں جن کو بطور تائید ذکر کیا جاسکتا ہے.

اسی قسم کی روایات میں سے " مجاری الامور والاحکام علی ایدی العلماء " کے عنوان کے تحت تحف العقول [6] کی روایت ہے جو دو حصوں پر مشتمل ہے. پہلے حصے میں امام حسینؑ کی روایت

۱۔ جامع الاخبار ص ۳۸، فصل بیستم.

۲۔ مستدرک الوسائل ومستنبط المسائل، تالیف میرزا حسین بن میرزا محمد تقی بن میرزا محمد علی طبرسی نوری (۱۳۲۰ ھ ق) اس کتاب میں تقریبا ۲۳ ہزار احادیث جمع کی گئی ہیں، موصوف نے اپنی اس کتاب کو بعنوان تکملہ وسائل الشیعہ لکھا ہے جو حدیثیں وسائل میں نہیں ہیں صرف انہیں حدیثوں کا ذکر کیا ہے اس کتاب کو وسائل ہی کی ترتیب سے لکھا ہے اور ایک فہرست وخاتمہ جو علم رجال ودرایہ سے متعلق ہے اس میں اضافہ کیا ہے.

۳۔ غرر الحکم ودرر الکلم من کلام علیؑ، تالیف ابو الفتح عبد الواحد بن محمد بن عبدالواحد بن محمد آمدی (۵۱۰ ھ ق) حروف ابجد کی ترتیب سے حضرت علیؑ کے مواعظ اور کلمات قصار کو اس کتاب میں جمع کیا گیا ہے.

۴۔ غرر الحکم ودرر الکلم، فصل اول، حدیث ۵۵۹. مستدرک الوسائل ج ۱۷ ص ۳۱۶ کتاب القضاء، ابواب صفات القاضی، باب ۱۱، حدیث ۱۷.

۵۔ یہ روایت غرر الحکم سے نقل کی گئی ہے اور اس کتاب کی تمام روایات مرسل ہیں.

۶۔ تحف العقول فیما جاء من الحکم والمواعظ عن آل الرسول، تالیف ابو محمد حسن بن علی حسین بن شعبہ حرانی، موصوف قرن چہارم کے علماء میں سے تھے شیخ مفید کے مشائخ اور صدوق کے معاصر تھے الذریعہ ج ۳ ص ۴۰۰

ہے جس کو حضرت علیؑ سے امر بالمعروف و نہی عن المنکر کے بارے میں نقل فرمایا ہے اور دوسرے میں امام حسینؑ کی خطبہ ولایت فقیہ اور فقہاء کی ان ذمہ داریوں سے متعلق ہے جو حکومت اسلامی تشکیل دینے اور اجرائے احکام کے سلسلہ میں ظالم حکومت اور ظالموں سے مقابلہ کرنے کے بارے میں فرمایا ہے۔ یہ مشہور خطبہ آپؑ نے منیٰ میں فرمائی تھی اور اس میں ظالم اموی حکومت کے خلاف اپنے داخلی جہاد کی علت کو بیان فرمایا تھا۔ اس روایت سے دو اہم مطالب حاصل ہوتے ہیں:

۱۔ ولایت فقیہ۔ ۲۔ فقہاء کو چاہیئے کہ اپنے جہاد اور امر بالمعروف و نہی عن المنکر سے ظالم حکام کو لرزہ براندام کردیں اور رسوا کردیں اور عوام میں بیداری پیدا کردیں تاکہ عام مسلمان بیدار ہوکر ظالم حکومت کو سرنگوں کردیں اور حکومت اسلامی قائم کریں۔ وہ روایت یہ ہے:

" اعتبروا ایھا الناس بما وعظ اللہ به اولیائه من سوء ثنائه علی الاحبار اذ یقول: " لولا ینھاھم الربانیون والاحبار عن قولھم الاثم [۱] " وقال: " لعن الذین کفروا من بنی اسرائیل " الیٰ قوله: " لبئس ما کانوا یفعلون [۲] ". وانما عاب اللہ ذلک علیھم، لانھم کانوا یرون من الظلمة الذین بین اظھرھم المنکر والفساد، فلاینھونھم عن ذلک رغبة فیما کانوا ینالون منھم ورھبة مما یحذرون؛ واللہ یقول: " فلاتخشوا الناس واخشون [۳] ". وقال: " والمؤمنون والمؤمنات بعضھم اولیاء بعض یامرون بالمعروف وینھون عن المنکر [۴] ". فبدا اللہ بالامر بالمعروف والنھی عن المنکر فریضة منه، لعلمه بانھا اذا ادیت واقیمت، استقامت الفرائض کلھا، ھینھا وصعبھا۔ وذلک ان الامر بالمعروف والنھی عن المنکر دعاء الی الاسلام مع رد المظالم ومخالفة الظالم، وقسمة الفیء والغنائم، واخذ الصدقات من مواضعھا ووضعھا فی حقھا۔

۱۔ سورہ مائدہ / ۶۳۔ ۲۔ مائدہ / ۸۰ ۔ ۸۱۔ ۳۔ مائدہ / ۴۴۔ ۴۔ توبہ / ۷۱

ثم انتم ايتها العصابة، العصابة، بالعلم مشهورة وبالخير مذكورة وبالنصيحة معروفة، وبالله فى انفس الناس مهابة، يهابكم الشريف ويكرمكم الضعيف، ويؤثركم من لافضل لكم عليه ولايد لكم عنده، تشفعون فى الحوائج اذا امتنعت من طلابها، وتمشون فى الطريق بهيبة الملوك وكرامة الاكابر. اليس كل ذلك انما نلتموه بما يرجى عندكم من القيام بحق الله، وان كنتم عن اكثر حقه تقصرون؛ فاستخففتم بحق الامة: فاما حق الضعفاء فضيعتم. واما حقكم بزعمكم فطلبتم. فلا مالا بذلتموه، ولانفسا خاطرتم بها للذى خلقها؛ ولاعشيرة عاديتموها فى ذات الله. انتم تتمنون على الله جنته ومجاورة رسله وامانا من عذابه؛ لقد خشيت عليكم، ايها المتمنون على الله، ان تحل بكم نقمة من نقماته. لانكم بلغتم من كرامة الله منزلة فضلتم بها؛ ومن يعرف بالله لاتكرمون وانتم بالله فى عباده تكرمون. وقد ترون عهود الله منقوضة فلا تفزعون، وانتم لبعض ذمم آبائكم تفزعون؛ وذمة رسول الله (ص) محقورة، والعمى والبكم والزمن فى المدائن مهملة، لاترحمون؛ ولافى منزلتكم تعملون ولا من عمل فيها تعينون؛ وبالادهان والمصانعة عند الظلمة تامنون. كل ذلك مما امركم الله به من النهى والتناهى، وانتم عنه غافلون. وانتم اعظم الناس مصيبة لما غلبتم عليه من منازل العلماء لو كنتم تسعون. ذلك بان مجارى الامور والاحكام على ايدى العلماء بالله الامناء على حلاله وحرامه. فانتم المسلوبون تلك المنزلة. وما سلبتم ذلك، الا بتفرقكم عن الحق واختلافكم فى السنة بعد البينة الواضحة. ولو صبرتم على الاذى وتحملتم المؤونة فى ذات الله، كانت امور الله عليكم ترد وعنكم تصدر واليكم ترجع. ولكنكم مكنتم الظلمة من منزلتكم واستسلمتم امور الله فى ايديهم يعملون بالشبهات ويسيرون فى الشهوات. سلطهم على ذلك فراركم من الموت واعجابكم بالحياة التى هى مفارقتكم. فاسلمتم الضعفاء فى ايديهم؛ فمن بين مستعبد مقهور، وبين مستضعف على معيشته مغلوب.

يتقلبون فى الملک بآرائهم ويستشعرون الخزى باهوائهم، اقتداءً بالاسرار وجراة على الجبار. فى كل بلد منهم على منبره خطيب يصقع؛ فالارض لهم شاغرة؛ وايديهم فيها مبسوطة. والناس لهم خول، لايدفعون يد لامس؛ فمن بين جبار عنيد، وذى سطوة على الضعفة شديد، مطاع لايعرف المبدیء المعید. فيا عجبا، ومالى لاعجب، والارض من غاش غشوم ومتصدق ظلوم وعامل على المؤمنين بهم غير رحيم. فالله الحاکم فيما فيه تنازعنا والقاضى بحکمه فيما شجر بيننا.

اللهم، انک تعلم انه لم يكن ما كان منا تنافسا فى سلطان ولا التماسا من فضول الحطام. ولكن لنرى المعالم من دينک؛ ونظهر الاصلاح فى بلادک؛ ويامن المظلومون من عبادی؛ ويعمل بفرائضک وسننک واحکامک فان [1] لم تنصرونا وتنصفونا قوى الظلمة عليكم وعملوا فى اطفاء نور نبيکم. وحسبنا الله، وعليه توكلنا، واليه انبنا، واليه المصير [2]"

اے لوگو! اس نصیحت سے " جو خدا نے اپنے دوستوں کو علمائے یہود کی بدگوئی کی صورت میں کی ہے" عبرت حاصل کرو جہاں ارشاد ہوتا ہے " لولا ينهاهم ... الخ" ان کو اللہ والے اور علماء جھوٹ بولنے سے کیوں نہیں روکتے [3] اور ارشاد ہوتا ہے " لمن الذين كفروا " سے " ماكانوا يفعلون " تک بنی اسرائیل میں سے جو لوگ کافر تھے ان پر داوٗدؑ اور عیسی ابن مریمؑ کی زبانی لعنت کی گئی۔ اس وجہ سے کہ (اول تو) ان لوگوں نے نافرمانی کی اور (پھر ہر معاملہ میں) حد سے بڑھ جاتے تھے اور جو برے کام کئے تھے اس سے باز نہ آتے تھے (بلکہ اس پر نصیحت کے باوجود اڑے رہتے تھے) جو کام یہ لوگ کرتے تھے وہ کتنا ہی برا تھا [4] درحقیقت خدا نے ان کی برائیوں کو اس لئے بیان کیا ہے

۱۔ اس کتاب کے تمام نسخوں میں اور "تحف العقول" کا وہ مطبوعہ نسخہ جس کی تصحیح جناب علی اکبر غفاری نے کی ہے اس میں "فانکم" آیا ہے لیکن درست وہ ہے جو متن کتاب میں ہے یعنی "فان"۔ جناب غفاری نے بھی ایک ملاقات میں یقین سے فرمایا کہ عبارت مذکورہ میں طباعت کی غلطی ہے۔

۲۔ تحف العقول ص ۲۷۱۔ ۳۔ مائدہ / ۶۳۔ ۴۔ مائدہ / ۸۰ - ۸۱۔

اور ان کو باعث ملامت قرار دیا ہے کہ یہ لوگ اپنی آنکھوں سے ظالموں کی برائیوں اور خرابیوں کو دیکھتے تھے لیکن ان کو روکتے نہیں تھے۔ صرف اس آمدنی کی وجہ سے جو ان کو (ان بدکاروں سے) ہوتی تھی اور اس ڈر اور خوف کی وجہ سے جو ان کی طرف سے ان کے دلوں میں تھا۔ حالانکہ خدا فرماتا ہے " فلا تخشواالناس واخشون "[1] لوگوں سے نہ ڈرو مجھ سے ڈرو اور ارشاد فرماتا ہے " والمؤمنون والمؤمنات بعضهم اولیاء بعض یامرون بالمعروف وینهون عن المنکر "[2] اور ایماندار مرد اور ایماندار عورتیں ان میں سے بعض کے بعض رفیق ہیں لوگوں کو اچھے کام کا حکم دیتے ہیں اور برے کام سے روکتے ہیں۔ خدا نے امر بالمعروف ونہی عن المنکر سے شروع کیا ہے اس لئے کہ خدا جانتا ہے اگر امر بالمعروف ونہی عن المنکر انجام پذیر ہو اور معاشرے کے اندر اس کا رواج ہوجائے تو تمام واجبات آسان سے لیکر مشکل تک سبھی انجام پاجائیں گے اور وہ اس وجہ سے ہے کہ امر بالمعروف ونہی عن المنکر دعوت الی الاسلام کا نام ہے (یعنی جہاد اعتقادی خارجی) اور رد مظالم، ظالم کی مخالفت، فیء، اور غنیمت کی تقسیم اور صدقات کی صحیح مقامات سے جمع آوری اور شرعی مقامات پر تقسیم کا نام ہے۔

اس کے بعد ہے، اے وہ گروہ جو اہل علم وعالم ہونے میں مشہور ہو اور اچھائی کے ساتھ تمہارا ذکر کیا جاتا ہے اور خیرخواہی، نصیحت گوئی، معاشرے کی رہنمائی میں شہرت رکھتے ہو اور خدا کے واسطے سے لوگوں کے دلوں میں تمہاری ہیبت وشکوہ بیٹھ گئی ہے اور وہ اس طرح کہ قدرت بااقتدار لوگ بھی تم سے ڈرتے ہیں کمزور تمہارے احترام کےلئے کھڑے ہوجاتے ہیں (یہاں تک کہ) جس شخص پر تم کوئی برتری نہیں رکھتے اور نہ اس پر کوئی قدرت رکھتے ہو وہ بھی تم کو اپنے اوپر برتری دیتا ہے اور جو شخص اپنی نعمتوں کو اپنے اوپر خرچ نہیں کرتا وہ بھی تمہارے اوپر بیدریغ خرچ کرتا ہے۔ جب لوگوں کی ضرورتیں پوری نہیں ہوتیں تو تم سفارش کرتے ہو تم اس طرح راستہ چلتے ہو جیسے بادشاہ اور بزرگ چلتے

۱۔ سورہ مائدہ / ۴۴۔ ۲۔ توبہ / ۷۱۔

ہیں۔ کیا یہ ساری باتیں تم کو اس لئے نہیں دی گئیں کہ لوگوں کی تم سے امیدیں وابستہ ہیں کہ تم قانون خدا کے اجرا پر کمر بستہ ہوگے؟ حالانکہ بہت سے مواقع پر تم نے قانون خدا پر عمل کرنے میں کوتاہی کی ہے اور اس کے اکثر حقوق کے پورا کرنے میں قاصر رہے ہو۔ مثلا حق امت کو تم نے ذلیل و خوار کیا ہے۔ کمزوروں کے حق کو برباد کیا ہے لیکن اپنے حق کے لئے قیام کیا ہے۔ تم نے نہ تو (راہ خدا میں) کوئی مال خرچ کیا اور نہ جس نے حیات دی اس کی راہ میں اپنی جان کو خطرے میں ڈالا۔ نہ خدا کے لئے کسی قبیلہ سے عداوت کی ہے (اس کے باوجود) خدا سے اس کی جنت کی تمنا رکھتے ہو؟ اس کے رسولوں کی ہمسائیگی چاہتے ہو؟ اس کے عذاب سے امان چاہتے ہو؟ خدا سے ایسی تمنائیں رکھنے والو! مجھے ڈر ہے کہ مبادا تمہارے اوپر عذاب الٰہی پھٹ پڑے، اس لئے کہ عزت و عظمت خدا کے زیرسایہ، تم ایک بلند منزلت حاصل کرچکے ہو، لیکن خدا شناس لوگوں کا احترام نہیں کرتے۔ حالانکہ خدا کے بندوں میں تمہارا احترام کیا جاتا ہے۔ نیز اس اعتبار سے بھی مجھے تمہارے بارے میں خوف لاحق ہے کہ تمہاری نظروں کے سامنے عہد وپیمان [1] الٰہی کو توڑا جاتا ہے ان کو پاؤں تلے روندا جاتا ہے مگر تم خوفزدہ نہیں ہوتے۔ حالانکہ اپنے باپ دادا کے بعض عہد وپیمان ٹوٹنے پر تم پریشان ہوجاتے ہو! رسول خدا (ص) سے کئے گئے عہد وپیمان کو طاق نسیان پر رکھ دیتے ہو [2] اندھے،گونگے، درماندہ لوگ ہر جگہ بے سرپرست ہیں کوئی ان پر رحم نہیں کھاتا اور نہ تم لوگ اپنی منزلت وشان کے مطابق کام کرتے ہو اور جو ایسا کرتا ہے اور تمہاری رفعت شان کے لئے کوشش کرتا ہے اس کی مدد کرتے ہو نہ اس کی ذرہ برابر اعتنا کرتے ہو۔ اپنی چرب زبانی، چاپلوسی، ظالموں کے ساتھ سازباز کرکے ظالم حکام کے سامنے اپنے کو بچالیتے ہو۔ ان تمام چیزوں کی خدا نے نہی کی ہے اور ایک دوسرے کو اس سے روکا ہے مگر تم اس سے

۱۔ وہ اجتماعی قراردیں جو اسلامی معاشرہ کے نظام کو اچھا بناتی ہوں۔

۲۔ وہ چیزیں جن کا معاہدہ رسولؐ کے واسطہ سے کیاگیا تھا اسی طرح رسول خداؐ کے جانشینوں کی اطاعت کا معاہدہ جو غدیر خم میں رسولؐ کی موجودگی میں کیاگیا تھا۔

غفلت کرتے ہو. تمہاری مصیبت دوسرے لوگوں کے مصائب سے کہیں زیادہ ہے کیونکہ علماء کی منزلت ومقام تم سے چھین لیا گیا ہے. کاش تم اس کو سمجھتے! چونکہ در حقیقت (ملک کے ادارہ جاتی) امور کا اجرا اور احکام کا نفاذ، اللہ والے علماء جو خدا کے حلال وحرام کے امین ہیں ان کے ذمہ ہے. (اور قضائی احکام کا صدور، ملکی پروگراموں کی تصویب روحانی علماء کے سپرد ہونی چاہیے جو حقوق الٰہی کے امین اور حرام وحلال کے جاننے والے ہیں) مگر آپ سے وہ منزلت چھین لی گئی ہے اور صرف اس لئے چھینی گئی ہے کہ آپ محور حق سے ۔۔ قانون اسلام وحکم خدا سے ۔۔ دور اور پراگندہ ہوچکے ہیں اور سنت کے بارے میں ۔۔ اس کی حقیقت پر روشن دلائل کے باوجود ۔۔ اختلاف رکھتے ہیں. آپ لوگ اگر ایسے مرد ہوتے کہ ذات خدا کے بارے میں اذیت پر صبر کرلیتے اور زحمت برداشت کرلیتے تو مقررات تمہارے پاس لائے جاتے اور تمہارے ہاتھوں سے ان کا اجرا ہوتا. تمام امور کے تم ہی مرجع ہوتے. لیکن تم نے ظالموں کو اپنی جگہ دیدی اور الٰہی (حکومت) کو ان کے سپرد کردیا تاکہ وہ شبہات پر عمل کریں اور اپنی خواہشات کے مطابق چلیں. ان کے حکومت پر مسلط ہونے کا سبب تمہارا موت سے فرار اور زندگی سے پیار تھا. نتیجہ یہ ہوا کہ تم نے کمزوروں کو ان ستمگاروں کے حوالے کردیا. جس کی وجہ سے کچھ تو غلاموں کی طرح مقہور رہے اور کچھ کمزور بھوک اور پیاس سے مجبور رہے. حکام خود ہوکر اپنی مرضی کے مطابق جو چاہتے ہیں کرتے ہیں. اپنی خواہشات کی بناپر رسوائی وذلت مہیا کرتے ہیں. شریروں کے پیرو ہوگئے، خدا کے سامنے گستاخ ہوگئے. ہر شہر میں ان کا ایک خطیب منبر پر معین ہے. زمین ان کے لئے وسیع اور اس میں ان کے ہاتھ بہت لمبے ہیں. لوگ ان کے غلام ہوگئے ہیں اور اپنے دفاع پر قادر نہیں ہیں. (یہ لوگ ایسے حکام میں گھرے ہیں) جن میں ایک ڈکٹیٹر اور کینہ توز وبدخواہ ہے تو دوسرا بیچاروں پر ظلم وستم کرتا ہے. سخت گیری کرتا ہے اور تیسرا ایسا حاکم ہے جو خدا کو پہچانتا ہے نہ روز جزا کو جانتا ہے. پس کتنا تعجب ہے اور کیوں نہ تعجب ہو اس لئے کہ زمین پر ظالم ودغل باز قابض ہے اور اس کے زیردست کام کرنے والے دینداروں پر نامہربان اور بے رحم ہیں.

پس ہمارے جھگڑوں میں خدا ہی فیصلہ کرنے والا ہے اور ہمارے درمیاں جو کچھ بھی ہوا ہے اس کی قضاوت خدا ہی کرنے والا ہے. معبود تو جانتا ہے کہ ہم نے جو کچھ بھی کیا ہے نہ کسی حکومت و سلطنت کے لئے کیا ہے اور نہ دنیائے دنی کے لئے کیا ہے بلکہ ہمارا مقصد یہ ہے کہ تیرے اصول ومعالم دین کو روشن کریں. اور تیرے ملک میں اصلاح کریں اور تیرے ستم رسیدہ بندوں کو ان کے مسلم حقوق دلاسکیں اور اس لئے کہ تو نے جو فرائض وسنن معین کئے ہیں ان پر عمل ہو. اگر تم لوگوں نے ہماری مدد نہ کی اور غاصبوں سے ہمارا حق نہ دلایا تو ظالمین کا تمہارے اوپر غلبہ ہوجائے گا. یہ لوگ تمہارے نبی (ص) کے نور کو بجھانے کا اقدام کریں گے. ہمارے لئے اللہ کافی ہے اور اسی پر ہم توکل کرتے ہیں اور اسی کی طرف متوجہ ہوتے ہیں اور اسی کی طرف ہماری بازگشت ہے.[1]

روایت کے بعض اہم جملوں کی تشریح

ارشاد فرماتے ہیں: "**اعتبروا ایھا الناس بما وعظ اللّٰہ به اولیائه من سوء ثنائه علی الاحبار**" یہ خطاب کسی مخصوص گروہ (یا) حاضرین مجلس (یا) اہل شہر واہل بلد (یا) اہل مملکت (یا) اس زمانہ کے دنیا کے تمام لوگوں سے مخصوص نہیں ہے، بلکہ جو شخص بھی چاہے جس زمانے کا ہو اگر اس آواز کو سنے تو وہ اپنے کو مخاطب سمجھے. جیسے قرآن میں آیا ہے " **یا ایھا الناس** " خداوند عالم احبار (علمائے یہود) اور ان کے رویہ کو پیش کرکے اپنے دوستوں کو وعظ و پند کرنا چاہتا ہے. اولیاء خدا سے مراد وہ لوگ ہیں جو خدا کی طرف توجہ رکھتے ہیں اور معاشرہ میں ذمہ داری کے حامل ہیں. یہاں (پر اولیاء سے مراد) ائمہ نہیں ہیں.

"**لولا ینھاھم الربانیون والاحبار عن قولھم الاثم واکلھم السحت لبئس ما کانوا یصنعون**" اس آیت کے اندر خداوند عالم " **ربانیون** " اور " **احبار** " کی مذمت کررہا ہے کہ کیونکہ یہ

۱۔ تحف العقول ص ۲۷۱.

لوگ جو دین یہود کے علماء تھے انہوں نے ستمگاروں کو " **قول اثم** " یعنی گنہگارانہ گفتگو سے خواہ وہ دروغگوئی ہو، اتہام ہو، تحریف حقائق ہو یا اس قسم کی دوسری چیزیں ہوں سے کیوں نہیں روکتے اور اسی طرح " **اکل سحت** " حرام خواری سے بھی نہیں روکا. ظاہر ہے کہ یہ مذمت صرف علمائے یہود کےلئے مخصوص نہیں ہے اور نہ علمائے نصاریٰ کےلئے مخصوص ہے بلکہ اس میں بطور کلی علمائے اسلام بھی شامل ہیں. یعنی ہر دین کے علماء شامل ہیں. اس لئے کہ اسلامی معاشرہ کے علمائے دین اگر ستمگاروں کی سیاست کے مقابلہ میں خاموش رہے تو یہ بھی خدا کی مذمت کے مشمول ہوں گے اور یہ بات صرف سابقین ونسل گذشتہ ہی سے مربوط نہیں بلکہ گذشتہ وآئندہ دونوں نسلیں اس میں یکساں شامل ہیں. حضرت علیؑ نے اسی بات کو قرآن کے حوالہ سے فرمایا: علمائے اسلام بھی عبرت حاصل کریں اور بیدار ہوں، فریضہ امر بالمعروف ونہی عن المنکر سے باز نہ آئیں. ظالم وستمگر حکومتوں سے نہ ڈریں. نہ ان کے مقابلہ پر خاموش رہیں. حضرتؑ نے اس آیت ۔ " **لولا ینہاھم الربانیون...** " الخ ۔ سے دو نکتوں کی طرف متوجہ کرنا چاہا ہے:

۱۔ اپنے فریضہ کی ادائیگی میں علماء کی سہل انگاری دوسروں کی کوتاہی سے کہیں زیادہ نقصان دہ ہے. جیسے اگر ایک تاجر کوتاہی کرے تو اس کا نقصان اسی کو پہونچے گا، لیکن اگر علماء اپنے فریضہ میں کوتاہی کریں ۔۔ مثلاً ظالموں کے مقابلہ میں خاموشی اختیار کریں ۔۔ تو اس کا نقصان اسلام کو پہونچے گا اور اگر اپنے فریضہ پر عمل کریں اور جہاں بولنا چاہیئے وہاں لب کشائی کریں خاموش نہ رہیں تو اس کا فائدہ بھی اسلام کو پہونچے گا.

۲۔ حضرت کو چاہیئے تھا کہ جتنی بھی چیزیں خلاف شرع ہیں ان سب کو روکتے مگر حضرت نے خاص کر " **قول اثم** " یعنی جھوٹ بولنے اور " **اکل سحت** " حرام کھانے سے مخالفت فرمائی، اس کی وجہ یہ ہے کہ حضرت یہ سمجھانا چاہتے تھے یہ دونوں برائیاں دیگر برائیوں کے مقابلہ میں زیادہ خطرناک ہیں

ان کی مخالفت زیادہ کرنی چاہیئے کیونکہ کبھی ظالموں کی گفتار اور پروپیگنڈا اسلام اور مسلمانوں کے لئے ان کی سیاست وکردار سے کہیں زیادہ نقصان دہ ہوتا ہے اور اسلام ومسلمانوں کی حیثیت کو خطرہ میں ڈال دیتا ہے. (اس لئے) خدا ان علماء کی برائی کررہا ہے کہ ظالموں کی غلط گفتار اور گنہگارانہ پروپیگنڈے کو روکا کیوں نہیں؟ اور جس شخص نے یہ دعویٰ کیا کہ میں خلیفہ اللہ ہوں، مشیت الٰہی (کے اجرا) کا ذریعہ ہوں اور احکام خدا اسی طرح ہیں جس طرح میں اجرا کرتا ہوں، اسلامی عدالت وہی ہے جو میں کہتا ہوں اور کرتا ہوں ۔ حالانکہ ان کے سروں میں سماتا ہی نہیں ۔ اس کو کیوں نہیں جھٹلایا. اسی قسم کی باتوں کو " قول اثم " کہتے ہیں. ان گہنگارانہ اقوال سے جن کا ضرر معاشرے کے لئے بہت زیادہ ہے کیوں نہیں روکا؟ ان ستمگاروں کو جو نا معقول باتیں کہتے تھے، خیانتیں کرتے تھے اسلام میں بدعتوں کو پھیلاتے تھے اسلام کو نقصان پہونچاتے تھے کیوں نہ مخالفت کی؟ اور ان گناہوں سے کیوں نہ روکا؟

اگر کوئی اسلام کی تفسیر، خلاف مرضی خدا کرے، عدل اسلامی کے نام سے اسلام میں بدعت پھیلائے، احکام خلاف اسلام کا اجرا کرے تو علماء پر واجب ہے کہ اظہار مخالفت کریں. اگر اظہار مخالفت نہ کریں گے تو خدا کی لعنت کے مستحق ہوں گے اور یہ بات خود آیت سے ظاہر ہے. نیز حدیث میں بھی ہے :
" اذا ظهرت البدع، فللعالم ان يظهر علمه، والا فعليه لعنة الله "[1] جب بدعتیں ظاہر ہوں تو عالم پر واجب ہے کہ اپنے علم کا اظہار کرے ورنہ اس پر خدا کی لعنت ہے. خود اظہار مخالفت اور تعلیم واحکام خدا کا بیان جو بدعت وظلم وگناہ کے مخالف ہیں یہی مفید ہے. اس لئے کہ اس سے عام لوگ فساد اجتماعی اور خائن وفاسق حکام کی بے دینی کو سمجھ کر مخالفت پر اتر آتے ہیں اور ستمگاروں کی موافقت کرنے سے ہاتھ کھینچ لیتے ہیں اور فاسد وخائن حکومتوں کی مخالفتوں پر اتر آتے ہیں. دینی علماء کی طرف سے مخالفت کا اظہار اس قسم کے مواقع پر معاشرہ کے دینی رہبر کی طرف سے ایک (نہی ازمنکر)

۱۔ اصول کافی ج ۱ ص ۵۴ کتاب فضل العلم، باب البدع... حدیث ۲.

ہے جو اپنے پیچھے مخالفت کا طوفان رکھتی ہے اور ایسا طوفان برپا کردیتی ہے کہ تمام دیندار اور غیرت مند افراد اس میں شریک ہوجاتے ہیں۔ پھر وہ طوفان ایسا انقلاب بن جاتا ہے کہ اگر ستمگر حکام اس کے سامنے سر تسلیم خم نہ کردیں، احکام الٰہی کی پیروی کرتے ہوئے صراط مستقیم پر نہ رہیں اور ہتھیاروں سے مقابلہ کرکے ان کو خاموش کرنا چاہیں تو گویا ہتھیاروں کی جنگ شروع کرنے کی نیت کرکے "فئة باغیة"[1] میں اپنا شمار کروائیں گے اور مسلمانوں پر واجب ہوگا کہ "فئه باغیه" سے مسلح جہاد پر آمادہ ہوجائیں تاکہ معاشرہ کا رویہ اور حکومت کی سیاست اصول واحکام اسلام کے مطابق ہوجائے۔

فعلا چونکہ آپ کے پاس اتنی قدرت نہیں ہے کہ حکام کی بدعتوں کی روک تھام کرسکیں اور ان مفاسد کو دور کرسکیں تو کم از کم خاموش تو نہ بیٹھیں۔ جب آپ پر مار پڑتی ہے تو فریاد تو کریں، اعتراض تو کریں۔ ظلم برداشت کرنا ظلم کرنے سے بدتر ہے۔ اعتراض کیجئے، انکار کیجئے، جھٹلائیے فریاد کیجئے۔ ان کے پروپیگنڈوں کے مقابلہ میں آپ بھی کچھ کیجئے تاکہ وہ جو جھوٹ کہیں آپ اس کی تکذیب کرسکیں اور کہیں یہ جھوٹ ہے۔ آپ کہیئے اسلامی عدالت یہ نہیں جس کا یہ لوگ دعوی کرتے ہیں۔ خاندانوں کے لئے، اسلامی معاشرے کے لئے ایک مضبوط ومدون اسلامی عدالت کا نظام موجود ہے ان مطالب کو بیان کیجئے تاکہ لوگ متوجہ ہوں۔ آئندہ نسل اس جماعت کی خاموشی کو حجت نہ قرار دے اور یہ نہ کہہ سکے کہ ستمگاروں کے اعمال ان کے طور وطریقے، شرع کے مطابق تھے، شریعت اسلام کا تقاضا تھا کہ ستمگر لوگ "اکل سحت" یعنی حرام خوری کریں اور لوگوں کے اموال کو غارت کریں۔

کچھ لوگوں کی فکر اس مسجد کے دائرے سے تجاوز نہیں کرتی اور نہ اس سے آگے بڑھتی۔ اس لئے جب

۱۔ فئہ باغیہ، باغی گروہ ان لوگوں کو کہا جاتا ہے جو امام معصومؑ کی اطاعت سے باہر ہوجائیں یا مسلمانوں کے کسی گروہ سے ناحق جنگ کریں "سورہ حجرات کی نویں آیت میں یہ ہے، فان بغت احدیٰهما علی الاخری الخ، اگر مسلمانوں کا ایک گروہ دوسرے پر تجاوز کرے تو تجاوز کرنے والوں سے اس وقت تک جنگ کرو جب تک وہ فرمان خدا پر واپس نہ آجائیں" زبدہ البیان ص ۳۱۹۔ وسائل الشیعہ ج ۱۱ ص ۱۲، ۵۴، ۵۵، کتاب الجہاد، ابواب ۵، ۲۴، ۲۶ از ابواب جہاد العدو۔

کہا جاتا ہے کہ یہ حرام مال کھاتا ہے تو ان کی نظریں گلی کے سبزی فروش سے آگے نہیں بڑھتیں کہ العیاذ باللہ یہ کم فروشی کرتا ہے ان کی نظروں میں غارتگری اور حرام خواری کا وہ وسیع دائرہ نہیں آتا جو بڑے بڑے سرمایہ دار ہضم کر کے ڈکار بھی نہیں لیتے، بیت المال کو لوٹتے ہیں، ہمارا تیل کھاتے ہیں غیر ملکی کمپنیوں کے نمائندگی کے نام پر ہمارا مال لیکر ہم کو غیر ضروری اور مہنگا مال سپلائی کرتے ہیں اور اس طرح لوگوں کے اموال کو اپنی جیبوں اور غیر ملکی سرمایہ داروں کی تھیلیوں میں بھرتے ہیں. ہمارے تیل کی دولت چند غیر ملکی نکال کر اپنے لئے لے جاتے ہیں [1] اور بہت معمولی سی رقم اس کے بدلہ میں اپنے جیسی حکومت کے حوالہ کرتے ہیں جس کو دوسرے راستہ سے پھر اپنی جیبوں میں بھر لیتے ہیں. بہت تھوڑی سی رقم حکومت کے خزانہ میں جاتی ہے. (اب یہ) خدا جانتا ہے کہ وہ کہاں خرچ ہوتی ہے یہ ایک " **اکل سحت** " وحرام خوری ہے جو وسیع پیمانہ پر ہوتی ہے اور بین الاقوامی پیمانہ پر ہوتی ہے. خطرناک ترین اور وحشت ناک قسم کا " **منکر** " یہی ہے. آپ ذرا معاشرے کے حالات اور حکومت کے امور کا دقت نظر سے مطالعہ فرمائے تو پتہ چلے گا کہ کس بری طرح سے " **اکل سحت** " ہورہا ہے. اگر ملک کے کسی حصہ میں زلزلہ آجائے تو دیکھئے کہ حرام خوری اور مفاد پرستی کا ایک راستہ کھل جاتا ہے اور زلزلہ زدگان کے نام پر ان کی جیبیں بھرنے لگتی ہیں. ظالم حکام اور قوم دشمن عناصر جو

۱۔ سن ۱۲۸۰ ش میں مظفر الدین شاہ قاچار اور ویلیام فاکس وارسی انگریز کے درمیاں ایک قرارداد طے ہوئی جس کے بموجب ایران سے تیل نکالنا انگریزوں سے متعلق ہوگیا اور اس قرارداد کی مدت ۶۰ سال کی تھی، اس میں ایران کا حصہ ۱۶ فیصد تھا. ۳۲ سال کے بعد جس معاہدے پر دستخط ہوئے اس میں ایران کے حصہ میں ۲۰ فی صد کا اضافہ ہوا. سن ۱۳۳۳ ش میں جو جدید کمپنی سے معاہدہ ہوا اس میں ایران آئل کمپنی اور انگریز کا حصہ ۴۰ فیصد، پانچ امریکی کمپنیوں: اکسون، موبیل، گلف، شورون، تگزاکو، کا ۴۰ فیصد، ہالینڈ کی کمپنی رویال واچ شل کا ۱۴ فیصد اور فرانس آئل کمپنی کا حصہ ۶ فیصد تھا. سال ۳۳ سے ۵۷ ش تک یعنی ۲۴ سال کا ریکارڈ بتاتا ہے کہ مغرب کے لئے ۲۰/۵۸۹/۱۹۴/۷۸۰۰ بیرل نفت خام اور ۱۰/۱۵۲/۲۱۲/۰۹۰/۰۰۰ پائے مکعب گاز ایران سے صادر کیا گیا. نفت از ابتداء تا امروز، از انتشارات روابط عمومی وارشاد وزارت نفت، ظہور وسقوط سلطنت پہلوی ج ۲ مؤسسہ مطالعات وپژوہشہائے سیاسی، ایران سراب قدرت، رابرت گراہام، ترجمہ فیروز فیروزنیا، داستان اوپیک، پی یر ترزیان، ترجمہ عبدالرضا غفرانی، نفت، قدرت واصول، مصطفی علم، ترجمہ غلام حسین صالحیار

قراردادیں حکومتوں یا غیر ملکی کمپنیوں سے باندھتے ہیں ان میں لاکھوں لاکھ قوم کی رقم اپنی جیب میں ڈال لیتے ہیں اور قوم کی کروڑوں کی رقم کافائدہ غیر ملکیوں اور اپنے آقاؤں کو پہونچاتے ہیں. یہ حرام خوری کا ایک سیلاب ہے جو ہماری آنکھوں کے سامنے ہے اور اب بھی جاری ہے خواہ وہ غیر ملکی تجارت کی صورت میں یا استخراج معادن کےلئے یا جنگلات ودیگر طبیعی منابع کےلئے وہ قراردادیں باندھی گئی ہوں، یا تعمیرات اور سڑکیں بنانے کےلئے معاہدے کئے گئے ہوں یا مغربی استعمارگروں اور کمیونیسٹ ممالک سے خریداری اسلحہ کےلئے قرارداد کی گئی ہو.

ہمارا فریضہ ہے کہ ان حرام خوریوں اور غارت گریوں کو روکیں. یہ تمام لوگوں کا فریضہ ہے ہاں علمائے دین کا وظیفہ زیادہ سنگین اور اہم ہے. اس مقدس جہاد کےلئے اور اس عظیم وظیفہ کی ادائیگی کےلئے تمام مسلمانوں سے پہلے ہم کو اقدام کرنا چاہئے اپنی حیثیت اور اپنی منزلت کی خاطر ہم کو پیشقدمی کرناچاہئے. اگر آج ہمارے پاس طاقت وقدرت نہیں ہے کہ ان چیزوں کی روک تھام کرسکیں، حرام خوروں، قوم وملت سے خیانت کرنے والوں، طاقت وقدرت رکھنے والے حاکموں کو سزا دے سکیں، تو کوشش کریں کہ یہ (طاقت و) قدرت ہم کو حاصل ہوجائے. پھر ہم کم از کم انجام وظیفہ کی خاطر حقائق کے اظہار، حرام خوریوں کے افشاء، دروغ وکذب کے انکشاف میں کسی قسم کی کوتاہی نہ کریں. پھر جب (کسی بھی وقت) طاقت وقدرت ہمارے ہاتھوں میں آجائے تو نہ صرف سیاست واقتصاد اور نظام کشور کی ہی اصلاح کریں، بلکہ (اسی کے ساتھ) حرام خوروں، جھوٹ بولنے والوں کو کوڑے لگوائیں اور ان کو ان کے کیفر کردار تک ضرور پہونچائیں.

(یہودیوں نے) مسجد اقصی کو آگ لگادی ہم فریاد کرتے رہے کہ مسجد الاقصی کو اسی طرح نیم سوختہ حالت میں باقی رہنے دیاجائے. اس جرم کے آثار کو ختم نہ کیا جائے [1] لیکن رژیم شاہ نے بنک میں

۱۔ ۳۰ مرداد سن ۱۳۴۸ ش (۱۹۶۹ء) کو صہیونیوں نے مسلمانوں کے قبلہ اول مسجد الاقصی کو آگ لگادی. = =

اکاؤنٹ کھول دیا جس میں مسجد اقصی کے نام سے لوگوں سے رقم وصول کی جانے لگی جس کا (اصلی) مقصد اپنی جیبوں کو بھرنا اور ضمنا اسرائیل کے جرم پر پردہ ڈالنا تھا.

یہ وہ مصیبتیں ہیں جو امت اسلام کی گریبان گیر ہیں اور نوبت یہاں تک پہونچ چکی ہے. کیا علمائے اسلام کا یہ فریضہ نہیں ہے کہ ان مطالب کو بیان کریں؟ " **لولا ینہاھم الربانیون والاحبار عن اکلہم السحت** " کیوں فریاد نہیں کرتے؟ ان غارت گریوں کے خلاف کیوں زبان نہیں کھولتے؟

اس کے بعد آیہ " **لعن الذین کفروا من بنی اسرائیل** " سے استناد کیا گیا ہے جس کا ذکر ہماری بحث سے خارج ہے.

اس کے بعد فرماتے ہیں:

" **وانما عاب اللہ ذلک علیہم لانہم کانوا یرون من الظلمة الذین بین اظہرہم المنکر**

== اس جرم نے دنیا کے مسلمانوں کے غصہ کو اسرائیل کے خلاف ابھار دیا لیکن ایران کے اخباروں، رسالوں وغیرہ میں اس خبر کو صحیح کوریج نہیں ملی. شاہ کے کارندے جو ذرائع ابلاغ پر نگراں تھے ان کی پوری کوشش یہ تھی کہ ذرائع ابلاغ سے کوئی مطلب جو تحریک آمیز ہو اور اسرائیل کے خلاف ہو، چھپنے نہ پائے ایران کی وزارت دربار نے افسوس کا ایک بیان اس واقعہ پر جاری کردیا لیکن ہلکاسا اشارہ بھی اس واقعہ کے کرنے والوں کی طرف نہیں کیا. شاہ نے دس لاکھ ریال مسجد اقصی کی تعمیر کے لئے مخصوص کردیئے. شاہ فیصل اور شاہ ایران نے اسلامی ممالک کے سربراہوں پر مشتمل ایک کانفرنس بلائے جانے کی خواہش کی تاکہ اس سلسلہ میں تبادلہ خیالات کیا جائے اس حادثہ کے ساتویں روز کروڑوں مسلمانوں نے اسلامی ممالک میں ہڑتالیں اور مظاہرے کئے اور اس جرم جس نے دنیائے اسلام کو جھنجھوڑ کر رکھ دیا تھا، کا ذمہ دار سب نے اسرائیل کو ٹھرایا، لیکن ایران میں کسی بھی قسم کے مظاہرے پر پابندی لگادی گئی اور ایران کا یہ اقدام مراجع وقت کی نظر میں مورد اعتراض واقع ہوا. انہی دنوں روزنامہ الجمھوریہ نے اپنے بغداد ایڈیشن میں امام خمینیؒ کی اس حادثہ کے بارے میں رائے کو شائع کیا کہ آقای خمینی نے کہا ہے: رباط میں مسلمانوں کو اتحاد کی دعوت دینے کے لئے جو کانفرنس بلائی گئی ہے اس کا مطلب اس جرم کی پردہ پوشی ہے اور مسلمانوں کے ذہنوں کو صہیونیزم کے اس جرم سے موڑنے کے لئے ہے. امام خمینیؒ نے فرمایا: جب تک فلسطین پر یہودیوں کا قبضہ ہے اس وقت تک مسجد اقصی کی مرمت نہ کی جائے اور اس جرم کے آثار کو باقی رہنے دیا جائے اقوام متحدہ نے بھی اسرائیل کو اس فعل پر مورد اعتراض قرار دیا.

والفساد فلاینهونهم عن ذلک رغبة فیما کانوا ینالون منهم ورهبة مما یحذرون "

یہ جو خدا نے " ربانیون " کے فعل سے انکار فرمایا ہے اس کی اصلی وجہ یہ ہے کہ باوجودیکہ یہ لوگ دیکھتے تھے کہ ظالم لوگ کیا کررہے ہیں اور کن مظالم کا ارتکاب کررہے ہیں پھر بھی خاموش رہتے تھے اور ان کو روکتے نہیں تھے۔

اس روایت کی بناپر ان کی خموشی کی دو علتیں تھیں: ۱۔ سود جوئی ۲۔ حرص وطمع، ظالموں سے مالی فوائد حاصل کرتے تھے اور حق السکوت لیتے تھے یا پھر بزدل اور ڈرپوک تھے۔ ان لوگوں سے خوف کھاتے تھے۔ آپ ذرا امربالمعروف ونہی عن المنکر کی روایات پر نظر ڈالئے ان میں ان لوگوں کی بڑی مذمت کی گئی ہے اور ان کے سکوت کو عیب شمار کیا گیا ہے [1] جو امر بالمعروف ونہی عن المنکر نہ کرنے کے لئے مسلسل عذر تراشی کیا کرتے تھے۔

" واللہ یقول: ولاتخشوا الناس واخشون " ارشاد الٰہی ہے: لوگوں سے نہ ڈرو آخر تم کو ان سے کیا ڈر ہے؟ بس یہی کہ تم کو قید کردیں گے، نکال باہر کریں گے، کھینچے کھینچے پھریں گے، ہمارے اولیاء نے تو اسلام کے لئے جان دیدی آپ بھی ان امور کے لئے تیار ہوجائیں۔ ارشاد ہوتا ہے: " والمؤمنون والمؤمنات بعضهم اولیاء بعض یامرون بالمعروف وینهون عن المنکر ... "

اس کے ذیل میں فرمایا ہے: " ویقیمون الصلوٰۃ ویؤتون الزکاۃ ویطیعون اللہ ورسوله... "

فبدء اللہ بالامر بالمعروف والنهی عن المنکر فریضة منه لعلمه بانها اذا ادیت واقیمت استقامت الفرائض کلها هینها وصعبها وذلک ان الامر بالمعروف والنهی عن المنکر دعاء الی الاسلام مع رد المظالم ومخالفة الظالم وقسمة الفیء والغنائم واخذ الصدقات من مواضعها ووضعها فی حقها۔

۱۔ فروع کافی ج ۵ ص ۵۵ - ۶۰ کتاب الجہاد باب الامر بالمعروف والنہی عن المنکر، احادیث ۱، ۲، ۵، ۱۱۔ وسائل الشیعہ ج ۶ ص ۳۹۳ بہ بعد کتاب الامر بالمعروف ونہی عن المنکر، باب ۱ و ۳۔

اگر امر بالمعروف ونہی عن المنکر بخوبی ادا کیاجائے تو دیگر فرائض قہری طور سے ادا ہوجائیں گے۔ اگر امر بالمعروف ونہی عن المنکر کا اجرا ہوجائے تو ظالمین اور ان کے عمال لوگوں کے اموال لیکر اپنی مرضی سے خرچ نہیں کرسکتے اور نہ ٹیکس کی رقومات کو برباد کرسکتے ہیں۔ معروف کاحکم دینے والا، برائیوں سے روکنے والا (در حقیقت) اسلام کی طرف دعوت دیتا ہے، رد مظالم کرتا ہے، ظالم کی مخالفت کرتا ہے۔

بہترین امربالمعروف ونہی عن المنکر انہیں چیزوں کے لئے ہے۔ ہم نے اس کا دائرہ تنگ کرکے ایسے مقامات کے لئے مخصوص کردیا ہے جس کا ضرر صرف ان لوگوں کے لئے ہے جو اس کا ارتکاب کرتے ہیں یا ترک کرتے ہیں۔ ہمارے ذہنوں میں یہ بات بیٹھ گئی ہے کہ منکرات یہی ہیں جس کو ہم ہرروز دیکھتے ہیں یا سنتے ہیں۔ مثلا اگر بس میں بیٹھے ہیں اور گانا لگادیا گیا یا کسی قہوہ خانہ میں کوئی غلط کام ہوا، یا بیچ بازار میں کسی نے رمضان میں کچھ کھا، پی لیا تو اسی کومنکرات سمجھتے ہیں اور اس سے روکتے ہیں لیکن بڑے بڑے منکرات کی طرف توجہ بھی نہیں کرتے، جو لوگ اسلام کی حیثیت کو ختم کررہے ہیں، کمزوروں کے حقوق پامال کررہے ہیں۔۔۔ ان کو نہی کرناچاہیے۔ اگر ظالموں کے خلاف جب وہ غلط کام کریں یا کوئی ظلم کریں سب مل جل کر اعتراض کریں۔ تمام اسلامی ملکوں سے ان کے خلاف ٹیلیگرام ہزاروں کی تعداد میں بھیجے جائیں کہ یہ کام نہ کرو تو وہ لوگ اس سے دست بردار ہوجائیں گے۔ جب بھی یہ لوگ حیثیت اسلام اور مصالح عوام کے خلاف کوئی کام انجام دیں ان کے خلاف تقریریں کی جائیں تمام دیہاتوں، قصبوں میں پورے ملک کے اندر (منبروں سے) مخالفت کی جائے تو بہت جلد یہ لوگ پیچھے ہٹ جائیگے۔ کیا آپ کا خیال ہے کہ پیچھے نہ ہٹیں گے؟ بالکل ہٹیں گے۔ میں ان کو پہچانتا ہوں۔ میں جانتا ہوں کہ یہ کیا ہیں۔ یہ ڈرپوک ہیں بہت جلد پیچھے ہٹ جائیں گے، لیکن جب انہوں نے دیکھ لیا ہم ان کی نظر میں بے وقعت ہیں تو جولانی کرتے ہیں۔

جس مسئلہ میں علماء متحد ہوگئے اور آپس میں اتحاد کرلیا. دیہاتوں سے بھی ان کی تائید ہونے لگی انجمنیں آنے لگیں، تقریریں ہونے لگیں تو حکومت کو پیچھے ہٹنا پڑا اور اپنے [1] قانون کو واپس لینا پڑا. لیکن رفتہ رفتہ جب ہم کو سرد وسست کردیا اور آپس میں اختلاف ڈال دیا، ہر ایک کی تکلیف شرعی معین کردی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اختلاف ہوگیا. مختلف رائیں ہوگئیں تو حکومت جری ہوگئی اب اس کا جو جی چاہتا ہے مسلمانوں کے لئے اور اسلام کے لئے کرتی ہے.

دعاء الی الاسلام مع رد المظالم ومخالفة الظالم . امر بالمعروف ونہی عن المنکر ان اہم کاموں کے لئے ہے. ایک بیچارہ دکاندار اگر کوئی ناجائز کام کرتا ہے تو اپنے کو نقصان پہونچاتا ہے اسلام کو کوئی ضرر نہیں پہونچاتا لیکن جو لوگ اسلام کو ضرر پہونچاتے ہیں ان کو زیادہ امر بالمعروف ونہی عن المنکر کیا جائے. جو لوگ مختلف عنوانوں سے لوگوں کی حیثیت مٹاتے ہیں ان کو نہی کی جائے.

اس قسم کی باتیں کبھی اخباروں میں بھی آجاتی ہیں البتہ کبھی بطور مذاق اور کبھی بطور سنجیدگی. بہت سی چیزوں کو سیلاب زدہ اور زلزلہ زدہ لوگوں کے نام پر جمع کرکے خود حکومت والے کھاجاتے ہیں. ملایر کے ایک عالم نے مجھ سے بتایا کہ ایک حادثہ میں مرنے والوں کے لئے ایک ٹرک کفن لیکر جارہا تھا. حکومت کے آدمی مجھے لے جانے نہیں دے رہے تھے وہ خود ہی اس کو ہضم کرنا چاہتے تھے. ایسے لوگوں کو امر بالمعروف ونہی عن المنکر بہت زیادہ ضروری ہے.

اس وقت میں آپ سے پوچھتا ہوں: کیا جو مطالب حضرت امیرؑ نے اس حدیث میں بیان فرمائے

۱۔ یہ حکومت کی طرف سے ۱۶ مہر ۱۳۴۱ (۸ اکتوبر ۱۹۶۲ء) میں علاقائی ومقامی کونسلوں کے قانون میں تیسری ترمیم کی طرف اشارہ ہے. انتخاب کرنے والوں اور منتخب ہونے والوں کی شرائط میں یہ تھا کہ حلف اٹھاتے وقت قرآن کی قسم کھائیں لیکن اس ترمیم میں قرآن کی جگہ کتاب آسمانی رکھ کرپاس کردیا گیا تھا. اس ترمیم کی سب سے پہلے امامؒ نے پھر دیگر مراجع نے مذمت کی پھر ہرگروہ نے مذمت کی. امامؒ کی مسلسل تقریروں، احکام اور تحریروں نے اور مراجع کرام کے اعلامیوں نے آخرکار حکومت کو مجبور کردیا کہ وہ اسی سال ۱۷ آذر (۸ دسمبر) کو اس ترمیم کو لغو قرار دیدے. بررسی و تحلیلی از نہضت امام خمینیؒ ص ۱۴۱۔ ۲۱۶.

ہیں صرف وہ ان اصحاب کے لئے ہیں جو حضرتؑ کے اردگرد بیٹھتے تھے اور حضرتؑ کے بیانات سنتے تھے ؟ کیا " **اعتبروا ایہا الناس** " کا خطاب ہمارے لئے نہیں ہے؟ ہم " **ناس** " اور جزء مردم نہیں ہیں؟ کیا ہم کو اس خطاب سے عبرت نہیں حاصل کرنا چاہئے؟

جس طرح میں نے ابتدائے بحث میں کہا کہ یہ مطالب کسی گروہ خاص کے لئے مخصوص نہیں بلکہ حضرتؑ کی طرف سے ہر امیر، ہر وزیر، ہر حاکم، ہر فقیہ، پوری دنیا، تمام انسانوں، اور تمام زندہ افراد کے لئے ہیں. یہ ایک حکم ہے حضرتؑ کے دیگر احکام کی طرح. قرآن کے ساتھ ہے جس طرح قرآن قیامت تک کے لئے واجب الاتباع ہے اسی طرح حضرتؑ کا یہ حکم بھی ہے (اسی طرح) آیت " **لولا ینہاھم الربانیون** " سے استدلال کیا گیا ہے. اگرچہ اس میں خطاب ربانیون واحبار سے ہے مگر روئے خطاب عموم سے ہے. اس لئے جیسے ربانیوں واحبار طمع یا خوف کی وجہ سے ظالمین کے ظلم کے مقابلہ میں خاموشی اختیار کرلیتے تھے حالانکہ وہ اپنی چیخ وپکار، تحریر وتقریر سے ان کے ظلم کا مقابلہ کرسکتے تھے لیکن ایسا نہ کرنے کی وجہ سے خدا کی نظر میں قابل نفرت ہوگئے. اسی طرح علمائے اسلام بھی اگر ان کی طرح ستمگروں کے مقابلہ میں خاموش رہے تو قابل نفرت ہوجائیں گے.

ثم ایتہا العصابة ... عصابة بالعلم مشہورة وبالخیر مذکورة وبالنصیحة معروفة وباللہ فی انفس الناس مہابة، یہابکم الشریف ویکرمکم الضعیف ویؤثرکم من لافضل لکم علیہ ولاید لکم عندہ، تشفعون فی الحوائج اذا امتنعت من طلابہا وتمشون فی الطریق بہیبة الملوک وکرامة الاکابر، الیس کل ذلک انما نلتموہ بما یرجی عندکم من القیام بحق اللہ.

لوگوں سے خطاب کرنے کے بعد علمائے اسلام کو مخاطب کرتے ہوئے فرمارہے ہیں: آپ لوگ معاشرے میں شوکت وہیبت رکھتے ہیں، ملت اسلام آپ کا احترام کرتی ہے آپ کی بزرگی کی قائل ہے اور یہ عزت وہیبت جو معاشرے میں آپ کو حاصل ہے اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ آپ سے توقع ہے کہ ظالمین کے ظلم کا مقابلہ آپ کریں گے. ظالموں سے مظلوموں کا حق دلائیں گے. آپ سے امید

ہے کہ آپ قیام کریں گے اور ظالمین کو ان کے ظلم سے روکیں گے۔

وان کنتم عن اکثر حقه تقصرون، فاستخففتم بحق الامة، فاما حق الضعفاء فضیعتم واما حقکم بزعمکم فطلبتم فلا مالا بذلتموه ولا نفسا خاطرتم بها للذی خلقها ولا عشیرۃ عادیتموها فی ذات اللہ. انتم تتمنون علی اللہ جنته ومجاورۃ رسله وامانا من عذابه. لقد خشیت علیکم ایها المتمنون علی اللہ ان تحل بکم نقمة من نقماته لانکم بلغتم من کرامة اللہ منزلة فضلتم بها ومن یعرف باللہ لاتکرمون، وانتم باللہ فی عباده تکرمون۔

تم نے ایک مقام ومنزلت پیدا کرلی ہے لیکن جب تم اس منزل پر پہونچ گئے تو اس کے حق کو ادا نہ کیا۔

وقد ترون عهود اللہ منقوصة فلا تفزعون وانتم لبعض ذمم آبائکم تفزعون، وذمة رسول اللہ محقورۃ (مخفورۃ)

اگر تمہارے باپ دادا کے لئے کچھ ہوجائے یا خدا نخواستہ کوئی تمہارے باپ کی بے احترامی کردے تو تم کو بہت تکلیف ہوتی ہے تم داد وفریاد کرتے ہو۔ مگر جب تمہارے سامنے عہد الٰہی کو توڑا جاتا ہے، اسلام کی ہتک کی جاتی ہے تو تم چوں بھی نہیں کرتے! دل سے ناراض تک نہیں ہوتے! حالانکہ اگر تم کو تکلیف ہوتی تو تمہاری آواز بلند ہوتی۔

"**والعمی والبکم والزمن فی المدائن مهملة لاترحمون** "گونگے، اندے، بہرے، زمین گیر ہلاک ہورہے ہیں کسی کو ان کی فکر نہیں ہے کوئی پابرہنہ ملت کے فکر میں نہیں ہے۔

آپ خیال کرتے ہیں کہ ریڈیو پر جو شور وغل کیا جاتا ہے وہ صحیح ہے؟ آپ خود نزدیک سے جاکر دیکھئے کہ لوگ کس قسم کی زندگی بسر کررہے ہیں۔ ہر سو سے لیکر دو سو (گھروں) تک ایک ڈسپنسری بھی نہیں ہے۔ بھوکوں اور پریشان لوگوں کے لئے کوئی فکر ہی نہیں کی گئی ہے اس کی بھی اجازت نہیں دیتے کہ اسلام نے غریبوں کے لئے جو پروگرام بنایاہے اس کو عملی شکل دیں اسلام نے تو

فقراء کا مسئلہ حل کردیا ہے اپنے پروگرام میں سرفہرست انہیں کو رکھا ہے " انما الصدقات للفقراء ...[1] " اسلام کی توجہ تھی کہ پہلے فقیروں کے کام کو انجام دیا جائے ان کے کاموں کی اصلاح کی جائے لیکن یہ لوگ اس کو عملی نہیں ہونے دیتے۔

قوم فقر وفاقہ میں بسر کررہی ہے اور حکومت ایران روزانہ بے حساب ٹیکس وصول کرکے اپنے بیہودہ اخراجات میں صرف کررہی ہے۔ فینٹم جہاز خرید رہی ہے تاکہ اسرائیلی فوجی اور اس کے تچھے ہمارے ملک میں فوجی تعلیم حاصل کریں ۔ اسرائیل ابھی مسلمانوں سے حالت جنگ میں ہے اور جو لوگ اس کی تائید کرتے ہیں وہ بھی مسلمانوں سے حالت جنگ میں ہیں ۔ اسرائیل کے بال وپر ہمارے ملک میں اتنے آزاد ہیں اور حکومت وقت نے ان کی اتنی تائید کرر کھی ہے کہ ان کی فوجی جنگی مشقوں کو دیکھنے کےلئے ہمارے ملک آتے ہیں ہماری مملکت ان کی چھاؤنی ہے۔ بازار بھی انہیں کے ہاتھ میں ہے۔ اگر یہی صورت حال رہی اور مسلمان ایسے ہی سست رہے تو بازار مسلمانوں کے ہاتھ سے نکل جائے گا۔

" ولا فی منزلتکم تعملون ولا من علم فیہا (تعینون) " تم نے اپنے مقام سے خود ہی کوئی کام نہیں لیا اور نہ کوئی کام انجام دیا اور جو اپنے فریضہ پر عمل کرنا چاہتا ہے اس کی بھی مدد نہیں کرتے ہو۔

وبالادھان والمصانعة عند الظلمة تامنون کل ذلک مما امرکم اللّٰہ بہ من النہی والتناھی وانتم عنہ غافلون۔

تمہاری خوشی تو اس میں ہے کہ ظالم تمہاری کمک کریں، تمہارا احترام کریں مثلا " ایہا الشیخ الکبیر " کہیں اور تم کو اس سے کوئی غرض نہ ہو کہ قوم وملت پر کیا گزر رہی ہے اور حکومت کیا کررہی ہے؟

وانتم اعظم الناس مصیبة لما غلبتم علیہ من منازل العلماء لو کنتم تسعون۔ ذلک بان مجاری الامور والاحکام علی ایدی العلماء باللّٰہ الامناء علی حرامہ وحلالہ۔ فانتم المسلوبون تلک المنزلة۔

۱۔ سورہ توبہ / ۶۰

امام (ع) یہ بھی فرماسکتے تھے کہ میرا حق چھین لیا مگر تم خاموش رہے یا ائمہؑ کا حق لے لیا اور تم کچھ نہ بولے مگر حضرتؑ نے علماء باللہ فرمایا جس کا مطلب ربانیون اور پیشوا حضرات ہیں. اس سے اہل فلسفہ واہل عرفان مراد نہیں ہیں. عالم باللہ وہ شخص ہے جو احکام خدا کو جانتا ہو اور احکام الٰہی کا عالم ہو. اس کو روحانی وربانی کہاجاتا ہو بشرطیکہ روحانیت اور توجہ بخدا اس پر غالب ہو.

وما سلبتم ذلک الا بتفرقکم عن الحق واختلافکم فی السنة بعد البینة الواضحة. ولو صبرتم علی الاذی وتحملتم المؤونة فی ذات اللہ کانت امور اللہ علیکم ترد وعنکم تصدر والیکم ترجع.

اگر تم لوگ اچھے ہوتے اور امر الٰہی کا قیام کرتے تو دیکھتے کہ امور کے ورود وصدور کا تعلق صرف تم سے ہوتا. امور تم سے صادر ہوتے. ہر امر تمہاری طرف پلٹتا اور اگر مرضی اسلام کے مطابق حکومت ہوتی تو دنیاوی حکومتیں اس کا مقابلہ نہیں کرسکتی تھیں. وہ سب اس کے مقابلے میں سر جھکا دیتیں لیکن افسوس کوتاہی ہوئی کہ ایسی حکومت نہ قائم ہوسکی اور نہ صدر اسلام کے مخالفین نے ایسی حکومت قائم ہونے دی یعنی ایسے شخص کے ہاتھ میں حکومت نہ دی جس سے خدا ورسول (ص) راضی تھے اگر یہ کچھ نہ ہوتا تو اس کی نوبت نہ آتی.

" ولکنکم مکنتم الظلمة من منزلتکم " جب تم نے اپنے فریضہ پر عمل نہیں کیا اور حکومت کو چھوڑ دیا، ظالمین کے لئے موقع فراہم کردیا کہ وہ اس جگہ پر آجائیں.

واستسلمتم امور اللہ فی ایدیہم، یعملون بالشبہات ویسیرون فی الشہوات، سلطہم علی ذلک فرارکم من الموت واعجابکم بالحیاة التی ھی مفارقتکم، فاسلمتم الضعفاء فی ایدیہم فمن بین مستعبد مقہور وبین مستضعف علی معیشة مغلوب.

یہ تمام مطالب ہمارے زمانہ پر منطبق ہیں. جس زمانہ میں حضرت نے یہ خطبہ ارشاد فرمایا ہے اس سے زیادہ یہ ہمارے زمانے کہ حالات پر منطبق ہے.

يتقلبون فى الملك بآرائهم ويستشعرون الخزى باهوائهم اقتداء بالاشرار وجراة على الجبار. فى كل بلد منهم على منبره خطيب يصقع.

اس زمانہ میں خطیب منبر سے ظالموں کی تعریف کرتا تھا اور آج ریڈیو سے روزانہ چیخ پکار مچاتے ہیں. اسلام کے خلاف حکام کے موافق تبلیغ کرتے ہیں اور اسلام کو اس کی حقیقت کے خلاف پیش کرتے ہیں.

" فالارض لہم شاغرة " آج فضائیں ظالموں کےلئے کھلی ہیں اور ان کے فائدہ کےلئے تیار ہیں اور کوئی ایسا نہیں ہے جو ان کے خلاف قیام پر آمادہ ہوسکے.

وايديهم فيها مبسوطة والناس لهم خول لايدفعون يد لامس، فمن بين جبار عنيد وذى سطوة على الضعفة شديد مطاع لايعرف المبدیء المعيد. فيا عجبا ومالى لاعجب والارض من غاش غشوم ومتصدق ظلوم وعامل على المؤمنين بهم غير رحيم فاللہ الحاكم فيما فيه تنازعنا والقاضى بحكمه فيما شجر بيننا.

اللهم انک تعلم انه لم يكن ما كان منا تنافسا فى سلطان ولا التماسا من فضول الحطام ولكن لنرى المعالم من دينک ونظهر الاصلاح فى بلادک ويامن المظلومون من عبادک ويعمل بفرائضک وسننک واحكامک.

فان لم تنصرونا وتنصفونا قوى الظلمة عليكم وعملوا فى اطفاء نور نبيكم وحسبنا اللہ وعليه توكلنا واليه انبنا واليه المصير.

جیسا کہ آپ دیکھ رہے ہیں روایت، اول سے آخر تک علما. سے مربوط ہے اس میں کوئی ایسی خصوصیت نہیں ہے جس کی وجہ سے علما. باللہ سے مراد ائمہ علیہم السلام کو لیا جائے. علمائے اسلام علما. باللہ ہیں اور ربانی ہیں (کیونکہ) ربانی اس کو کہتے ہیں جو خدا پر عقیدہ رکھتا ہو اور احکام خدا کی حفاظت کرتا ہو اور احکام الٰہی کا عالم ہو اور خدا کے حرام وحلال کا امین ہو.

حضرتؑ نے فرمایا ہے کہ امور کا اجراء علماء کے ہاتھ میں ہے یہ کوئی دو سال یا دس سال کے لئے نہیں ہے اور نہ مدینہ والوں کے لئے ہے، بلکہ خود روایت وخطبہ سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت علیؑ کی نظر بہت وسیع تھی آپؑ کی نظر ایک عظیم امت پر تھی کہ جس کو حق کے لئے قیام کرنا چاہئے۔

اگر علماء حلال وحرام الٰہی کے امین ہوتے اور ان دونوں خاصیتوں کے ۔۔ جن کو پہلے عرض کرچکا یعنی علم وعدالت ۔۔ حامل ہوتے تو حکم الٰہی کا اجرا کرتے، حدود جاری کرتے، احکام اور امور اسلام ان کے ہاتھوں جاری ہوتے اور قوم بے یار ومددگار اور بھوکی نہ رہتی۔ احکام اسلام معطل نہ ہوتے۔

یہ روایت ہماری بحث کے مؤیدات میں سے ہے اور اگر سند کے اعتبار سے ضعیف نہ ہوتی [۱] تو اس کو دلیل بھی کہا جاسکتا تھا تاہم یہ جب ہے کہ اگر ہم یہ نہ کہیں کہ خود مضمون روایت اس بات کا شاہد ہے کہ یہ لسان معصوم سے صادر ہوئی ہے اور اس کا مضمون سچا ہے۔

ہم ولایت فقیہ کے موضوع کو ختم کررہے ہیں اب اس سلسلہ میں کوئی بحث نہیں کریں گے اور نہ اس کی ضرورت ہی ہے کہ مطلب کے فروع موضوع سے بحث کریں مثلاً زکات کیونکہ (واجب) ہوتی ہے حدود کیسے جاری کئے جائیں۔ ہم تو صرف اصول موضوع یعنی ولایت فقیہ (یا حکومت اسلامی) سے بحث کرنا چاہتے تھے جو کرچکے اور کہہ چکے کہ جو ولایت وحکومت پیغمبر اسلام (ص) اور ائمہؑ کے لئے تھی وہی فقیہ کے لئے ثابت ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں ہے۔ ہاں اگر کسی جگہ اس کے خلاف دلیل قائم ہوجائے تو ہم بھی اس کو خارج مانیں گے۔

ہم پہلے بھی کہہ چکے ہیں کہ ولایت فقیہ کوئی نئی چیز نہیں ہے جس کو ہم پیش کررہے ہوں بلکہ یہ مسئلہ پہلے ہی سے محل بحث رہا ہے۔ میرزا شیرازی مرحوم [۲] کا تمباکو کی حرمت کا حکم چونکہ حکومتی تھا

۱۔ مؤلف تحف العقول نے اس روایت کو حذف اسناد کے ساتھ ذکر کیا ہے یہی، ارسال اور ضعف روایت کا سبب ہوا ہے۔

۲۔ میرزا حسن (یا محمد حسن) بن محمود حسینی شیرازی (۱۲۳۰۔ ۱۳۱۲ ھ) فقیہ واصولی اور اپنے زمانے میں رئیس شیعہ تھے ابتداء میں شیراز واصفہان میں تحصیل علم کی۔ اور پھر نجف میں شیخ انصاری سے بہت استفادہ کیا۔ ۲۲ سال ان کے درس خارج میں = =

اس لئے دیگر فقہاء کے لئے بھی واجب الاتباع تھا. ایران کے تمام بزرگ علماء (سوائے چند کے) نے اس کی پیروی کی تھی [1] یہ حکم قضاوتی نہ تھا جو چند لوگوں کے درمیان کسی موضوع پر باعث اختلاف ہوا ہو اور میرزا نے اپنی تشخیص کے لحاظ سے قضاوت کی ہو اور مصالح مؤمنین وبعنوان ثانوی [2] اس کو حکم حکومتی کے بطور صادر فرمایا ہو کہ جب تک وہ عنوان رہے حکم رہے عنوان کے ختم ہوتے ہی حکم ختم ہوجائے.

مرحوم میرزا محمد تقی شیرازی [3] نے جو حکم جہاد دیا تھا۔ یقینا اس کا نام دفاع تھا۔ اور تمام علماء نے اس

== شریک ہوئے شیخ انصاری کے بعد خود مرجع ہوئے تمباکو کی حرمت کا واقعہ ان کے سال وفات میں پیش آیا اور اس کے نتیجہ میں کئی ملین ایرانیوں نے تمباکو کا استعمال چھوڑ دیا اور انگریزوں سے جو قرارداد ہوئی تھی وہ بھی لغو قرار دیدی گئی. یہ دینی اقتدار اور سیاسی بینش کا ایک نمونہ ہے. میرزا حسین نوری، آقا رضا ہمدانی، شیخ جعفر کاشف الغطاء، سید کاظم یزدی، شیخ فضل اللہ نوری، میرزا حبیب اللہ خراسانی وغیرہ ان کے شاگرد تھے اور رسالہ در رضاع، رسالہ در اجتماع امر ونہی اور ایک کتاب در طہارت مبحث وضو تک آپ کی تالیفات میں سے ہیں.

۱۔ تاریخ بیداری ایرانیان، از ناظم الاسلام کرمانی ج ۱ ص ۱۴، حیات یحیی، یحیی دولت آبادی ج ۱ ص ۱۱۹، تحریم تمباکو، ابراہیم تیموری ص ۹، تحریم تمباکو در ایران، نیکی رکدی، ترجمہ شاہرخ قائم مقامی، ص ۱۱۸.

۲۔ وہ عناوین جن سے حکم شرعی کا تعلق ہو خواہ وہ افعال ہوں یا ذوات ان کی دو صورتیں ہیں. ۱۔ عنوان یا موضوع غیر مقید ہو (یعنی اس میں اضطرار وغیرہ کی کوئی قید نہ ہو) ایسی صورت میں اس پر جو حکم لگایا جاتا ہے وہ حکم اولی کہا جاتا ہے. ۲۔ عنوان یا موضوع مقید ہو۔ یعنی اس میں اضطرار، اکراہ، حرج، ضرر، فساد وغیرہ کی قید لگی ہو۔ ایسی صورت میں اس پر جو حکم لگایا جاتا ہے اس کو "حکم ثانوی" کہتے ہیں مثلا مردار کا گوشت کھانا بہ عنوان اولی حرام ہے لیکن اگر کوئی شخص اس کے کھانے پر مضطر ہوجائے سدّ جوع کے لئے تو اس کا کھانا جائز ہوجائے گا. یا مثلا تمباکو کی خرید وفروخت اور اس کا استعمال بہ عنوان اولی حلال وجائز ہے لیکن اگر موجب ضرر وفساد ہوجائے یا کفار کے مسلمانوں پر غلبہ کا سبب بن جائے تو اس کی حلیت ساقط ہوجاتی ہے.

۳۔ میرزا محمد تقی بن محب علی شیرازی حائری (۱۳۶۸ھ) مقدمات کا درس تمام کرکے سامرا گئے اور میرزا بزرگ شیرازی کے درس میں حاضر ہونے لگے پھر ان کے بہترین شاگردوں میں شمار ہونے لگے میرزا بزرگ کے بعد مقام مرجعیت پر فائز ہوئے اور سید محمد کاظم یزدی کے بعد ریاست شیعہ کے عہدہ دار ہوگئے. اپنے مشہور فتوی سے عراق میں جہاد کا حکم دیا اور لوگوں کو عراق میں انگریز حکومت کے خلاف جہاد پر آمادہ کیا. آپ کے آثار علمی میں سے علم اصول پر چند رسالے اور مکاسب پر حاشیہ اور کچھ ==

حکم کی پیروی کی تھی اس لئے کہ وہ حکم حکومتی تھا. بہت سے لوگوں نے نقل کیا ہے کہ کاشف الغطاء [1] مرحوم نے بھی ان میں سے بہت سے مطالب کو ذکر فرمایا تھا.

میں نے عرض کیا کہ متاخرین میں نراقی مرحوم تمام شئون رسول خدا (ص) کو فقہاء کے لئے ثابت جانتے تھے اور نائینی مرحوم بھی فرماتے تھے کہ مقبولہ عمر بن حنظلہ سے یہی مطلب ثابت ہوتا ہے [2] بہرحال یہ بحث نئی نہیں ہے میں نے صرف موضوع کی تحقیق زیادہ کی ہے اور حکومت کے شعبوں کا ذکر کرکے آپ حضرات کے سامنے بیان کیا ہے تاکہ مسئلہ اور واضح ہوجائے اور حکم خدا کی اتباع میں اور لسان رسول (ص) کی پیروی میں تھوڑے سے وہ مطالب جو روزانہ کے مورد احتیاج تھے ان کو بھی بیان کردیا ہے، ورنہ اصل مطلب وہی ہے جو بہت سے علماء نے سمجھا ہے.

میں نے اصل موضوع کو پیش کردیا اب نسل حاضر اور نسل آئندہ کے لئے ضروری ہے کہ اس کے مختلف پہلوؤں پر غور وفکر اور بحث کرکے اور اس کے حصول کی کوشش کرے. سستی، سرد مہری اور مایوسی کو اپنے سے دور کردے. انشاء اللہ تشکیل حکومت کی کیفیت اور دیگر متفرعات کو باہمی مشوروں اور تبادلہ خیالات سے طے کرسکتے ہیں. حکومت اسلامی کے امور کو امین وماہر، عقلمند اور دیندار لوگوں کے سپرد کردیں. حکومت، وطن اور مسلمانوں کے بیت المال سے غداروں اور خائنوں کے ہاتھ قطع کردیں او اطمینان رکھیں کہ خدائے قادر ان کے ساتھ ہے.

= = اشعار باقی رہ گئے ہیں اشعار یا تو مدح اہل بیت میں ہیں یا پھر اہلبیت کے مرثیوں پر مشتمل ہیں

۱۔ جعفر بن خضر بن یحیی نجفی (۱۲۲۸ یا ۱۲۲۷ ھ) آپ شیخ جعفر کاشف الغطاء کے نام سے مشہور ہیں اپنے استاد علامہ بحرالعلوم کی وفات کے بعد (۱۲۱۲ ھ) شیعوں کی ریاست تامہ، آپ کے حصہ میں آئی. آپ کے بارے میں مشہور تھا کہ فقہ میں بہت معتدل ہیں نیز ادلہ سے قوت استنباط میں بھی شہرت رکھتے تھے اور اچھے اشعار کہتے تھے آپ کے آثار میں کشف الغطاء، شرح قواعد علامہ، کتاب طہارت، غایۃ المامول فی علم الاصول، مختصر کشف الغطاء، الحق المبین فی تصویب المجتہدین و تخطئہ الاخباریین شامل ہے

۲۔ منیۃ الطالب فی حاشیۃ المکاسب ج ۲ ص ۳۲۷.

پانچواں حصّہ :

حکومت اسلامی کی تشکیل کے لئے جد وجہد
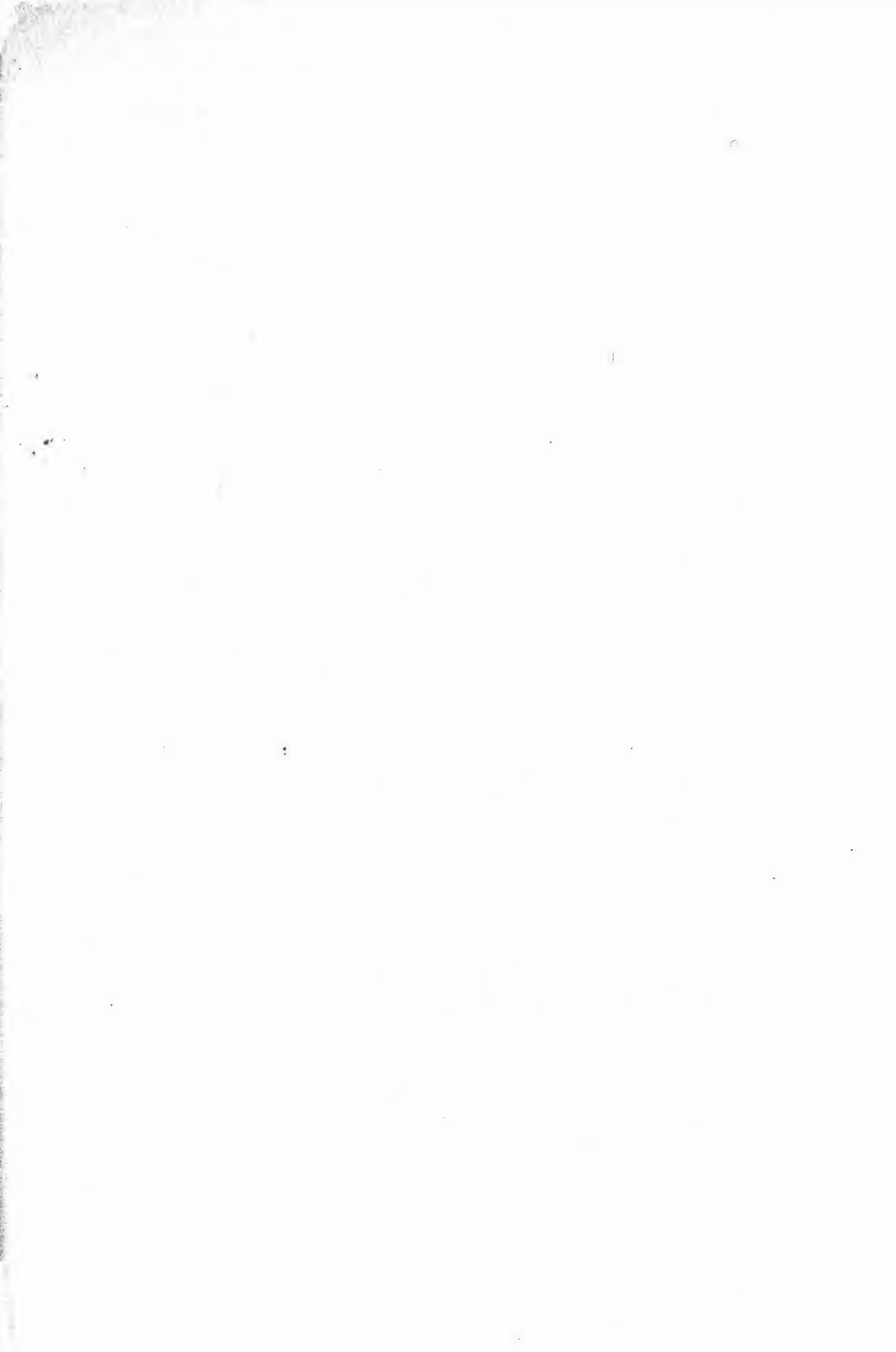
حکومت اسلامی کی تشکیل کا پروگرام

ہمارا فریضہ ہے کہ حکومت اسلامی تشکیل دینے کےلئے واقعی طور سے کوشش کریں. سب سے پہلا کام اس سلسلہ میں یہ ہے کہ تبلیغات کا پروگرام بنائیں اور اس راستہ سے آگے بڑھیں. پوری دنیا میں اور ہمیشہ سے یہی طریقہ رہا ہے (پہلے) چند آدمی اکٹھا بیٹھتے تھے فکر کرتے تھے اور فیصلہ کرتے تھے پھر اسی کی تبلیغ کرتے تھے رفتہ رفتہ ہم خیال افراد کا اضافہ ہوتا جاتا تھا اور انجام کار، ایک بڑی حکومت میں نفوذ پیدا کرلیتے تھے یا اس سے جنگ کرکے حکومت کو گرادیتے تھے (اسی طرح) محمد علی میرزائی [1] کو ختم کرکے حکومت مشروطہ کی بنیاد ڈالی گئی تھی. کبھی بھی ابتداء ہی سے طاقت ولشکر کی ضرورت نہیں ہوتی. ہمیشہ لوگ پروپیگنڈہ کے ذریعہ آگے بڑھے ہیں. زبردستی اور جھوٹ کا خاتمہ کیا ہے. قوم وملت کو

۱۔ محمد علی شاہ (۱۲۸۹ - ۱۳۴۴ ھ ق - ۱۳۰۴ ھ ش) یہ مظفرالدین شاہ قاجار اور تاج الملوک میرزا تقی خان امیرکبیر کی بڑی لڑکی سے پیدا ہوئے تھے ان کے زمانے میں پارلیمنٹ کو زبردستی بندکر دیا گیا اور نمائندوں کی ایک تعداد کو قتل کردیا گیا. کچھ کو ملک بدر کردیا گیا اور کچھ کو جیل میں ڈال دیا گیا. اس واقعہ کے ایک سال بعد محمد علی کو سلطنت سے معزول کردیا گیا. یہ شخص ۱۶ سال مختلف ملکوں میں مارا مارا پھرا آخر اٹلی میں جاکر مرگیا.

آگاہی دی ہے. لوگوں کو سمجھایا ہے کہ یہ زبردستی والا مسئلہ غلط ہے پھر رفتہ رفتہ پروپیگنڈے کا دامن وسیع ہوتا جاتا ہے اور وہ معاشرے کے ہر گروہ کو اپنے دامن میں سمیٹ لیتا ہے. لوگ بیدار وفعال ہوکر نتیجہ حاصل کرلیتے ہیں.

اس وقت آپ کے پاس نہ کشور ہے نہ لشکر، لیکن تبلیغ آپ کےلئے ممکن ہے. دشمن تمام ذرائع ابلاغ آپ سے نہیں چھین سکا. ہاں (آپ کی ڈیوٹی ہے کہ) عبادی مسائل لوگوں کو سکھائیں، لیکن اہم ترین، اسلام کے سیاسی مسائل ہیں، اسلام کے اقتصادی وحقوقی مسائل ہیں. یہی محور کار تھے اور رہنا چاہئیں. ہمارا فریضہ ہے کہ ابھی سے ایک حکومت اسلامی کی بنیاد رکھنے کی کوشش کریں. تبلیغ کریں، تعلیمات دیں، ہم خیال بنائیں، ایک تبلیغاتی وفکری لہر وجود میں لائیں تاکہ ایک اجتماعی کیفیت پیدا ہو. اور پھر رفتہ رفتہ ایسے افراد کا ایک گروہ جو فرض شناس، دیندار اور انقلاب اسلامی کی تحریک سے تشکیل پاکر ابھر کر سامنے آئے اور حکومت اسلامی تشکیل دے.

ہمارے پاس فعالیت کرنے کےلئے دو اہم اور بنیادی چیزیں ہیں ایک تبلیغات، دوسرے تعلیمات. فقہاء کی ذمہ داری ہے کہ عقائد، احکام اور نظام اسلام کی تبلیغ کریں اور لوگوں کو تعلیم دیں تاکہ اجرائے احکام اور نظام اسلام کے معاشرے میں برقراری کا سبب بنے. آپ نے روایت میں خود ہی ملاحظہ فرمایا کہ جانشینان رسول (ص) یعنی فقہاء کےلئے آیا ہے " **یعلمونہا الناس** " یعنی لوگوں کو دین کی تعلیم دیتے ہیں. خصوصاً آج کل کے حالات میں جب استعماری سیاست، ظالم حکام، خائن (ملوک) یہود، نصاریٰ، مادہ پرست (سب ہی) اسلامی حقائق کی تحریف اور مسلمانوں کو گمراہ کرنے پر تلے ہوئے ہیں، ایسے وقت میں تبلیغات وتعلیمات کےلئے ہماری ذمہ داری دوسرے اوقات سے کہیں زیادہ ہوجاتی ہے. آج ہم دیکھ رہے ہیں کہ یہودی (خدا ان کو ذلیل ورسوا کرے) قرآن میں تصرف کررہے ہیں جو قرآن ان شہروں میں چھپے ہیں جو یہودیوں کے قبضہ ہیں ان میں انہوں نے تبدیلیاں کردی ہیں. ہماری ذمہ داری ہے کہ اس قسم کے خیانت کارانہ تصرفات کو روکیں. اس کےلئے شور وغل کرکے لوگوں

کو متوجہ کرنا چاہیے تاکہ لوگوں کو معلوم ہوجائے کہ یہودی اور ان کے غیر ملکی پشت پناہ کون (سی طاقتیں اور) کون سے لوگ ہیں جو اساس اسلام کے مخالف ہیں اور وہ چاہتے ہیں کہ دنیا میں یہودی حکومت قائم ہوجائے. چونکہ یہ جماعت موذی ہونے کے ساتھ ساتھ فعال بھی ہے اس لئے نعوذ باللہ مجھے ڈر ہے کہ کہیں یہ لوگ کبھی اپنے مقصد کو حاصل نہ کرلیں. ہم لوگوں میں سے، بعض حضرات کی سستی کہیں اس بات کا سبب نہ بن جائے کہ ایک وقت ہمارے اوپر یہودی حکومت کرنے لگیں. خدا وہ (روز بد) نہ دکھائے.

دوسری طرف کچھ مستشرقین جو استعماری پروپیگنڈہ اداروں کے ایجنٹ ہیں وہ اس کام پر لگے ہوئے ہیں اور باقاعدہ کوشش کررہے ہیں کہ حقائق اسلام کو تحریف کرکے اس کے برعکس پیش کریں. استعماری مبلغین سرگرم عمل ہیں. اسلامی شہروں کے ہر ہرگوشہ میں ہمارے جوانوں کو اپنی غلط تبلیغات کے ذریعہ ہم سے مسلسل جدا کرنے کی کوشش کررہے ہیں. ایسا نہیں ہے کہ ہمارے جوانوں کو یہودی یا نصرانی بنانا چاہتے ہوں، نہیں نہیں، بلکہ ان کو فاسد وبے دین اور لاابالی بنارہے ہیں. استعماگروں کےلئے بس اتنا ہی کافی ہے. (دور کیوں جائیے) خود ہمارے تہران میں عیسائیوں کے غلط پروپیگنڈہ کرنے کےلئے (جگہ جگہ) ان کے مرکز قائم کئے جاچکے ہیں (اور صرف یہی نہیں بلکہ اس سے بھی بڑے بڑے مراکز قائم ہیں. میں بطور مثال عرض کررہا ہوں) یہاں صہیونزم [۱]

۱۔ صہیونزم ایک بہت ہی متعصب قومیت رکھنے والی پارٹی کانام ہے اس کا مقصد یہودیوں کےلئے ایک مملکت کامطالبہ ہے. بیت المقدس میں ایک پہاڑ کانام صہیون ہے جہاں جناب داود نبیؑ کی قبر ہے اسی کی طرف یہ منسوب ہے. یورپی ممالک کی یہود دشمنی کا ردعمل صہیونزم کی صورت میں ظاہر ہوا. اس تحریک کا بانی "ٹیوڈور ہرتسل" تھا جو ہنگری کے ایک روزنامہ کا اڈیٹر تھا. ۱۸۹۷ء میں صہیونزم کی پہلی عالمی کانفرنس اس نے سوئیزرلینڈ میں کی تھی. اسی کانفرنس میں ایک شخص "وایز من" نے کانفرنس والوں کو اس بات پر خاموش کردیا تھا کہ فلسطین کو یہودیوں کے وطن کےنام سے متعارف کروایا جائے اور اس ملک میں یہودیوں کے سکونت کی موافقت کریں اور پھر یہی شخص اسرائیل کا پہلا صدر ہوا تھا اور "بالفور" کے اعلامیہ کے نکلتے ہی اور انگلستان کی طرف سے حمایت کے ہوتے ہی کہ یہودی فلسطین جائیں = =

اور بہائیت کا [1] بھی وجود ہے، یہ بھی لوگوں کو گمراہ کررہے ہیں اور احکام وتعلیمات اسلام سے دور کررہے ہیں. کیا ان مراکز کا گرا دینا ہمارا فریضہ نہیں ہے جو اسلام کو نقصان پہونچا رہے ہیں؟ کیا ہمارے لئے یہ کافی ہے کہ صرف نجف ہو؟ کہ در حقیقت وہ بھی نہیں ہے! کیا قم میں بیٹھ کر غم منائیں یا اس کے برخلاف لوگوں کو زندہ اور فعال کریں؟

آپ حضرات جو علمی مراکز کے جوان ہیں زندہ رہیں اور امر خدا کو زندہ و محفوظ رکھیں. آپ جوان ہیں اپنی فکر کو رشد وتکامل عطا کریں ان تمام افکار کو جو علوم کے حقائق ودقائق کے اطراف میں چکر لگاتے رہتے ہیں ان کو چھوڑیں کیونکہ اس قسم کی بہت زیادہ باریک بینی نے ہم کو اپنی عظیم ذمہ داریوں سے دور کردیاہے. اسلام کی مدد کریں، مسلمانوں کو خطروں سے بچائیں. وہ (دشمن) اسلام کو ختم کرناچاہتے

== دنیا کے سارے یہودیوں میں سے اکثر فلسطین آگئے اور امریکہ کے سرمایہ کی مدد سے عربوں کی زمینیں، کھیتیاں، مکانات وغیرہ سب ان سے لے لئے. چنانچہ آج بھی صہیونزم کی مالی طاقت دنیا کی عظیم ترین اجارہ دار کمپنیوں کی پراپرٹی کے برابر ہے. اس تنظیم کا مرکز امریکہ ہے. صہیونزم کی ساری کمپنیاں فعالیت میں مشغول ہیں. ان کی انجمنیں دنیا کے ساٹھ ملکوں سے زیادہ میں قیادت کررہی ہیں. اس وقت صہیونزم کے ۱۸ عالمی ادارے، ۲۸۱ یہودی قومی ادارے اور ۲۵۱ مقامی یونینیں ہیں. اسی طرح متعدد عالمی تنظیمیں، بینک اور بہت سے سیاسی واقتصادی وسائل ہیں. اسی طرح اس کے پوری دنیا میں اطلاعاتی وجاسوسی کے بہت سے مرکز ہیں. یہ لوگ دنیا کے بہت مقامات سے مدد حاصل کرتے ہیں. صہیونزم کے دنیا بھر میں تقریبا ۱۰۳۶ روزنامے اور ماہنامے نکلتے ہیں جن میں مشہورترین روزنامہ نیویارک ٹائمز ہے.

۱۔ ۱۲۶۰ ھ میں ایک شخص سیدعلی محمد تھا جو اپنے آپ کو " باب امام " اور امام زمانہ سے ملاقات کا ذریعہ بتاتا تھا پھر کچھ دنوں کےبعد مہدویت کا دعوی کردیا تھا. اسے ۱۲۶۰ ھ میں گرفتار کرکے قتل کردیا گیا. لیکن اس کے ماننے والوں کے درمیان دو بھائی (صبح ازل) اور (بہا) اس کی جانشینی کے مدعی ہوئے صبح ازل کے ماننے والے اپنے آپ کو (بابی) ازلی کہتے تھے اور بہاء اللہ کے ماننے والے اپنے آپ کو بہائی کہتے تھے حکومت عثمانی نے بہاء اللہ اور اس کے ماننے والوں کو فلسطین میں (عکا) بھیج دیا. صبح ازل اور اس کے ماننے والوں کو جزیرہ قبرص میں بھگادیا. بہائی فرقہ انگریزوں کی مدد سے فلسطین میں خوب پروان چڑھا اور پھر اسرائیل نے بھی اس کی مدد کی. اس فرقے نے محمدرضا پہلوی کے زمانے میں ایران کے اندر بڑی اہمیت حاصل کرلی اور اس نے ایران کی خارجہ پالیسی اور صہیونزم کے مفادات کی حفاظت کےلئے بڑے اہم کام کئے.

اسلام کے نام سے، رسول اسلام (ص) کے نام سے، اسلام کو نابود کرنا چاہتے ہیں. ہر قسم کے مبلغین خواہ وہ داخلی ہوں یا خارجی خواہ استعمار کے تابع ہوں اور خواہ داخلی اور قومی ہوں یہ تمام دیہاتوں میں، قصبوں میں ایران کے ہر حصہ میں پھیل چکے ہیں اور یہ ہمارے بچوں کو، جوانوں کو اور اسلامی درد رکھنے والوں کو (اسلام سے) منحرف کررہے ہیں ان کی مدد کو پہنچیں.

آپ کی ذمہ داری ہے آپ نے جو (کچھ دیکھا اور) سمجھا ہے اسے پھیلایئے جو مسائل آپ نے سیکھے ہیں انہیں لوگوں کو بتایئے روایات میں اہل علم کی تعریف و تمجید آئی ہے اور فقیہ [1] کی جو مدح سرائی کی گئی ہے وہ اسی لئے ہے کہ احکام، عقائد اور نظام اسلام کی تعلیم دیجئے، اس کا تعارف کروایئے. لوگوں کو سنت رسول (ص) بتایئے آپ اسلام پھیلانے کے لئے تبلیغات و تعلیمات پر کمر ہمت باندھیے.

ہماری ڈیوٹی ہے کہ اسلام کے بارے میں لوگوں نے جو ابہام پیدا کردیا ہے اس کو دور کریں. جب تک ذہنوں سے اس ابہام کو دور نہ کردیں گے کوئی کام انجام نہیں دے سکیں گے. ہم کو چاہیئے آنے والی نسل کو تیار کریں اور ان کو سمجھائیں کہ وہ بھی اپنے بعد آنے والی نسل کو اس بات پر آمادہ کریں کہ چند صدیوں کی غلط تبلیغ سے اسلام کے بارے میں جو ابہام پیدا ہوگیا ہے انتہا یہ ہے کہ پڑھے لکھے لوگوں کا ذہن متاثر ہوچکا ہے اس کو دور کریں اور اسلام کے تصور کائنات اور اجتماعی نظام کا تعارف کروائیں. حکومت اسلام کا تعارف کروائیں تاکہ لوگوں کو پتہ چلے اسلام کیا ہے اور اس کے قوانین کیسے ہیں. آج حوزہ قم، حوزہ مشہد، اور دیگر حوزہ ہائے علمیہ کا فریضہ ہے کہ اسلام کو بتائیں اور اس مکتب کو لوگوں کے سامنے پیش کریں. لوگ اسلام کو نہیں پہچانتے. آپ حضرات اپنے آپ کو، اپنے اسلام کو، قیادت کے نمونہ کو، حکومت اسلامی کو دنیا کے سامنے تعارف کروائیں. خاص کر یونیورسٹی کے طلبہ کو پڑھے لکھے لوگوں کو کیونکہ ان کی آنکھیں کھلی ہیں. آپ اطمینان رکھیں اگر اسلام کو پیش کریں اور حکومت اسلامی کو جس طرح وہ ہے اسی طرح یونیورسٹیوں میں اس کا تعارف کروایا جائے تو طلاب اس کا

۱۔ بطور مثال، اصول کافی ج ۱ ص ۳۷۔ ۴۸ کتاب فضل العلم، باب صفۃ العلم وفضلہ وفضل العلماء.

استقبال کریں گے. طلاب آمریت کے مخالف ہیں. پٹھو حکومتوں، استعماری حکومتوں کے مخالف ہیں، زور وزبردستی، عوامی سرمائے کی لوٹ کے مخالف ہیں، حرام خوری، جھوٹ کے مخالف ہیں اس اسلام کا جو حکومت اجتماعی کا طریقہ رکھتا ہے اور تعلیم کے موافق ہے اسکی کوئی یونیورسٹی مخالف نہ کوئی طالب علم یہ لوگ نجف اشرف کی طرف نظریں اٹھائے ہیں کہ ہمارے لئے کوئی فکر کریں. اس وقت کیا ہم بیٹھے رہیں تا کہ یہ لوگ ہم کو امر بالمعروف کریں کہ ہم نے اسلامی مرکز تشکیل کرلیا ہے آپ ہماری مدد کریں.

ہمارا فریضہ ہے کہ ان مطالب کا تذکرہ کریں اور بتائیں کہ صدر اسلام میں حکومت اسلامی کا طریقہ، حکام اسلام کی روش کیا تھی. دار الامارہ کیا تھا. وزارت عدل وانصاف مسجد کے ایک کونے میں تھی حالانکہ حکومت کا دامن ایران، مصر، حجاز، یمن کے آخر تک پھیلا ہوا تھا. لیکن افسوس جب حکومت بعد کے طبقوں تک پہونچی تو شاہی نظام کیا اس سے بھی بدتر ہوگئی. یہ باتین لوگوں تک پہنچانی چاہئیں اور انہی فکری وسیاسی رشد دیناچاہیے. ہم کون سی حکومت چاہتے ہیں؟ ہمارے حکام، جن کے ہاتھ میں امور حکومت ہوں کیسے لوگ ہونا چاہئیں ان کا عمل اور ان کی سیاست کیسی ہونی چاہیے؟ اسلامی معاشرہ کا حاکم وہ شخص ہوتا ہے جو اپنے عقیل جیسے بھائی کے ساتھ [1] ایسا برتاؤ کرے کہ پھر وہ بھی اقتصادی تفریق اور بیت المال سے زیادہ لینے کی خواہش نہ کرسکے. اپنی بیٹی سے بیت المال سے ضمانت پر عاریہ لی گئی چیز کامطالبہ کرے اور کہے اگر یہ ضمانت شدہ نہ ہوتی تو، تو سب سے پہلے وہ ہاشمی لڑکی ہوتی جس کے ہاتھ کاٹے جاتے [2] ہم ایسا حاکم چاہتے ہیں، ایسا حاکم جو قانون کے مطابق عمل کرے نہ کہ اپنی خواہشات ومیلان نفس کے مطابق کام کرے. قانون کے سامنے سب کو برابر سمجھے اور سب کے فرائض وبنیادی حقوق مساوی قراردے. افراد کے درمیان امتیاز وتفریق کا قائل نہ ہو.

۱۔ نہج البلاغہ، خطبہ ۲۱۵.

۲۔ بحار الانوار ج ۴ ص ۳۳۷ و ۳۳۸ . تاریخ امیرالمؤمنینؑ، باب ۸۹ . وسائل الشیعہ ج ۱۸ ص ۵۲۱ کتاب حدود وتعزیرات، ابواب حد السرقہ ج ۱۱ ص ۳۹۵.

اپنے اور دوسروں کے خاندان کو ایک نظر سے دیکھے. اگر بیٹا بھی چوری کرے تو اس کا ہاتھ کاٹ دے. اگر بھائی، بہن ہیروئن فروشی کریں تو ان کو بھی قتل کردے. ایسا نہ کرے کہ کسی کو تو ۱۰ گرام ہیروئن پر قتل کردے اور کسی کو ڈھیروں اور منوں ہیروئن لانے اور رکھنے پر بھی کچھ نہ کہے!

تبلیغات و تعلیمات کے لئے اجتماعات

اسلام کے بہت سے عبادی احکام اجتماعی وسیاسی خدمات کا ذریعہ بھی ہیں اسلامی عبادتیں، سیاست وتدبیر، معاشرہ سے مخلوط ہیں. مثلاً نماز جماعت، اجتماع حج، نماز جمعہ (یہ سب) اپنے تمام روحانی، اخلاقی اور اعتقادی آثار کے ساتھ، سیاسی پہلو کے بھی جامع ہیں. اسلام نے اس قسم کے اجتماعات کا انتظام اس لئے کیا ہے کہ ان سے دینی فائدہ بھی حاصل کیا جاسکے، افراد میں برادری اور تعاون کے جذبات کی تقویت کی جاسکے، رشد فکری میں اضافہ کیا جاسکے، اپنی اجتماعی وسیاسی مشکلات کا حل تلاش کیا جاسکے اور اس کےلئے مل کر جہاد وکوشش کی جاسکے. غیر اسلامی ملک یا غیر اسلامی حکومتیں یا (خود) اسلامی حکومتیں اگر اس قسم کے اجتماعات منعقد کرنا چاہیں تو بے پناہ دولت خرچ کرنا ہوگی پھر بھی وہ اجتماعات بے صفا، ظاہری اور آثار خیر سے خالی ہوں گے. مگر اسلام نے ایسا نظام بنایا ہے کہ ہر شخص خود ہی حج پر جانے کا متمنی ہے پیادہ حج کےلئے چلے جاتے ہیں بڑے شوق سے نماز جماعت میں شرکت کرتے ہیں ان اجتماعات سے تبلیغات ودینی تعلیمات، سیاست اسلامی، اعتقادی تحریک میں توسیع کی کوشش کرسکتے ہیں. مگر کچھ لوگوں کو اس کی فکر نہیں ہے. ان کی ساری کوشش یہ ہے کہ "ولاالضآلین" کو اچھی طرح ادا کیا کہ نہیں؟ جب حج کرنے جاتے ہیں تو بجائے اس کے کہ اپنے مسلمان بھائیوں سے ہم آہنگی پیدا کریں. عقاید واحکام اسلام کو پھیلائیں، مسلمانوں کے عمومی مصائب ومشکلات کےلئے چارہ جوئی کریں مثلاً فلسطین جو اسلامی وطن ہے اس کے آزاد کرنے کےلئے مشترک کوشش کریں (اس کے بجائے) اختلافات پیدا کرتے ہیں حالانکہ صدر اسلام کے مسلمان حج میں جمع ہوکر نماز جمعہ وجماعت برپا کرکے بڑے بڑے امور انجام دیتے تھے. نماز جمعہ کے خطبہ میں یہ نہیں ہوتا

تھا کہ صرف ایک سورہ ودعا پڑھ کر اور چند جملے ادا کر کے تمام کردیں بلکہ خطبہ جمعہ سے سپاہی تیار کیے جاتے تھے جو مسجد سے میدان جنگ میں جاتے تھے اور جو مسجد سے میداں جنگ میں جاتا ہے وہ صرف خدا سے ڈرتا ہے وہ قتل ہونے سے، فقر وفاقہ سے، آوارہ وطن ہونے سے نہیں ڈرتا. ایسے ہی سپاہی کامیاب ہوتے ہیں. اگر آپ جمعہ کے خطبوں اور حضرت امیرؑ کے خطبوں کو دیکھیں [1] تو پتہ چلے گا کہ ان کا مقصد لوگوں کو صحیح راستہ پر لگانا، حرکت میں لانا اور جہاد پر آمادہ کرنا تھا تاکہ اسلام کے فدائی اور مجاہد تیار کیے جائیں اور دنیا کے لوگوں کو دنیاوی گرفتاریوں سے آزاد کروایا جائے. اگر لوگ ہر جمعہ کو اکٹھے ہوا کرتے اور مسلمانوں کی عمومی مشکلات کو ذکر کیا کرتے اور ان کو دور (کرنے کی کوشش) کرتے یا دور کرنے کا ارادہ کرتے تو یہ نوبت نہ آتی. اس زمانے میں ضرورت ہے کہ کوشش کر کے ان اجتماعات کو پھر شروع کریں اور اس سے تبلیغات وتعلیمات کا استفادہ کریں. اس طرح کرنے سے اسلام کی اعتقادی وسیاسی تحریک وسیع ہوگی اور ترقی کرے گی.

عاشورا بنائیے

اسلام کو پیش کیجیے اور اس کو پیش کیجیے مگر اس طرح جیسے گویا لوگوں کے سامنے عاشورا جدید ہو. جیسے عاشورا کو محکم ومضبوط رکھا ہے اور یہ محفوظ ہے۔ اسی طرح اسلام بھی ہو۔ (آج بھی) لوگ عاشورا کے لئے سینہ زنی کرتے ہیں، اجتماع کرتے ہیں (اس کے مؤسس پر سلام) آپ بھی ایسا کام کریں جو اسلامی حکومت کے قیام کے لئے ایک لہر پیدا کردے. اجتماعات ہونے لگیں. ذاکر اور اہل منبر ہوجائیں اور یہ چیز لوگوں کے ذہن میں بیٹھ جائے. اگر اسلام کا تعارف کروایئے تو عقاید، اصول، احکام اور اسلام کا اجتماعی نظام (وغیرہ) لوگوں کو بتایئے تو بڑے شوق سے اسکا استقبال کریں گے. خدا گواہ ہے کہ اسلام کے چاہنے والے بہت ہیں. میں نے تجربہ کیا ہے اگر کوئی بات کہی جاتی ہے تو لوگوں میں جوش پیدا

۱۔ نہج البلاغہ، خطبہ ۱۱، ۲۷، ۲۹، ۵۱، ۵۴ ... حکمت ۳۶۵، وسائل الشیعہ ج ۱۱ ص ۳۹۵ کے بعد

ہوجاتا ہے اس لئے کہ موجودہ نظام سے سبھی ناراض ہیں۔ زیرِ شمشیر اور گھٹن میں تو کوئی بات نہیں کرسکتا لوگ ایک ایسے شخص کو چاہتے ہیں جو شجاعت کے ساتھ گفتگو کرے۔ آپ فرزندان اسلام ہیں دلیرانہ اقدام کیجئے اور لوگوں کے سامنے تقریر کیجئے۔ حقائق کو لوگوں کے سامنے سادہ زبان میں بیان کیجئے، ان کو حرکت میں لایئے انہیں کوچہ وبازار اور انہیں کاریگروں، پاکدل دیہاتیوں، بیدار طلاب میں سے مجاہد بنایئے۔ تمام لوگ مجاہد بن جائیں گے۔ معاشرے کے ہر قسم کے لوگ آزادی، استقلال اور قوم کی سعادت (کے لئے دل سے) جدوجہد کرنے پر آمادہ ہیں۔ آزادی وسعادت کے لئے جہاد دین کی ضرورت ہے اسلام جو مکتب جہاد ہے اور دین مبارزہ ہے اس کو لوگوں کے حوالہ کیجئے تاکہ لوگ اپنے عقائد واخلاق کو اسلام کے اعتبار سے درست کریں اور ایک مجاہدانہ قوت کے ساتھ ظالم واستعماری حکومت کا تختہ پلٹ دیں اور حکومت اسلامی قائم کریں۔

فقہائے کرام اسلام کے قلعے ہیں۔ عقائد ونظام اسلام کو پہچنوانے والے اور اسلام کا دفاع کرنے والے اور حفاظت کرنے والے ہیں۔ (ان کو چاہئے کہ) اس تعریف ودفاع اور حفاظت کو زبردست تقریروں اور بیدار کنندہ خطابوں اور لوگوں کی رہبری کرکے ثابت کریں۔ ایسی صورت میں اگر ۱۲۰ سال کے بعد بھی دنیا سے گئے تو لوگوں کو احساس ہوگا اسلام پر عظیم مصیبت ٹوٹ پڑی ہے اور ایک خلا پیدا ہوگیا ہے اور روایت کی زبان میں " **ثلم فی الاسلام ثلمة لایسدھا شی** " (دیوار اسلام میں ایسا شگاف پڑگیا ہے جس کو کوئی شی پر نہیں کرسکتی) کہا گیا ہے اور یہ جو کہا گیا ہے: جب مؤمن فقیہ مرتا ہے تو " **ثلم فی الاسلام** " ایک ناقابل اصلاح اسلامی معاشرہ میں ایسا شگاف پڑ جاتا ہے کہ جو پر نہیں ہوسکتا تو وہ ہم جیسے لوگوں کے مرنے سے نہیں ہوتا جن کا کام مطالعہ کے علاوہ کچھ نہیں ہے۔ بھلا ہمارے مرنے سے اسلامی معاشرے میں کون سا خلا پڑجائے گا؟ یہ جب امام حسینؑ دنیا سے جاتے ہیں تو " **ثلم فی الاسلام ثلمة** " ہوتا ہے جو لوگ حافظ عقائد اور اسلام کے قوانین ونظام اجتماعی کے حافظ ہیں جیسے خواجہ نصیر

الدین طوسی[1] علامہ حلی[2] (وغیرہ) جنہوں نے نمایاں اور شایان شان خدمت کی ہے اگر یہ حضرات مرجائیں تب خلاء پیدا ہوتا ہے لیکن میں اور جناب عالی نے اسلام کے لئے کیا کیا ہے کہ ہمارے مرنے پر ہم اس روایت کے مصداق بنیں؟ ہم میں سے ہزاروں آدمی مرجاتے ہیں کسی کو کانوں کان خبر نہیں ہوتی. پس ہم یا تو فقیہ نہیں ہیں اس طرح جو حق ہے یا مؤمن نہیں ہیں جو حق ایمان ہے.

طولانی جد وجہد

کوئی بھی عقلمند یہ نہیں سوچ سکتا کہ ہماری تبلیغات وتعلیمات کا نتیجہ اتنی جلدی حکومت اسلامی کی تشکیل کی صورت میں ظاہر ہوجائے گا. حکومت اسلامی بنانے کے لئے مختلف قسم کی فعالیت کی مسلسل ضرورت ہے اور اس کے ساتھ توفیق الٰہی بھی ہو. یہ ایسا مقصد ہے جس کے لئے زمانہ درکار ہے دنیا کے عقلمند یہاں ایک پتھر رکھتے ہیں پھر دو سو سال کے بعد نوبت آتی ہے کہ وہاں پر تعمیر کریں اور مقصد حاصل کریں. خلیفہ نے ایک بوڑھے سے کہا جو اخروٹ کے پودے لگا رہا تھا کہ: اے بوڑھے! تو ایسی چیز لگا رہا ہے جو پچاس سال بعد اور تیرے مرنے کے بعد پھل دے گی؟ بوڑھے نے کہا: دوسروں نے لگایا تھا ہم نے کھایا اب ہم لگارہے ہیں دوسرے کھائیں گے.

۱۔ محمد بن حسن طوسی معروف بہ "خواجہ نصیر ومحقق طوسی" (۵۹۷ ۔ ۶۷۲ ھ) اسلام کے مشہور حکماء اور علماء میں سے تھے فلسفہ، کلام، ریاضیات اور ہیئت میں اپنے زمانہ میں سب پر مقدم تھے آپ کے شاگردوں میں علامہ حلی، قطب الدین شیرازی، سید عبدالکریم بن طاؤس تھے آپ کے تصنیفات وتالیفات بہت ہیں. منجملہ ان میں سے یہ ہیں: شرح اشارات، تجرید الاعتقاد، تحریر اقلیدس، تحریری مجسطی واخلاق ناصری وغیرہ.

۲۔ آیت اللہ شیخ جمال الدین حسن بن یوسف بن علی بن مطہر حلی (۔ ۷۲۶ ھ ق) فقیہ، محدث، مفسر، متکلم، ادیب، جامع معقول ومنقول اور اپنے زمانہ میں فرقہ امامیہ کے رئیس تھے اور علامہ کی لفظ آپ کی خصوصات میں سے ہے آپ نے بڑے بڑے شیعہ وسنی علماء سے درس پڑھا. آپ کے اساتذہ میں محقق حلی، محقق طوسی، سید احمد بن طاؤس اور شیخ نجیب الدین تھے اور محقق طوسی ان کے درس فقہ سے استفادہ کرتے تھے فخرالمحققین علامہ کے بیٹے بھی علامہ کے شاگرد تھے آپ کے آثار میں تبصرۃ المتعلمین، المختلف، قواعد، تذکرہ الفقہاء، کشف المراد فی شرح تجرید الاعتقاد، الفین، المختصر، تلخیص الکشاف وغیرہ ہیں.

ہماری محنتوں کا ثمرہ اگر آنے والی نسلوں کو ملے، تب بھی ہم کو کوشش کرنی چاہیے۔ چونکہ یہ اسلام کی خدمت ہے اور انسانوں کے لئے سعادت کا راستہ ہے یہ کوئی ذاتی وانفرادی چیز نہیں ہے کہ ہم کہہ سکیں چونکہ اس وقت تو اس کا کوئی فائدہ ہے نہیں دوسرے لوگوں کو بعد میں فائدہ حاصل ہوگا تو ہمارا اس سے کیا ربط ہے؟ اگر امام حسینؑ خود اپنے ہی مادی فائدوں کو پیش نظر رکھتے تو ابتدا ہی سے سازباز کرکے بات ختم کردیتے اموی حکومت تو چاہتی ہی یہ تھی کہ امام حسینؑ بیعت کرلیں اور ان کی حکومت کی حمایت کردیں۔ اس کے لئے اس سے بہتر کیا بات تھی کہ فرزند رسول (ص) امام وقت، حاکم وقت کو امیرالمؤمنین کہے اور اس کی حکومت کو قانونی مان لے۔ لیکن امام حسینؑ اسلام اور مسلمانوں کے آئندہ کی فکر کررہے تھے تاکہ اسلام جہاد مقدس اور ان کی فداکاری کے نتیجہ میں انسانوں کے درمیان پھیلے اور اس کا سیاسی واجتماعی نظام معاشرے میں برقرار رہ سکے۔ اس لئے آپ نے مخالفت کی، مقابلہ کیا اور اسلام کے لیے قربانی پیش کی۔

میں نے پہلے جس روایت کا ذکر کیا ہے اس میں گہرا غور کیجئے تو آپ کو پتہ چلے گا کہ امام جعفر صادقؑ باوجودیکہ ظالم حکام کے پنجے میں گرفتار تھے تقیہ کی زندگی بسر کرتے تھے قدرت اجرائی آپ کے پاس نہ تھی بلکہ زیادہ تر تحت نظر رہتے تھے پھر بھی مسلمانوں کو ان کا فریضہ بتاتے تھے۔ حاکم وقاضی نصب کرتے تھے پس حضرت کے ان کاموں کا کیا مقصد تھا؟ اور اصولا اس عزل ونصب سے کون سافائدہ مترتب ہوتا تھا؟ (در اصل) بڑے لوگوں کی فکریں بہت بلند ہوتی ہیں وہ کبھی مایوس نہیں ہوتے اور اپنی موجود حالت کے بارے میں نہیں سوچتے۔ وہ قید میں ہوں، گرفتار ہوں اور یہ خیال بھی نہ ہو کہ آزاد ہوں گے تب بھی مصروف کار رہتے ہیں۔ وہ تو اپنے مقصد کی کامیابی کے لئے چاہے جس طرح بھی ہوسکے پلان بناتے ہیں تاکہ اگر ہوسکے تو خود اس پر عمل اور اگر خود کو موقع نہ مل سکا تو دوسرے حضرات خواہ دو سو یا تین سو سال کے بعد ممکن ہو، اس کو عملی جامہ پہنائیں۔ بہت بڑے بڑے انقلابات کی کامیابی کا راز یہی رہا ہے۔ انڈونیشیا کے سابق صدر

سوکارنو [۱] زندان میں یہی افکار رکھتے تھے اور پلان بنایا کرتے تھے جو بعد میں کامیاب ہوا۔

امام جعفر صادقؑ پروگرام کے ساتھ افراد کو منصوب بھی فرماتے تھے۔ اب اگر امامؑ اس وقت کے لئے نصب فرماتے تھے تو یہ ایک لغو کام تھا، لیکن (ایسا نہیں تھا) حضرت آئندہ کی فکر کر رہے تھے۔ ہماری طرح نہیں تھے کہ صرف اپنی فکر کرتے اپنی حالت کا خیال رکھتے۔ آپؑ تو امت کی فکر میں تھے انسان کی فکر میں تھے۔ پوری دنیا کی فکر میں تھے۔ آپؑ پوری انسانیت کی اصلاح کرنا چاہتے تھے۔ قانون عدالت جاری کرنا چاہتے تھے۔ آپؑ نے ایک ہزار و کئی سو سال پہلے منصوبہ بنایا، نصب کیا یہاں تک کہ قوم بیدار ہو گئی۔ امت اسلام آگاہ ہو گئی اور اس نے قیام کیا ان کا مقصد یہ تھا کہ کوئی تحیر باقی نہ رہ جائے۔ حکومت اسلامی کس طرح کی ہوگی اور سربراہ حکومت معلوم رہے۔

واقعہ یہ ہے کہ اسلام، مذہب شیعہ اور دیگر مذاہب وادیان نے اسی طرح ترقی کی ہے کہ پہلے منصوبے کے سوا کچھ نہ تھا اس کے بعد جب رہبروں اور پیغمبروں نے جد وجہد کی، قیام کیا، تب مقصد میں کامیاب ہوئے۔ جناب موسیٰؑ ایک چرواہے سے زیادہ نہ تھے اور سالہا سال آپؑ کا یہی پیشہ تھا اور جس دن آپؑ کو فرعون سے مقابلہ کا حکم ہوا آپؑ کا نہ کوئی یاور تھا نہ مددگار! لیکن آپؑ نے اپنی ذاتی لیاقت اور ایک عصا اور قیام کے ساتھ فرعون کی حکومت کو غرق کر دیا۔ آپ کا خیال ہے کہ اگر موسیٰؑ کا عصا ہمارے اور آپ کے ہاتھ میں ہوتا تو کیا ہم اور آپ بھی یہی کر سکتے تھے؟ جناب موسیٰؑ کی ہمت و تدبیر اور مستقل مزاجی چاہیے، تب عصائے موسیٰؑ سے بساط فرعون کو الٹا جا سکتا ہے۔ یہ کام ہر ایک کے بس کا نہیں ہے۔ رسول اکرم (ص) جب مبعوث برسالت ہوئے اور کار تبلیغ شروع کیا

۱۔ احمد سوکارنو (۱۹۰۱ - ۱۹۷۰ء) ایک استاد کے بیٹے تھے ۱۹ سال کی عمر میں ہالینڈ کے ایک ٹیکنیکل کالج میں داخلہ لیا اور انجینئر کی ڈگری لیکر کامیاب ہوئے استعماری حکومت کے خلاف مسلسل جہاد کی وجہ سے مدتوں جیل میں رہے اور ملک بدر کئے گئے۔ سن ۱۹۴۵ء میں انڈونیشیا کے جمہوریہ ہونے کا اعلان کیا اور ۱۹۴۹ میں قانونا صدر منتخب کر لئے گئے۔ دنیاوی سیاست کے ایک مشہور آدمی تھے اور غیر وابستہ تحریک کے بانیوں میں سے تھے ۱۹۶۷ء میں مغرب کے حامی سپاہیوں کی بغاوت کی وجہ سے استعفا دینے پر مجبور ہو گئے۔ کتاب پرچم انقلاب ان کے آثار میں سے ہے۔

تو صرف ایک آٹھ سالہ بچہ (حضرت علیؑ) اور چالیس سالہ عورت (جناب خدیجہ ۔س۔) آپ (ص) پر ایمان لائے ان دو کے علاوہ رسول (ص) کے پاس کوئی نہیں تھا اور یہ تو سبھی جانتے ہیں کہ (کفار قریش نے) کس قدر آپ (ص) کو اذیت پہونچائی، ظلم کیا، مخالفت کی لیکن آنحضرت (ص) مایوس نہیں ہوئے اور نہ یہ فرمایا کہ میرا کوئی نہیں ہے (بلکہ) اپنی بات پر ڈٹے رہے اور اپنی روحانی طاقت اور قوی ارادے سے اس تحریک کو جو ہیچ تھی اس منزل تک پہونچا دیا کہ آج سات سو ملین افراد ان کے جھنڈے کے نیچے ہیں۔

مذہب شیعہ بھی صفر سے شروع ہوا تھا۔ جس دن رسول خدا (ص) نے اس کی بنیاد رکھی تھی اسی وقت لوگوں نے مذاق اڑایا تھا اور جس دن لوگوں کو اکٹھا کرکے مہمان نوازی کی تھی اور فرمایا تھا جو ایسا ایسا کرے گا وہی میرا وزیر ہوگا اور سوائے حضرت علیؑ کے ۔ جو اس وقت سن بلوغ کو بھی نہیں پہونچے تھے مگر بڑی روحانی طاقت کے مالک تھے ساری دنیا سے عظیم تر ۔ کسی نے بھی اپنی جگہ سے اٹھکر ہاں نہ کہی۔ حضرت علیؑ نے ہاں میں جواب دیا کہ میں ایسا کروں گا (اسی وقت) ایک شخص نے ابوطالب کی طرف رخ کرکے ہنسی اڑانے والے انداز میں کہا: اب تم اپنے بیٹے کے پرچم کے نیچے چلا کرو [۱].

اس دن بھی جب رسول خدا (ص) نے حضرت علیؑ کی ولایت وحکومت کو لوگوں کے سامنے پیش فرمایا تو ظاہراً بخٍ بخٍ (مبارک باد) کا نعرہ بلند ہوا [۲] لیکن ہر جگہ سے مخالفت کا طوفان شروع ہوگیا جو آخر تک باقی رہا۔ اگر رسول اسلام (ص) حضرت علیؑ کو صرف مسائل شرعیہ میں مرجع قرار دیتے تو کسی بھی قسم کی مخالفت نہ ہوتی لیکن چونکہ جانشینی کا منصب دیا اور فرمایا یہ مسلمانوں پر حاکم ہیں اور مسلمانوں کی قسمت کا فیصلہ ان کے ہاتھوں میں دیدیا اس لئے لوگوں کو تکلیف ہوئی اور مخالفتیں شروع ہوگئیں۔ آپ بھی اگر گھر میں بیٹھ جایئے اور حکومت کے کسی معاملہ میں مداخلت نہ کیجئے تو کسی کو

۱۔ تاریخ طبری ج ۲ ص ۳۱۹ ۔ ۳۲۲ .

۲۔ تفسیر کبیر ج ۱۱ ص ۵۳ . اسد الغابہ ج ۴ ص ۲۸ . الغدیر ج ۱ ص ۱۱ ۔ ۲۱۳ .

آپ سے کوئی مطلب نہ ہوگا. آپ سے اسی وقت مخالفت ہوگی جب حکومت وملک کی قسمت کے فیصلوں میں مداخلت کرنے لگیں گے. حضرت امیرؑ اور شیعوں نے چونکہ ملکی معاملات میں مداخلت شروع کردی اس لئے ان کو اتنی اذیت ومصیبت پہونچائی گئی مگر ان لوگوں نے اپنے کاموں سے ہاتھ نہ اٹھایا اور برابر جہاد کرتے رہے یہاں تک کہ ان کی تبلیغات ومجاہدات کے نتیجہ میں آج دنیا کے اندر تقریبا دو سو ملین شیعہ موجود ہیں.

دینی مدارس کی اصلاح

اسلام کے تعارف کا لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ حوزہ ہائے روحانیت کی اصلاح کی جائے. اس طرح کہ درسی پروگرام اور تبلیغات وتعلیمات کی روش کامل کی جائے. سستی، مایوسی اور نفس پر عدم بھروسہ کی جگہ مستقل مزاجی وکوشش، امید اور خود اعتمادی پیدا کی جائے. دشمنوں کی تبلیغ وتعلیم جس نے بعض اشخاص کی حیثیت علمی کو متاثر کیا ہے اس اثر کو باطل کیا جائے. مقدس نما لوگوں کی جماعت جو حوزہ علمیہ کے اندر رہ کر لوگوں کو اسلام اور اجتماعی اصلاحات سے دور رکھنے کی کوشش کرتی ہے اس کی اصلاح کی جائے. درباری ملا جو دین کو دنیا کے بدلے بیچ چکے ہیں ان کے روحانی لباس کو ان سے چھین لیا جائے اور ان کو حوزہ علمیہ سے نکال باہر کیا جائے.

استعمار کے فکری واخلاقی اثرات کو ختم کیا جائے

استعمار کے ایجنٹ، تربیتی وتبلیغاتی وسیاسی مشنریاں، ایجنٹ حکومتیں او قوم وملت کی دشمن حکومتیں صدیوں سے زہرپاشی کررہی ہیں اور لوگوں کے افکار واخلاق کو فاسد کررہی ہیں جو لوگ ان کے درمیان سے دینی مدارس میں آتے ہیں وہ فطری طور سے اخلاقی وفکری برائیاں لیکر آتے ہیں، حوزہ ہائے علمیہ چونکہ معاشرے اور عوام کا ایک جزء ہے اس لئے ہمیں افراد حوزہ کی فکری واخلاقی اصلاح کی بھی کوشش کرنی چاہیئے. اجنبیوں کی تبلیغات وافہام وتفہیم اور فاسد وخیانت کار حکومتوں کی سیاست سے

پیدا شدہ روحانی وفکری اثرات کو ختم کرنا اور ان سے جہاد کرنا بھی ہمارے لئے ضروری ہے۔

یہ آثار بہت ہی واضح ہیں مثلاً بعض کو ہم دیکھتے ہیں کہ حوزہ علمیہ کے اندر ایک دوسرے سے سرگوشی کرتے رہتے ہیں کہ کام ہمارا نہیں ہے۔ ہم کو ان چیزوں سے کیا غرض؟ ہماری ذمہ داری دعائیں پڑھنا اور مسائل بیان کرنا ہے۔ یہ غیروں کے پروپیگنڈے کے اثرات ہیں۔ (یہ) استعماریوں کی کئی سو سالہ غلط تبلیغات کا نتیجہ ہے جو نجف، قم اور مشہد کے حوزات علمیہ کے دل کی گہرائی میں اتر گیا ہے اور افسردگی، کاہلی اور سستی کا سبب بنا ہے۔ یہ رشد پیدا ہی نہیں ہونے دیتا۔

باربار عذر خواہی کرتے ہیں کہ ہم سے یہ کام نہیں ہوسکتے۔ یہ افکار ہی غلط ہیں۔ آخر جو لوگ اسلامی ممالک میں امارت وحکومت کرتے ہیں وہ کس طرح کے ہیں کہ وہ تو عہدہ برا ہوسکتے ہیں لیکن ہم نہیں ہوسکتے! آخر ان امراء وملوک میں کون ایسا ہے جو عام افراد سے زیادہ لیاقت رکھتا ہے؟ ان میں بہت سے ایسے ہیں جو جاہل ہیں۔ حجاز کے حاکم نے [1] کہاں تعلیم حاصل کی ہے اور کیا پڑھا ہے؟ رضاخان بالکل ہی بے سواد تھا اور ایک ان پڑھ سپاہی سے زیادہ کچھ نہ تھا۔ تاریخ میں بھی یہی رہا ہے۔ بہت سے حکام جو خودسر اور مسلط تھے معاشرے کے ادارہ کرنے کی لیاقت، تدبیر ملت اور علم وفضیلت سے بالکل بے بہرہ تھے۔ ہارون رشید [2] یا دوسرے جو بہت بڑے ملک پر حکومت کرتے تھے انہوں نے کون سی ڈگری حاصل کی تھی؟ تحصیل علم کرنا، عالم ہونا، فنون کے اندر مہارت حاصل کرنا پروگرام اور امور اجرائی واداری کے لئے بہت ضروری ہے کہ ہم بھی اس قسم کے افراد کے وجود سے استفادہ کریں گے اور جو چیزیں نظارت اور ملک کے ادارہ عالیہ اور لوگوں کے درمیان عدالت وعادلانہ روابط کی برقراری سے مربوط ہیں یہ وہی چیزیں ہیں جو فقیہ کے پاس ہیں اور فقیہ ہی ہے جو دوسروں کے زیر تسلط نہیں

۱۔ فیصل بن عبدالعزیز آل سعود (۱۹۰۶۔ ۱۹۷۵ء) مدتوں وزیر خارجہ اور وزیر اعظم سعودیہ تھا اور ۱۹۶۴ء میں اپنے بھائی کے خلع سلطنت کے بعد ان کی جگہ پر بیٹھا تھا۔

۲۔ ہارون رشید (۱۹۳ ھ ق) بنی عباس کا پانچواں خلیفہ تھا۔

ہوتا اور نہ اس پر اغیار کا نفوذ ہوتا ہے اور آخری لحہ تک حقوق ملت، استقلال و آزادی، پورے ارض وطن کی حفاظت اور اسلام کا دفاع کرتا ہے. وہ فقیہ ہوتا ہے جو دائیں یا بائیں بازو کی طرف انحراف نہیں کرتا.

آپ حضرات اپنی افسردگی کو ختم کرکے اپنی روش تبلیغات اور اپنے پروگرام کو مکمل کیجیۓ. اسلام کے تعارف میں سنجیدگی سے کام لیجیۓ. حکومت اسلامی کی تشکیل کےلئے عزم محکم کیجیۓ. اس سلسلہ میں پیشرو بنیے اور حریت پسند لوگوں کے ہاتھ میں ہاتھ دیکر کوشش کیجیۓ، قطعا حکومت اسلامی قائم ہوگی. اپنے آپ پر بھروسہ رکھیے. آپ کے اندر یہ قدرت، جرءت اور تدبیر ہے کہ ملت کی آزادی واستقلال کےلئے کوشش کیجیۓ. آپ، لوگوں کو بیدار کرسکتے ہیں ان کو معرکے پر تیار کرسکتے ہیں. استعمار واستبداد کو لرزہ براندام کرسکتے ہیں. دن بدن زیادہ تجربہ حاصل ہوگا. آپ کی لیاقت اور آپ کا تجربہ اجتماعی کاموں میں زیادہ ہوگا. جب بھی خدا توفیق دے ظالم حاکم کی حکومت کو سرنگوں کردیجیۓ. یقینا لوگوں پر حکومت کرنے کے عہدہ اور رہبری سے عہدہ برا ہوئیے گا. حکومت بنانے اور اس کے چلانے اور اس کےلئے ضروری قوانین تیار ہیں. اگر ملک چلانے کےلئے ٹیکسوں اور آمدنی کی ضرورت ہے تو اسلام نے اس کو (پہلے ہی) معین کردیا ہے اور قانون کی ضرورت ہے تو اس کو وضع کرچکا ہے. اس کی کوئی ضرورت نہیں ہے کہ حکومت بنانے کے بعد قانون بنانے کےلئے بیٹھے یا غیرپرست حکام اور مغرب زدہ حاکموں کی طرح دوسروں کی تلاش میں جائے تاکہ ان سے عاریتاً قانون لیجیۓ. (نہیں) بلکہ ہر چیز موجود ہے، مہیا ہے صرف وزارتوں کا پروگرام باقی رہ جاتا ہے تو وہ بھی مشاورین ومددگاروں کے سہارے اور ان ماہرین حضرات کی کمک سے جو مختلف چیزوں میں مہارت رکھتے ہیں ایک مجلس مشاورت ترتیب دیکر طے کیا جاسکتا ہے.

خوش قسمتی کی بات یہ ہے کہ قومیں آپ کی تابع اور آپ کے بارے میں متحد ہیں جس چیز کی کمی ہے وہ ہمت اور مسلح طاقت کی ہے اور وہ بھی خدا نے چاہا تو حاصل کرلیں گے. ہمت موسیٰؑ اور عصائے

موسیٰ کی ضرورت ہے ایسے لوگوں کی ضرورت ہے جن کے ہاتھوں میں عصائے موسیٰ اور شمشیر حیدریٰ ہو.

البتہ وہ بے قیمت افراد جو حوزہ علمیہ میں بیٹھے ہیں ان کے بس کی بات نہیں ہے کہ حکومت بنا سکیں اور بن جائے تو چلا سکیں کیونکہ وہ اتنے بے وقعت و بے قیمت ہیں کہ قلم کو بھی حرکت نہیں دے سکتے اور نہ کسی کام کے لئے کوئی قدم اٹھا سکتے ہیں.

اغیار اور ان کے ایجنٹوں نے ہمارے کانوں میں اتنا بھرا ہے کہ " آقا آپ اپنا کام کیجئے. مدرسہ ودرس وتدریس میں لگے رہیے آپ کو ان چیزوں سے کیا مطلب، یہ کام آپ لوگوں کے بس کا نہیں ہے " خود ہم کو یقین آگیا کہ ہم سے کوئی کام نہیں ہوسکتا اور ابھی میں اس غلط پروپیگنڈا کو لوگوں کے کان سے نکال بھی نہیں سکتا اور نہ یہ سمجھا سکتا ہوں کہ آپ بھی انسانوں کی قیادت کرسکتے ہیں. آپ بھی دوسروں کی طرح ہیں. آپ بھی حکومت کرسکتے ہیں. آخر دوسرے کیسے تھے کہ آپ اس طرح نہیں ہوسکتے؟ بس اتنا ہی تو فرق ہے کہ ان میں سے کچھ لوگ بعض مقامات پر گئے ہیں اور خوش گزرانی کرتے رہے ہیں یا تعلیم بھی حاصل کی ہے. میں یہ نہیں کہتا کہ علم نہ حاصل کرو. ایٹمی ہتھیار نہ بناؤ، میں ان کو روکتا نہیں ہوں. بس بات اتنی سی ہے کہ وہاں بھی کچھ فرائض ہیں (مثلا) آپ اسلام کا تعارف کروائیے. اسلام کے حکومتی نظام کو دنیا تک پہونچائیے، ہوسکتا ہے یہ سلاطین اور اسلامی ممالک کے سربراہ متوجہ ہوجائیں کہ بات تو صحیح ہے اور پھر وہ تابع ہوجائیں. ہم یہ ہرگز نہیں چاہتے کہ ان کے ہاتھوں سے (حکومت) چھین لیں بلکہ جو (اسلام کا) تابع اور امین ہے اس کو اسی جگہ پر باقی رکھیں گے.

آج دنیا میں ہماری تعداد ۷۰۰ ملین ہے اس میں ۱۷۰ ملین یا اس سے زیادہ شیعہ ہیں. یہ سب ہمارے پیرو ہیں لیکن ہم اتنے بے ہمت ہیں کہ ان سب کا نظام نہیں چلا سکتے. ہم کو ایسی حکومت بنانی چاہئے جو لوگوں کی امانت دار ہو، لوگوں کو اس پر اطمینان ہو، لوگ اپنی قسمت اس کے حوالہ کرنے پر تیار ہو

سکیں. ہم امین حاکم چاہتے ہیں تاکہ وہ امانت داری کرے اور قوم اس کے زیر پناہ اور پناہ قانون میں آسودہ خاطر ہوکر اپنے امور کو انجام دے اور زندگی بسر کرسکے۔

یہ وہ مطالب ہیں جن کی فکر کرنی چاہیئے۔ آپ مایوس نہ ہوں اور یہ بھی خیال نہ کریں کہ یہ نہ ہوسکنے والا کام ہے. خدا جانتا ہے کہ آپ کی لیاقت اور اہمیت دوسروں سے کم نہیں ہے لیکن اگر اہمیت کا مطلب ظلم اور آدم کشی ہے تو اس کی لیاقت ہمارے اندر نہیں ہے. وہ نامعقول شخص جب قید خانہ [1] میں ہمارے پاس آیا تو وہاں میرے پاس جناب قمی [2] سلمہ اللہ بھی تھے جو ابھی تک گرفتار ہیں (آتے ہی) اس نے کہا: سیاست کا مطلب بدذاتی، جھوٹ . . . مختصر یہ کہ پدرسوختگی (فارسی زبان کی گالی ہے) ہے اس کو آپ لوگ ہمارے لئے چھوڑ دیجئے! اس نے (ایک حساب سے) صحیح کہا اگر واقعا سیاست انہیں چیزوں کا نام ہے تو انہیں لوگوں سے مختص ہے (مگر) اسلام جو سیاست رکھتا ہے، مسلمانوں کی جو سیاست ہونی چاہیئے ائمہ ہدیٰ جو ساسۃ العباد [3] تھے وہ اس مطلب کے برخلاف ہے وہ کہہ رہا تھا اور اس کا مقصد ہم کو دھوکا میں رکھنا تھا. اس کے بعد اس نے اخباروں میں یہ شائع کرادیا کہ: یہ بات طے ہوگئی ہے کہ علماء سیاست میں دخل نہیں دیں گے [4] ہم نے بھی آزاد ہونے کے بعد منبر

۱۔ مراد پاکروان ہے جو اس وقت سی آئی ڈی کا رئیس تھا اور ۱۱ مرداد سن ۱۳۴۲ (۲ اگست ۱۹۶۳ء) میں جب امام خمینیؒ زندان میں تھے وہ ان کی ملاقات کو گیا تھا. بررسی و تحلیلی از نہضت امام خمینیؒ ج ۱ ص ۵۷۵۔

۲۔ اس سے مراد الحاج سید حسن قمی فرزند مرحوم آیت اللہ حاج سید حسین قمی ہیں جو اس وقت امام خمینیؒ کے ساتھ قیدخانہ میں تھے اس کے بعد انقلاب کی کامیابی تک منطقہ کرج میں جلاوطنی کی صورت میں زندگی بسر کررہے تھے امام خمینیؒ کی رہبری میں تحریک اسلامی کے آغاز میں ان کی جلاوطنی ختم ہوئی اور وہ مشہد چلے گئے۔

۳۔ ساسۃ، سائس کی جمع ہے اس کے معنی مرد سیاست اور متولی امر کے ہیں یہ تعبیر زیارت جامعہ میں وارد ہوئی ہے۔

من لایحضرہ الفقیہ ج ۲ ص ۳۷۰، ابواب زیارات، باب ۲۲۵، حدیث ۲۔

۴۔ ۱۲ مرداد ۱۳۴۲ (۳ اگست ۱۹۶۳ء) کو تمام ملکی اخباروں نے یہ خبر شائع کی: ملک کی سی۔ آئی۔ ڈی کی قانونی اطلاع کے مطابق حکومت کے انتظامیہ اور جناب خمینی، جناب قمی اور جناب محلاتی کے درمیان یہ بات طے ہوگئی ہے کہ (یہ حضرات) سیاسی امور میں کسی قسم کی مداخلت نہیں کریں گے! نہضت امام خمینیؒ ج ۱ ص ۵۸۵ و کوثر ج ۱ ص ۱۰۴

پر جاکر اس کی تردید کی اور کھل کر کہا کہ اس نے جھوٹ کہا ہے اگر خمینی یا کوئی دوسرا یہ بات کہے تو ہم اس کو نکال باہر کریں گے [1].

آپ کے ذہنوں میں شروع ہی سے بٹھا دیا گیا ہے کہ سیاست کا مطلب جھوٹ وغیرہ ہے تاکہ آپ امور حکومت سے الگ رہیں اور وہ اپنے کام میں مشغول رہیں اور آپ دعاگوئی میں لگے رہیں. آپ یہاں بیٹھ کر خلد اللہ ملکہ [2] کہتے رہیں اور وہ اپنا جو جی چاہے کام کرتے رہیں. جیسی بیہودگی چاہیں کریں. بحمداللہ وہ بھی اتنی سمجھ نہیں رکھتے. یہ تو ان کے استاد اور ان کے ماہرین کا کام ہے جنہوں نے یہ منصوبہ بنایا ہے. انگریزی استعمارگر جو تین سو سال پہلے سے مشرقی ممالک میں اثر ونفوذ رکھتے ہیں اور ہر اعتبار سے ان ملکوں کے بارے میں اطلاع رکھتے ہیں انہوں نے یہ پروگرام بنایا ہے. اس کے بعد امریکہ وغیرہ کے استعمارگر، انگریزوں کے ساتھ متحد ومتفق ہوگئے اور اس منصوبے کی تکمیل میں ان کے شریک کار ہوگئے. میں ہمدان میں تھا کہ ہمارے ایک طالب علم نے جو علماء کا لباس اتار چکا تھا مگر فاضل شخص تھا اور بااخلاق تھا اس نے ایک بہت بڑا کاغذ مجھے دکھایا جس میں سرخ رنگ کے نشانات لگے ہوئے تھے اور اس نے مجھے بتایا کہ یہ سرخ نشان زمین کے اندر ایران میں جو مخازن ہیں

۱۔ ۲۱ فروردین ۱۳۴۳ بروز جمعہ اپنے گھر میں تقریر کرتے ہوئے امام خمینیؒ نے کہا: ایک روزنامہ میں ۱۳/ ۵/ ۱۳۴۲ کو یہ خبر چھپی تھی کہ مجھ کو قیطریہ کے قیدخانہ سے لایا گیا اور جو خبر نشر کی گئی اس کا خلاصہ یہ تھا: علماء سیاست میں کوئی مداخلت نہیں کریں گے میں اس وقت آپ کے سامنے حقیقت کو واضح کرنا چاہتا ہوں ایک شخص میرے پاس آیا (جس کے نام کو میں ذکر نہیں کرنا چاہتا) اور بولا جناب! سیاست جھوٹ بولنے، دھوکا دینے، فریب دینے خلاصہ پدرسوختگی کا نام ہے آپ حضرات اس کو ہمارے لیے چھوڑ دیجئے چونکہ وقت کا تقاضا نہ تھا اور میں اس سے بحث نہیں کرنا چاہتا تھا اس لئے میں نے کہا: ہم تو اس سیاست میں جس کو تم کہہ رہے ہو ابتدا ہی سے داخل نہیں ہونا چاہتے تھے اور نہ داخل تھے مگر آج موقع ہے اس لئے کہتا ہوں اسلام یہ نہیں ہے خدا کی قسم اسلام پورے کا پورا سیاست ہے اسلام کا غلط تعارف کروایا گیا ہے سیاست مدن کا سرچشمہ تو اسلام ہی ہے. میں ان ملاؤں میں سے نہیں ہوں کہ یہاں بیٹھ کر تسبیح گھماتا رہوں. میں پوپ نہیں ہوں کہ صرف اتوار کو مراسم عبادت انجام دوں باقی اوقات اپنے لئے بادشاہ رہوں. دوسرے کسی کام سے تعلق ہی نہ رکھوں. کوثر ج ۱ ص ۱۰۴ و ۱۰۵.

۲۔ خدا اس کی حکومت کو دوام عطا کرے

اور غیر ملکیوں نے ان کا پتہ چلایا ہے اس کے نشانات ہیں. غیر ملکی ماہرین نے ہمارے ملک کا مطالعہ کیا ہے اور زیرزمین تمام مخازن کا پتہ چلایا ہے کہ کہاں پر سونا ہے کہاں پر تانبہ ہے کہاں پر تیل ہے اور ہمارے لوگوں کے دلوں کا بھی اندازہ لگایا ہے اور وہ سمجھ گئے ہیں کہ تنہا وہ چیز جو ان کے ارادوں کی تکمیل میں حائل ہے اور ان کا مقابلہ کرسکتی ہے وہ اسلام اور علماء ہیں. انہوں نے اسلام کی طاقت کو دیکھا کہ اس نے یورپ پر تسلط حاصل کرلیا اور سمجھ لیا کہ واقعا اسلام ان کے پروگرام کا مخالف ہے (دوسرے) ان کو یہ بھی معلوم ہوگیا کہ واقعی علماء کو اپنے زیر اثر نہیں لایا جاسکتا اور نہ ان کی فکروں کو بدلا جاسکتا ہے اسی لئے انہوں نے پہلے ہی دن سے یہ کوشش شروع کی کہ اس کانٹے کو اپنی راہ سیاست سے ہٹا دیا جائے اور اسلام کو محدود اور علماء کو بے اثر کردیں. غلط پروپیگنڈہ کرکے یہ کام بھی انجام دیا اور وہ بھی اس طرح کہ آج ہماری نظر میں اسلام چار مسئلوں سے زیادہ نہیں ہے! دوسری طرف یہ طے کرلیا کہ فقہاء اور علمائے اسلام کو جو اسلام میں گروہوں کے سربراہ ہیں تہمت لگا کر یا دوسرے ذرائع استعمال کرکے ان کو بدنام کردیں. ایک نہایت ہی بے آبرو اور استعمار کا ایجنٹ اپنی کتاب میں لکھتا ہے کہ نجف وایران کے چھ سو علماء انگریزوں کے وظیفہ خوار تھے. شیخ مرتضیٰ انصاری [1] نے صرف دو سال وظیفہ لیا پھر متوجہ ہوگئے [2] اس کا مدرک وہ اسناد ہیں جو انگلستان کی وزارت

۱۔ اس سے مراد شیخ مرتضی انصاری فقیہ واصولی ہیں۔

۲۔ کتاب " حقوق بگیران انگلیس در ایران " تالیف اسماعیل رائین ص ۱۰۲ و ۱۰۳ اس کی وضاحت یہ ہے کہ جب سے ساواک کی بنیاد رکھی گئی ہے اسی وقت سے رائین ۱۴۹۸ کے اشارہ نمبر سے ان لوگوں کے لئے کام کرتا تھا اس نے اپنی کتاب " فراموشخانہ وفراماسونری کو ساواک کی مدد سے لکھ کر شائع کیا تھا. رائین کی کتاب میں جو اسناد درج ہیں وہ ساواک کے مرکزی ریکارڈ کے مطابق ہیں اور یہی چیز بتاتی ہے کہ اس کا اہم حصہ انہی اسناد سے انتخاب کیاگیا ہے جو عینا رائین کی کتاب میں آیا ہے. شاہ ایران کے وزیر دربار، علم کے ساتھ بھی اس کے بہت اچھے روابط تھے یہی شخص تھا جس نے رائین کو حقوق بگیران انگلیس در ایران کی تالیف پر آمادہ کیاتھا تاکہ اس طرح علماء کے چہرے کو داغدار کردے

ظہور وسقوط سلطنت پہلوی ج ۲ ص ۲۴۲ و ۲۴۶ . مطالعات سیاسی، موسسہ وپژوہشہائے سیاسی، کتاب اول ص ۹۱ ۔ ۹۲ .

خارجہ در ہند کے ریکارڈ میں ہیں. اس میں استعمار کا ہاتھ ہے جو ہم کو گالیاں دلواکر نتیجہ حاصل کرنا چاہتا ہے. استعمار بہت چاہتا ہے کہ تمام علماء کو اپنا وظیفہ خوار بنائے تاکہ علماء کو لوگوں میں بدنام کرکے لوگوں کو ان سے دور کردے.

اور دوسری طرف ان لوگوں نے اپنی کوشش وتبلیغات سے چاہا ہے کہ اسلام کو محدود کردیں. فقہاء اور علمائے اسلام کی ذمہ داریوں کو جزئی کاموں میں منحصر کردیں. انہوں نے ہمارے کانوں میں پھونکا ہے کہ فقہاء کو (مذہبی) مسائل بیان کرنے کے علاوہ کوئی کام ہی نہیں ہے وہ کوئی دوسری ذمہ داری نہیں رکھتے. بعض ناسمجھ لوگوں نے یقین کرلیا اور گمراہ ہوگئے وہ اس کو نہ سمجھ سکے کہ یہ ایک ایسی سازش ہے جس کے ذریعے وہ ہمارے استقلال کو ختم کرنا چاہتے ہیں اور ہر طرح سے اسلامی ممالک کو ہمارے ہاتھ سے لینا چاہتے ہیں. ایسے ناسمجھ ہیں کہ جنہوں نے نادانستہ طورسے استعماری پروپیگنڈے، ان کی سیاست اور ان کے مقاصد کی مدد کی ہے استعمار کے پروپیگنڈا اداروں نے یہ وسوسہ پیدا کردیا ہے کہ دین سیاست سے الگ چیز ہے. علماء کو کسی اجتماعی کام میں مداخلت نہیں کرناچاہیے. فقہاء کو یہ حق نہیں ہے کہ ملت اسلام اور اپنی تقدیر سازی کی فکر کریں. افسوس اس کا ہے کہ کچھ لوگ اس کو قبول کرکے اس سے متاثر بھی ہوگئے اور اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ جو استعمار چاہتا تھا وہی ہوا.

آپ ذرا حوزہ ہائے علمیہ پر نظر ڈالئے وہی غلط پروپیگنڈے کے اثرات دکھائی دیں گے. مہمل وبیکار وکاہل وبے ہمت لوگوں کو آپ دیکھیں گے کہ وہ صرف مسئلہ گوئی کررہے ہیں! دعا کررہے ہیں! اس کے علاوہ ان سے کام ہو بھی نہیں سکتا. اسی طرح آپ ایسے رویہ کو دیکھیں گے جو اسی غلط پروپیگنڈہ کا نتیجہ ہے. مثلا بات کرنا علماء کی شان کے خلاف ہے. آخوند اور مجتہد کو ایسا ہونا چاہیے جو کچھ جانتا ہی نہ ہو اور اگر جانتا ہو تو بات نہ کرے. صرف لا الہ الا اللہ کہے اور کبھی صرف ایک کلمہ کہے. حالانکہ یہ غلط ہے خلاف سنت رسول خدا (ص) ہے حالانکہ خدا تقریر، قلم اور تحریر کی عظمت کو بیان کرتا ہے سورہ

رحمان میں ہے علمه البیان[1] اور اس بیان کو نعمت عظیم اور محترم شمار کرتا ہے. بیان تو احکام الٰہی کے پھیلانے کےلئے تعلیم و عقائد کے پھیلانے کےلئے ہوتا ہے اسی نطق و بیان کے ذریعہ ہم لوگوں کو دین کی تعلیم دے سکتے ہیں تاکہ یعلمونها الناس کے مصداق بن سکیں. رسول اسلام (ص) اور حضرت علیؑ تقریریں کرتے تھے، خطبے دیتے تھے اور مرد سخن تھے.

مقدس نماؤں کی اصلاح

اس قسم کے احمقانہ افکار جو بعض ذہنوں میں ہیں یہ استعمار اور ظالم حکومتوں کی مدد کرتے ہیں اور ان کا مقصد اسلامی ممالک کو اسی حالت میں باقی رکھنا اور اسلامی انقلاب کو روکنا ہے. یہ ان لوگوں کے خیالات ہیں جن کو "مقدسین" کہا جاتا ہے. ویسے یہ لوگ "مقدس نما" ہیں حقیقت میں مقدس نہیں ہیں. ان کے افکار کی اصلاح ضروری ہے اور ان کی شرعی ذمہ داری بھی ان کو بتایا جانا ضروری ہے کیونکہ یہ لوگ ہماری اصلاحات اور ہمارے انقلاب کے مانع ہیں انہوں نے ہمارے ہاتھوں کو باندھ رکھا ہے. ایک دن جناب بروجردی مرحوم[2] جناب حجت مرحوم[3] جناب صدر مرحوم[4] اور جناب

۱۔ اس کو بات کرنے کی تعلیم دی. سورہ رحمان / ۴

۲۔ آیت اللہ العظمیٰ سید حسین بن علی طباطبائی بروجردی (۱۲۹۲ - ۱۳۸۰ ھ ق) فقیہ، اصولی، زعیم حوزہ علمیہ مرجع شیعیان عالم آپ کے اساتذہ میں آخوند خراسانی، سید محمد کاظم یزدی، شیخ الشریعہ اصفہانی تھے شہر قم کے علماء وطلاب کے اصرار پر ۱۳۶۴ ھ سے قم ہی میں اقامت پذیر ہوگئے. آپ کی تالیفات میں حاشیہ بر عروۃ الوثقیٰ، حاشیہ بر کفایہ الاصول، حاشیہ بر نہایہ شیخ طوسی اور فقہ واصول کے تقریرات ہیں جن کو آپ کے شاگردوں نے قلم بند کیا ہے.

۳۔ آیت اللہ سید محمد حجت (۱۳۱۰ - ۱۳۷۳ ھ) آپ کا شمار مجتہدین میں ہوتا تھا اور فقہ واصول کے مدرس تھے سن ۱۳۴۹ ھ سے شہر قم میں اقامت پذیر ہوگئے تھے آیت اللہ حائری کے مرنے کے بعد آیت اللہ صدر و خوانساری کے ساتھ مل کر حوزہ علمیہ قم کا نظام چلاتے تھے آپ کی تالیفات میں رسالہ در استصحاب، رسالہ در بیع اور حاشیہ بر کفایہ شامل ہیں.

۴۔ آیت اللہ سید صدر الدین صدر (۱۲۹۹ - ۱۳۷۳ ھ) آپ کے اساتذہ میں آخوند خراسانی اور آیت اللہ نائینی تھے آیت اللہ حائری کی دعوت پر قم تشریف لائے اور آپ کے مشیر وہمکار رہے آپ کی تالیفات میں المہدی، خلاصہ الفصول ومدینۃ العلم ہیں.

خوانساری مرحوم [1] رضوان اللہ علیہم ایک سیاسی امر کے بارے میں مشورہ کرنے کےلئے ہمارے گھر میں اکٹھا ہوئے تھے [2] میں نے عرض کیا: آپ حضرات سب سے پہلے ان مقدس نماؤں کی تکلیف (شرعی) واضح فرمائیے. انکے وجود کا مطلب یہ ہے کہ دشمن نے آپ پر حملہ کرر کھا ہے اور ایک مضبوط شخص نے آپ کا ہاتھ پکڑ رکھا ہے. یہ لوگ جن کو مقدسین کے نام سے یاد کیا جاتا ہے جو واقعی مقدس نہیں ہیں اور نہ مفاسد ومصالح کی طرف متوجہ ہیں انہوں نے آپ کے ہاتھوں کو باندھ رکھا ہے. اگر آپ کچھ کام کرنا چاہتے ہیں حکومت پر قبضہ کرنا چاہتے ہیں پارلیمنٹ پر قابو پانا چاہتے ہیں تاکہ یہ سب مفاسد واقع نہ ہوں تو آپ سب سے پہلے ان کی فکر کریں ورنہ یہ آپ کو ضائع وبرباد کردیں گے.

آج کا اسلامی معاشرہ کچھ اس طرح کا ہوگیا ہے کہ خود ساختہ مقدسین اسلام ومسلمین کی ترقی میں حائل ہیں اور اسلام کے نام پر اسلام کو نقصان پہونچا رہے ہیں. یہ جماعت جو ہمارے معاشرے میں موجود ہے اس کی جڑیں دینی مدارس میں موجود ہیں. نجف، قم اور مشہد کے دینی مراکز میں ایسے افراد موجود ہیں جو مقدس نمائی کی روح رکھتے ہیں اور یہاں سے اپنے غلط افکار کو بنام اسلام معاشرے کے اندر پھیلاتے ہیں. یہی وہ لوگ ہیں کہ اگر ایک آدمی بھی ان کو مل جاتا ہے تو اس سے کہتے ہیں آیئے زندہ رہیے. آیئے آیئے ہم کو دوسروں کے زیر پرچم زندگی نہیں بسر کرنی چاہیے. ایسا نہ ہونے دیجیے کہ انگریز وامریکہ ہمارے اوپر اتنا حاوی ہوجائیں. ایسا نہ کیجیے کہ اسرائیل اس طرح مسلمانوں کو مفلوج بنادے، اس کی مخالفت کرتے ہیں.

اس جماعت کو پہلے تو نصیحت کرکے بیدار کرناچاہیے. ان سے کہنا چاہیے: کیا آپ اپنے سرپر خطرہ

۱۔ آیت اللہ سید محمد تقی خوانساری (۱۳۰۵ - ۱۳۷۱ ھ) آپ کے اساتذہ میں آخوند خراسانی، میرزائے نائینی، سید محمد کاظم یزدی (وغیرہ) تھے انگریز استعمار کے خلاف عراقیوں کے ساتھ مجاہدین کی صف اول میں تھے آیت اللہ حائری کے انتقال کےبعد آقائے حجت، آقائے صدر کے ساتھ ہوکر حوزہ علمیہ کا نظام چلاتے تھے ۱۳۶۳ ھ کی قحط سالی کے زمانے میں اہل قم کی دعوت پر نماز استسقاء پڑھائی جس کے بعد زبردست بارش ہوئی.

۲۔ جناب دوانی وخلخالی کے بیانات کی بناپر جس سیاسی مسئلہ پر بحث تھی وہ مجلس مؤسسان کا مسئلہ تھا.

نہیں محسوس کررہے؟ کیا آپ کو دکھائی نہیں دے رہا کہ اسرائیلی مار رہے ہیں، قتل کررہے ہیں، تباہ کررہے ہیں اور برطانیہ اور امریکہ اس کی مدد کررہے ہیں اور آپ بیٹھے تماشا دیکھ رہے ہیں! آخر آپ بھی تو بیدار ہوں، لوگوں کی تباہ حالی کا علاج کریں. تنہا مباحثہ سے کوئی فائدہ نہیں ہوگا صرف مسئلے بیان کرنا دردوں کا علاج کرنا نہیں ہے. یہ لوگ اسلام کو ختم کررہے ہیں بساط اسلام کو لپیٹ رہے ہیں (ایسے وقت میں) خاموش نہ بیٹھیں عیسائیوں کی طرح بیٹھے نہ رہیں کہ وہ روح القدس اور تثلیث کے بارے میں گفتگو ہی کرتے رہے اور دشمن نے ان کا خاتمہ کردیا. بیدار ہوجائیں. ان حقائق وواقعات پر توجہ کیجئے. آج کے مسائل میں غور کیجئے اپنے آپ کو اتنا مہمل وبیکار نہ بنایئے. آپ اپنی اس سستی کے باوجود چاہتے ہیں کہ ملائکہ آپ کے پیروں کے نیچے پر بچھائیں! کیا ملائکہ سست پرور ہیں؟ ملائکہ اپنے بال و پر حضرت علیؑ کے پاؤں کے نیچے بچھاتے تھے کیونکہ آپؑ اسلام کے لئے مفید تھے اسلام کی عظمت چاہتے تھے. علیؑ کی وجہ سے اسلام دنیا میں پھیلا اور عالمی شہرت پیدا کی. حضرتؑ کی حکومت کی وجہ سے ایک خوش نام، آزاد، پر حرکت اور پربرکت معاشرہ وجود میں آیا. ملائکہ حضرتؑ کے سامنے خضوع کرتے تھے. سبھی خشوع وخضوع کرتے ہیں. انتہا یہ ہے کہ دشمن بھی آپؑ کی عظمت کو سلام کرتا ہے. جبکہ آپ تو سوائے مسئلہ گوئی کے کوئی تکلیف ہی نہیں کرتے تو آپ کے لئے خضوع وخشوع کا کوئی مورد ہی نہیں ہے.

اب اگر تذکر ونصیحت وارشاد مکرر کے بعد بھی بیدار نہیں ہوتے اور انجام فریضہ کے لئے نہیں آمادہ ہوتے تو معلوم ہوجائے گا کہ ان کا قصور غفلت کی وجہ سے نہیں ہے، بلکہ ان کا تو درد ہی دوسرا ہے پھر اس وقت ان سے حساب دوسری طرح لیا جائے گا.

حوزہ ہائے علمیہ کی صفائی

حوزہ ہائے علمیہ مسلمانوں کی تعلیم، تدریس، تبلیغ اور رہبری کی جگہ ہے. فقہائے عادل، فضلاء، مدرسین اور طلاب کی جگہ ہے. امانت داروں، انبیاء کے جانشینوں اور امانت داری کی جگہ ہے. واضح ہے کہ

امانت الٰہی ہر شخص کے حوالہ نہیں کی جاسکتی جو شخص بھی ایسے اہم منصب کا خواستگار ہو اور ولی امر مسلمین ونائب امیر المؤمنینؑ بننا چاہتا ہو لوگوں کے اموال، اعراض، نفوس، مال غنیمت، حدود وغیرہ میں مداخلت کرنا چاہتا ہو اس کو منزہ ہونا چاہئے. دنیا پرست نہ ہونا چاہئے اور جو شخص دنیا کے لئے ہاتھ پاؤں مارتا ہو خواہ امر مباح ہی کے لئے ہو وہ امین اللہ نہیں ہے اور نہ اس پر اطمینان کیا جاسکتا ہے. جو فقیہ ظالموں کے مرکز میں چلا جائے اور وہ دربار کے حاشیہ نشینوں میں سے ہو، ظالموں کے احکام کی اطاعت کرتا ہو وہ امین ہے نہ الٰہی امانت دار ہوسکتا ہے. خدا جانتا ہے کہ صدر اسلام سے آج تک ان علمائے سوء سے اسلام پر کتنی مصیبتیں پڑی ہیں. ابوہریرہ [1] جو ایک فقیہ تھا مگر خدا جانتا ہے کہ اس نے معاویہ اور اس جیسے اشخاص کے فائدہ کے لئے (کتنی حدیثیں اور) کتنے احکام جعل کئے ہیں اور اسلام پر کتنی مصیبتیں ڈالی ہیں. ظالمین اور بادشاہوں کے درباروں میں علماء کا جانا عام آدمی کے جانے سے بہت فرق رکھتا ہے ایک عام آدمی اگر جاتا ہے تو صرف فاسق ہے اس سے زیادہ کچھ نہیں ہے لیکن اگر ایک فقیہ، ایک قاضی جیسے ابوہریرہ، جیسے قاضی شریح ظالموں کے دربار میں جائیں تو اس کا مطلب دربار

۱۔ ابوہریرہ صحابی (۵۷ یا ۵۸ ھ) ساتویں ہجری میں اسلام لایا اور تین سال سے زیادہ صحبت رسولؐ سے مستفید نہ ہوسکا لیکن تمام اصحاب سے زیادہ اس کی روایات حضرت رسولؐ سے مروی ہیں اسی لئے خلفاء کے دور میں بزرگ صحابہ نے بارہا اس پر اعتراض کیا تھا. عمر کے زمانہ میں. بحرین کا عامل تھا مگر معزول کردیا گیا اور بیت المال کے مال کو خورد برد کرنے کی وجہ سے اس پر دس ہزار درہم کا جرمانہ کیا گیا. عثمان کے زمانہ میں ان سے تقرب حاصل کرنے کے لئے اس نے ان کی شان میں بہت سی حدیثیں گھڑیں. حضرت علیؑ کے زمانہ میں معاویہ کو فائدہ پہونچانے کے لئے بالکل خاموش رہا. بیان کیا جاتا ہے کہ جنگ صفین میں کسی طرف شریک نہیں ہوا. ایک دن حضرت علیؑ کے لشکر میں اور ایک دن معاویہ کے لشکر میں بسر کرتا تھا؛ کہا جاتا ہے نماز حضرت علیؑ کی اقتدا میں پڑھتا تھا کھانا معاویہ کے ساتھ کھاتا تھا؛ اور کہتا تھا معاویہ کی غذا لذیذ ہے لیکن علیؑ کے ساتھ نماز افضل ہے! اس کی بہت سی حدیثوں کو علمائے اسلام۔ خواہ سنی ہوں یا شیعہ۔ قبول نہیں کرتے

ابوہریرہ، علامہ شرف الدین ؛ ابوہریرہ شیخ المضیرہ، محمد ابوزہرہ ؛ شرح نہج البلاغہ، ابن ابی الحدید ج ۴ ص ۶۳ - ۶۹ و ۷۸ ؛ دائرہ المعارف اسلامیہ، ابن ابی الحدید ج ۱ ص ۴۱۸ - ۴۱۹.

کو عظمت دینا ہے، اسلام کو داغدار کرنا ہے. ایک فقیہ اگر ظالموں کے ایوان میں وارد ہو تو ایسا ہے جیسے ایک امت وارد ہو گئی ہو نہ یہ کہ ایک عام آدمی گیا ہو اسی لئے ائمہ نے ان کی بارگاہوں میں جانے سے بڑی سختی کے ساتھ روکا ہے اور فرمایا ہے کہ اگر تم لوگ نہ جاتے تو نوبت یہاں تک نہ پہونچتی [1].

جو ذمہ داریاں فقہائے اسلام کی ہیں وہ دوسروں کی نہیں ہیں. فقہائے اسلام کو چاہئے کہ اپنی منزلت اور اپنے مقام کے لئے بہت سی مباح چیزوں کو بھی چھوڑ دیں اور ان سے اعراض کریں. جن مقامات پر دوسروں کے لئے تقیہ ہے فقہاء وہاں پر تقیہ نہ کریں. تقیہ تو صرف اسلام ومذہب کے بچانے کے لئے تھا کہ اگر تقیہ نہ کیا جاتا تو مذہب باقی نہ رہتا. تقیہ فروع میں ہوتا ہے مثلاً وضو اس طرح یا اس طرح کرو، لیکن جب اصول اسلام، حیثیت اسلام خطرے میں ہو تو نہ سکوت کی جگہ ہے نہ تقیہ کی، اگر کسی فقیہ کو آمادہ کریں کہ منبر پر جاکر حکم خدا کے خلاف کہے تو کیا وہ بعنوان " **التقية ديني ودين آبائي** " [2] اطاعت کرسکتا ہے؟ یہ تقیہ کی جگہ نہیں ہے اگر معلوم ہو کہ ظالم کے دربار میں فقیہ کے جانے سے ظلم بڑھ جائے گا، اسلام داغدار ہوجائے گا تو فقیہ کو نہیں جانا چاہئے چاہے کہ اس کو قتل کردیا جائے. اس کا کوئی عذر قابل قبول نہیں ہے. ہاں اگر معلوم ہو کہ اس کا جانا عقلاً درست تھا تب ٹھیک ہے جیسے علی

۱۔ امام سجاد نے زہری کو جو خط لکھا ہے اس کا ترجمہ یہ ہے: بہت معمولی سا حق جو تم نے چھپایا ہے اور بہت ہلکا وزن جو تم نے اپنی پشت پر اٹھایا ہے وہ یہ ہے کہ ظالم سے نزدیک ہوکر اس کی وحشت کو دور کردیا اور گمراہی کا راستہ اس کے لئے ہموار کردیا اور اس کے بلانے پر اس کے پاس چلے جانے سے اس کے لئے راہ گمراہی کو آسان کردیا... جب اس نے تم کو بلایا تو کیا اس کا مقصد بلانے سے یہ نہیں تھا کہ تم کو اپنے مظالم کی چکی کا قطب قرار دے اور اپنے تمام ظلم وستم کو تمہارے وجود کے ارد گرد گھمائے؟ تم کو اپنے مقاصد ومطالب کا پل بنالے اور اپنی گمراہیوں کی سیڑھی قرار دے اور اپنی کجروی کے (جواز کے لئے) تم کو دعوت دیتا ہے اور تم کو اسی راستے پر چلائے گا جس پر خود چلتا ہے. تم کو وسیلہ بناتا ہے تاکہ تم کو داغدار کردے اور نادانوں کے دلوں کو اپنی طرف مائل کرلے (تحف العقول ص ۲۱۴ حصہ کلمات امام سجاد)

۲۔ تقیہ میرے اور میرا آباء (واجداد) کا دین ہے.

مستدرک الوسائل ج ۱۲ ص ۲۵۸ کتاب الامر بالمعروف، ابواب الامر والنہی ... باب ۲۴، حدیث ۴.

بن یقطین [1] کے بارہ میں معلوم ہے کہ کیوں جاتے تھے یا محقق طوسی کے جانے سے کیا فائدہ تھا. یقینا فقہاء ان باتوں سے بری ہیں. صدر اسلام سے ان کی حالت واضح ہے نور کی طرح روشن ہے اس میں کوئی دھبہ نہیں ہے. جو علماء اس زمانہ میں بادشاہ سے وابستہ تھے وہ ہمارے مذہب کے نہیں تھے. فقہاء نے نہ صرف اطاعت نہیں کی بلکہ مخالفت کی ہے. قید کئے گئے، مصیبت برداشت کی پھر بھی اطاعت نہیں کی. کوئی یہ خیال نہ کرے کہ فقہاء ان لوگوں سے وابستہ تھے یا ہیں. ہاں کبھی کنٹرول کرنے کے لئے یا تختہ الٹنے کے لئے دربار میں جاتے تھے اور اگر اس وقت بھی ایسا کوئی موقع ہاتھ آجائے تو بھی یہی کریں گے. یہ بات قابل بحث نہیں ہے. بحث ان لوگوں کے لئے ہے جو سر پر عمامہ رکھ لیتے ہیں اور یہاں یا وہاں سے چار کلمے پڑھ لیتے ہیں یا جاہل ہوتے ہیں صرف شکم پری کے لئے یا اپنی حکومت چلانے کے لئے ان لوگوں سے چپک جاتے ہیں ان کے لئے کیا کیا جائے؟

درباری ملاؤں کو نکالو

یہ (درباری ملا) علمائے اسلام نہیں ہیں. ان میں سے بہتوں کو ایرانی حکومت کی سی آئی ڈی نے معمم کیا ہے تاکہ یہ دعاکریں. اگر عید اور دیگر مواقع پر جبر وزور کرکے ائمہ جماعت کو حاضر نہ کر سکیں تو ان کے افراد موجود ہوں جو (جل جلالہ) کہیں کے عرصہ سے لقب جل جلالہ کو اس کے (بادشاہ) لئے مخصوص کرنے لگے ہیں. یہ لوگ فقہاء نہیں ہیں. یہ تو جانے پہچانے لوگ ہیں. لوگ ان کو پہچانتے ہیں.

۱۔ علی بن یقطین (۱۲۴ ۔ ۱۸۲ھ) ان کے والد بنی امیہ کے حکومت کے زمانہ میں بنی عباس کی حکومت کی طرف لوگوں کو دعوت دیتے تھے اسی لئے جب بنی عباس برسر اقتدار آگئے تو علی بن یقطین کی اہمیت ان کی نظروں میں بہت بڑھ گئی یہاں تک کہ ہارون رشید نے ان کو اپنا وزیر بنالیا مگر علی بن یقطین اس وقت بھی امام موسی کاظمؑ سے مربوط رہے اور آپؑ ہی کو واجب الاطاعہ جانتے تھے اور آپؑ کے حکم کو پورا کرنے کی کوشش کرتے تھے امامؑ نے ان کے بارہ میں فرمایا: اے علی! خداوند عالم ظالموں کے پہلو میں کچھ مددگار رکھتا ہے جن کو اپنے دوستوں کی حمایت کا وسیلہ قرار دیتا ہے اور اے علی! تم بھی انہیں میں سے ہو

اس روایت میں ہے کہ ایسے اشخاص سے دین کے بارے میں ڈرو ! یہ تمہارے دین کو برباد کردیں گے.
ان کو ذلیل کرنا چاہیۓ تاکہ اگر عزت دار ہوں تو لوگوں کے درمیان رسوا ہوجائیں. بے وقعت ہوجائیں.
اگر یہ مجمع عام میں ساقط نہ کیۓ گیۓ تو امام زمانہ (عج) کو ساقط کردیں گے. اسلام کو ساقط کردیں گے.

ہمارے جوانوں کو چاہیۓ کہ ان کا عمامہ اتار لیں. ان ملاؤں کا عمامہ جو فقہاۓ اسلام اور علماۓ اسلام کے نام سے اسلامی معاشرے میں ایسا فساد پھیلا رہے ہیں، اتار لیناچاہیۓ. مجھے نہیں معلوم کہ کیا ہمارے جوان ایران میں مرگیۓ ہیں؟ کہاں ہیں؟ جب ہم تھے تب تو (ایران) ایسا نہ تھا آخر ان کے عمامے کیوں نہیں اتار لیے جاتے؟ میں نہیں کہتا ان کو قتل کردو. یہ قتل کے قابل نہیں ہیں لیکن ان سے سروں سے عمامے اتار لو. لوگوں کی ڈیوٹی ہے، ایران کے اندر ہمارے جوانوں کا فریضہ ہے کہ ایسے ملاؤں کو جل جلالہ کہنے والے عمامہ والوں کو، جب پبلک میں عمامہ کے ساتھ ظاہر ہوں تو (عباء و) عمامہ پہنے ہوۓ انہیں مجمع میں نہ آنے دیں. ان کی بہت زیادہ پٹائی بھی ضروری نہیں ہے لیکن ان کے عماموں کو نوچ لو، عمامہ پہن کر نکلنے نہ دو، یہ بہت ہی شریف لباس ہے ہر شخص کے جسم پر نہیں ہونا چاہیۓ. میں عرض کرچکا علماۓ اسلام اس سے منزہ ہیں. وہ ان درباروں میں نہ کبھی تھے اور نہ ہیں. جو ان ایوانوں سے وابستہ ہیں وہ وہی مفت خورے ہیں جنہوں نے اپنے آپ کو مذہب اور علماء سے باندھ رکھا ہے ان کا حساب بالکل الگ ہے اور لوگ ان کو خوب پہچانتے ہیں.

خود ہماری ذمہ داریاں بھی بہت دشوار ہیں. ہمارے لیۓ ضروری ہے کہ روحانی اعتبار سے اور طرز زندگی کے اعتبار سے اپنے آپ کو کامل کریں. زیادہ سے زیادہ پاکباز بنیں. دنیاۓ دنی سے روگردانی کریں. آپ حضرات (علماء سے خطاب ہے) اپنے آپ کو امانت الٰہی کی حفاظت کےلیۓ آمادہ کریں. امین بنیں. دنیا کو اپنی نظر میں ذلیل قرار دیجیۓ. یہ ضرور ہے کہ آپ حضرت امیرؑ کی طرح نہیں ہوسکتے جنہوں نے فرمایا تھا: دنیا میری نظر میں بکری کی رینٹھ ہے. لیکن دنیاۓ دنی سے اجتناب تو کرسکتے ہیں اپنے نفسوں کا تزکیہ کیجیۓ. خدا کی طرف توجہ کیجیۓ. متقی بن جایۓ. اگر خدا نخواستہ آپ درس اس لیۓ

پڑھتے ہیں کہ کل ساز وسامان والے ہوجائیں تو نہ فقیہ بن سکیں گے نہ امین اسلام ہوپائیں گے. اپنے آپ کو ایسا بنائیے کہ کل اسلام کے لئے مفید بنئے. لشکر امام زمان (عج) بنئے تاکہ خدمت کرسکئے، عدالت کو پھیلا سکئے. معاشرے کے اندر صالح افراد ایسے ہیں کہ جن کا وجود ہی معاشرہ کے لئے باعث اصلاح ہے ہم نے ایسے اشخاص کو دیکھا ہے کہ انسان ان لوگوں کے ساتھ ہونے سے اور معاشرت کرنے سے پاک وپاکیزہ ہوجاتا ہے. آپ بھی ایسے کام کیجئے کہ آپ کے کام سے، اخلاق سے، سلوک سے، اعراض سے، دنیا والے حکام دنیا سے محفوظ رہیں، لوگ آپ کی پیروی کریں آپ مقتدا الانام (لوگوں کے پیشوا) بن جائیں. جند اللہ ہوجائیں، خدا کے سپاہی ہوجائیں تاکہ اسلام کا تعارف کراسکیں. حکومت اسلامی کا تعارف کراسکیں. میں یہ نہیں کہتا تعلیم چھوڑ دیں. درس ضرور پڑھیں فقیہ بنیں فقاہت میں کوشش کریں، ایسا نہ کریں کہ حوزہ ہائے علمیہ میں فقاہت نہ رہے. جب تک فقیہ نہ بنیں گے اسلام کی خدمت نہ کرسکیں گے. لیکن طالب علمی کے زمانے میں بھی اسلام کی فکر میں رہیں لوگوں کو اسلام بتائیں. ابھی تو اسلام اجنبی ہے کسی کو نہیں پہچانتا لیکن ضروری ہے کہ آپ اسلام کو احکام اسلام کو لوگوں تک پہونچایئے تاکہ لوگ سمجھیں اسلام کیا ہے. حکومت اسلامی کیا ہوتی ہے رسالت وامامت کیا ہے. اسلام در حقیقت کس لئے آیا ہے؟ اور کیا چاہتا ہے رفتہ رفتہ اسلام کا تعارف ہوجائے گا اور انشاء اللہ ایک دن حکومت اسلامی کی تشکیل ہوجائے گی.

ظالم حکومتوں کو ختم کیجئے

حکومتی اداروں کا بائیکاٹ کیجئے. (کسی معاملہ میں) ان کا ساتھ نہ دیجئے ہر وہ کام جس سے ان کی مدد ہوتی ہو اس کو نہ کیجئے. عدالتی، مالی، اقتصادی، ثقافتی، سیاسی نئے ادارے قائم کیجئے.

(طاغوت) یعنی ناجائز سیاسی طاقتیں جو پورے ملک میں پھیلی ہوئی ہیں کو نیست ونابود کرنا ہم سب کی ذمہ داری ہے. ظالم لوگ اور عوام کی مرضی کے خلاف مصروف عمل سارے ادارے اپنی جگہ عوامی خدمت کرنے والے اداروں کو دیدیں جن کو اسلامی قانون کے مطابق چلایا جائے پھر رفتہ رفتہ اسلامی

حکومت قائم کی جائے. خداوند عالم نے قرآن میں طاغوت اور ناجائز سیاسی طاقتوں کی اطاعت کرنے سے نہی کیا ہے اور لوگوں کو بادشاہوں کے خلاف ابھارا ہے. موسیٰ کو بادشاہوں کے خلاف آمادہ کیا ہے بہت سی روایات میں ظالموں اور دین میں تصرف کرنے والوں کے خلاف قیام کی تشویق کی ہے. ائمہ اور ان کے پیرو کار یعنی شیعہ ہمیشہ ظالم حکومتوں اور باطل سیاسی طاقتوں سے مبازرہ کرتے رہے ہیں. یہ امر ان حالات اور طرز زندگی سے واضح ہے اکثر اوقات حکام جور کے پنجوں میں گرفتار تھے اور شدید خوف وتقیہ کی زندگی بسر کرتے تھے. لیکن ان کو خوف، مذہب کا تھا اپنی جان کا نہیں تھا. روایات کی تحقیق سے ہمیشہ یہی بات سامنے آتی ہے. حکام جور بھی ہمیشہ ائمہ سے وحشت زدہ رہتے تھے. ان کو معلوم تھا کہ اگر ائمہ کو مہلت دی گئی تو فوراً حکومت کے خلاف اٹھ کھڑے ہوں گے اور حکام کی تعیش وہوسبازی کی زندگی کو ان کے لئے حرام کردیں گے. ہارون نے حضرت موسیٰ کاظمؑ کو گرفتار کرکے مدتوں قید میں رکھا یا مامون [1] امام رضاؑ کو مرو لے گیا اور زیر نگرانی رکھا اور آخر میں زہر دے کر شہید کردیا [2] یہ سب اس لئے نہیں تھا کہ یہ دونوں امامؑ سید تھے اولاد پیغمبر تھے اور ہارون ومامون رسول خدا (ص) کے مخالف تھے بلکہ ہارون ومامون دونوں شیعہ تھے [3] ائمہ کے ساتھ ان کا برتاؤ از باب

۱۔ عبداللہ مامون (۱۷۰۔ ۲۱۸ھ ق) فرزند ہارون الرشید اور بنی عباس کا ساتواں خلیفہ.

۲۔ الارشاد ص ۲۹۰۔ ۲۹۵. تاریخ یعقوبی ج ۲ ص ۱۴۶ و ۱۴۹. مروج الذہب ج ۳ ص ۴۴۰ و ۴۴۱.

۳۔ امام خمینیؒ کا مطلب یہ ہے کہ یہ دونوں (ہارون ومامون) ائمہؑ کی حقانیت کو جانتے تھے (نہ یہ کہ یہ لوگ واقعاً شیعہ تھے۔ مترجم) اور مامون تو اپنے کو شیعہ کہتا بھی تھا اور کہتا تھا کہ میں نے تشیع اپنے باپ سے سیکھا ہے مامون کہتا ہے میں نے اپنے باپ سے امام کاظمؑ کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے کہا: میں لوگوں کا ظاہری پیشوا ہوں اور طاقت وغلبہ سے لوگوں پر مسلط ہوا ہوں لیکن موسیٰ بن جعفرؑ امام بر حق ہیں خدا کی قسم سے اے میرے بیٹے اگر تو بھی مجھ سے حکومت کے بارے میں جھگڑا کرے تو تیری آنکھوں کو تیرے کاسہ سر سے نکال لوں گا. یہ جان لے کہ حکومت بے باپ اور بے اولاد ہوتی ہے.

بحارالانوار ج ۴۸ ص ۱۲۹۔ ۱۳۳.

"الملک عقیم" تھا[1] اگرچہ یہ لوگ جانتے تھے کہ اولاد علیؑ خواہش خلافت رکھتے ہیں اور حکومت اسلامی کی تشکیل پر اصرار رکھتے ہیں اور حکومت وخلافت کو اپنی ذمہ داری سمجھتے ہیں. جیسا کہ جب امام علیہ السلام کو پیشکش کی گئی کہ آپ فدک[2] کے حدود معین فرما دیجئے تاکہ وہ آپ کو واپس کردیا جائے، روایت کے مطابق حضرت نے کشور اسلامی کے حدود کو معین فرما دیا[3] یعنی یہ حدود ہماری ملکیت ہیں جو ہم کو واپس ملنا چاہیئے ان پر ہماری حکومت ہونی چاہیئے تم غاصب ہو. ظالم حکام یہ جانتے تھے کہ اگر امام موسی کاظمؑ کو آزاد کردیا گیا تو وہ ان کی زندگی حرام کردیں گے اور ممکن ہے ایسے حالات فراہم ہوجائیں کہ حضرتؑ قیام کریں اور حکومت کا تختہ الٹ دیں. لہذا مہلت ہی نہیں دی اور اگر مہلت دی ہوتی تو حضرت یقینا قیام کرتے. آپ اس میں شک نہ کریں کہ اگر حضرت موسی کاظمؑ کو مہلت ملتی تو قیام کرتے اور غاصب بادشاہ کے تخت حکومت کو سرنگوں کردیتے.

---

۱. ہارون کا مقصد اس قوم سے کہ "حکومت بے باپ اور بے اولاد ہوتی ہے" یہ تھا کہ جب لڑائی اقتدار وحکومت کے لئے ہوا کرتی ہے تو پھر رشتہ داری بھلا دی جاتی ہے اور کوئی باپ اس کو اپنے بیٹے تک کے لئے برداشت نہیں کرسکتا بلکہ بیٹے سے بھی چھین لینا چاہتا ہے. گویا ملک بانجھ ہوتا ہے. اس کی کوئی اولاد نہیں ہوتی. امام نے جو فرمایا ہے "الملک عقیم" اس سے اسی مطلب کی طرف اشارہ ہے.

۲. فدک ایک قریہ ہے جو خیبر سے ایک منزل پر ہے. فتح خیبر کے بعد وہاں کے باشندوں نے رسول خداؐ سے صلح کی اور فدک رسولؐ کے حوالہ کردیا. رسول اکرمؐ نے حکم خدا کے مطابق فدک اپنی بیٹی فاطمہؑ کو دیدیا.

ابن ہشام ج ۳ و ۴ ص ۳۵۳. طبری ج ۳ ص ۲۰. ابن ابی الحدید ج ۴ ص ۸۲۳ و ۸۲۴. فدک فی التاریخ، شہید باقر صدرؒ.

۳. مہدی عباسی خلیفہ کے بارے میں لکھا ہے کہ اس نے طے کیا کہ جو حقوق واموال ناحق دوسروں کے پاس چلے گئے ہیں ان کو اصلی مالکوں کو واپس کیاجائے یہ خبر امام ہفتمؑ کو ملی تو آپؑ نے اس سے کہا: میرا حق مجھے کیوں نہیں واپس کرتے؟ مہدی نے کہا: آپ کا کیا حق ہے؟ امامؑ نے فرمایا: فدک ہمارا حق ہے. اس کے بعد اس کے حدود بتائے کہ کوہ احد، عریش مصر، دومہ الجندل، سیف البحر ہیں. مہدی نے بڑے تعجب سے پوچھا کیا یہ سب ہی ہے؟ امامؑ نے فرمایا: ہاں یہ سب ہے.

بحارالانوار ج ۴۸ ص ۷ - ۱۵۶ تاریخ امام موسی بن جعفرؑ، باب ۴۰ حدیث ۲۹. ابن شہر آشوب از کتاب "اخبار الخلفاء". اس واقعہ کو ہارون سے بھی نقل کیا جاتا ہے. مگر اس میں حدود اس طرح سے ہیں: سرزمین عدن، سمرقند، افریقہ سیف البحر (نزدیک آرمینیا) کو شمار کیاگیا ہے. مناقب آل ابی طالب ج ۴ ص ۳۴۶.

اسی طرح مامون امام رضاؑ کو اپنی تمام دھوکا بازیوں، چاپلوسیوں یا ابن عم، یا ابن رسول اللہ کہنے کے باوجود زیر نظر رکھتا تھا کہ کہیں قیام نہ کردیں اور اس کی بادشاہت کو ختم نہ کردیں کیونکہ آپؑ فرزند رسول (ص) ہیں آپؑ کے لئے وصیت کی گئی ہے آپ کو مدینہ میں آزاد نہیں چھوڑا جاسکتا. ظالم حکام اقتدار چاہتے تھے. ہر چیز کی قربانی حکومت کے لئے دینے پر تیار تھے یہ نہیں تھا کہ کسی سے خاص دشمنی رکھتے ہوں. چنانچہ اگر نعوذ باللہ امام درباری ہوجاتے تو آپ کا بہت احترام ہوتا، لوگ آپ کے ہاتھ چومتے. روایت ہے کہ جب امام ہارون کے پاس تشریف لائے تو اس نے حکم دیا کہ حضرت کو ہماری مسند تک سواری پر لایا جائے اور اس نے بہت احترام کیا پھر جب بیت المال کی تقسیم کا وقت آیا تو بنی ہاشم کا حصہ بہت کم رکھا مامون نے حضرت کا احترام دیکھا تھا اس کو اس پر بہت تعجب ہوا ہارون نے کہا یہ بات تمہاری عقل میں نہیں آئے گی. بنی ہاشم [1] کے ساتھ یہی برتاؤ مناسب ہے ان کو فقیر رہنے دیا جائے قید میں رکھا جائے شہر بدر کیا جائے. یہ ہمیشہ رنجیدہ رہیں ان کو زہر دیا جائے قتل کیا جائے ورنہ یہ قیام کردیں گے اور ہمارے لئے زندگی دشوار کردیں گے [2].

ائمہؑ نے صرف یہی نہیں کہ ظالم بادشاہوں، جابر حکومتوں، فاسد درباروں سے مبارزہ کیا ہو بلکہ مسلمانوں کو ان کے خلاف جہاد پر آمادہ کیا ہے وسائل [3] ومستدرک میں پچاس سے زیادہ روایات

۱۔ بنی ہاشم قریش کے ایک بڑے خاندان کا نام ہے. عمرو بن عبدمناف جن کا لقب ہاشم تھا اور جو عبدالمطلب کے باپ تھے عبدالمطلب رسول خداؐ کے دادا تھے

۲۔ عیون اخبار الرضاؑ ج۱ ص ۸۸ ۔ ۹۱ . بحار الانوار ج ۴۸ ص ۱۲۹، باب مناظراتہؑ مع خلفاء الجور.

۳۔ تفصیل وسائل الشیعہ الی تحصیل مسائل الشریعہ، جن کو بطور اختصار " وسائل " کہاجاتا ہے، تالیف علامہ محدث حرعاملی. حدیث میں بہت جامع کتاب ہے اور بہترین ترتیب وتبویب کی حامل ہے. اس کتاب کی حدیثوں کو دیگر فقہی کتابوں کے مطابق ترتیب دیا ہے اور آخر میں علم رجال کے فوائد کو شامل کیاگیا ہے.

بادشاہوں اور ظالموں کے درباروں سے کنارہ کشی کرنے پر آئی ہیں [۱] اسی طرح دوسری کتابوں میں بھی ہیں ایسے لوگوں کے منہ میں خاک ڈالنے کا حکم آیا ہے [۲] جو شخص ان کو سیاہی دے یا ان کی دوات میں پانی ڈالے وہ ایسا اور ویسا ہے [۳] مختصر یہ کہ ائمہؑ نے حکم دیا ہے کہ ان سے کوئی تعلق نہ رکھا جائے، قطع تعلق کرلیا جائے اور دوسری طرف عالم وفقیہ کی مدح وفضیلت میں بہت سی روایات آئی ہیں اور تمام لوگوں پر ان کی برتری ثابت کی گئی ہے ان سب سے پتہ چلتا ہے کہ اسلام حکومت اسلامی قائم کرنے آیا تھا اور اس لئے آیا تھا کہ لوگوں کو ستمگاروں سے منصرف وروگرداں کردے. خانہ ظلم کو ویران کردے فقہاء کے دروازوں کو لوگوں کے لئے کھول دے ایسے فقہاء جو عادل وپارسا ومتقی ومجاہد اور اجرا وبرقراری نظام اسلام کے لئے کوشاں ہوں۔

مسلمان اسی وقت اپنے آرام وسکون، ایمان واخلاق فاضلہ کی حفاظت کرسکتے ہیں جب عدل وقانون کی حکومت میں زندگی بسر کرتے ہوں ایسی حکومت میں ہوں جس کے نظام وطرز ادارہ وقوانین کو اسلام نے وضع کیا ہو. اس وقت ہمارا فریضہ یہ ہے کہ حکومت اسلامی قائم کریں. مجھے توقع ہے اسلامی حکومت کا طریقہ اس کے سیاسی واجتماعی اصولوں کا تعارف انسانوں میں وسیع طور پر ایک موج پیدا کردے گا اور جو

۱۔ وسائل الشیعہ ج ۱۲ ص ۱۲۷۔ ۱۳۹ کتاب التجارہ، در ابواب مایکتسب بہ، بابہائے ۴۲، ۴۵. مستدرک الوسائل ج ۱۳ ابواب مایکتسب بہ، بابہائے ۳۵ و ۳۸.

۲۔ عن الصادق جعفربن محمد، عن ابیہ، عن آبائہ، عن رسول اللہؐ فی حدیث " المناہی " انہ نہی عن المدح وقال احثوا فی وجوہ المداحین القراب. وسائل ج ۱۲ ص ۱۳۲ کتاب التجارہ، ابواب مایکتسب بہ، باب ۴۲، حدیث ۱ ونیز من لایحضرہ الفقیہ ج ۴ ص ۵ باب ذکر جمل من مناہی النبیؐ حدیث ۱.

۳۔ عقاب الاعمال میں امام صادقؑ نے اپنے جد رسول خداؐ سے روایت کی ہے: جب قیامت کا دن ہوگا تو ایک منادی ندا کرے گا: ستمگروں کے مددگار کہاں ہیں اور وہ لوگ جو ان کی دواتوں میں کپڑا ڈالتے تھے یا ہونے کی تھیلیوں کو ان کے لیے باندھا کرتے تھے یا ان کے لئے قلم بنایا کرتے تھے (وہ سب کہاں ہیں) ان سب کو ان کے ستمگر ساتھیوں کے ساتھ محشور کرو. اصل متن کی عبارت یہ ہے: اذا کان یوم القیامہ نادی مناد: این اعوان الظلمہ ومن لاق لہم دواہ او ربط کیسا او مد لہم مدہ قلم، فاحشروہم معہم. وسائل الشیعہ ج ۱۲ ص ۱۳۰ کتاب التجارہ، ابواب مایکتسب بہ، باب ۴۲.

تحریک لوگوں سے پیدا ہوتی ہے وہ نظام اسلام کے استقرار کا سبب بنتی ہے۔

بارالٰہا، ستمگروں کے ہاتھوں اسلامی ممالک کو رہائی دے۔ اسلام وممالک اسلامی سے خیانت کرنے والوں کو اکھاڑ پھینک۔ اسلامی سربراہوں کو خواب گراں سے بیدار کر، تاکہ وہ قوم وملت کے لئے کوشش کریں اور اختلاف، ذاتی مفاد سے دست بردار ہوجائیں۔ طلاب دین ودنیا کو توفیق دے کہ اسلام کے لئے قیام کریں اور ایک صف میں کھڑے ہوکر استعمار اور اس کے خبیث ایجنٹوں کے چنگل سے نکل کر ممالک اسلامی کا دفاع کریں۔ فقہاء وعلماء کو توفیق دے کہ معاشرے کی ہدایت اور اس کے افکار کو روشن کرنے میں کوشش کریں۔ اسلام کے مقدس مقاصد کو مسلمانوں خصوصاً جوانوں تک پہونچائیں۔ حکومت اسلامی کے قیام میں جہاد کریں۔ انک ولی التوفیق ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔